غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

Marfat.com

غیر مسلموں سے تعلقات
اور
ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

Marfat.com

111845

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۹۷۲

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق
مصنف	:	مولانا سید جلال الدین عمری
صفحات	:	۳۳۲
اشاعت	:	اگست ۲۰۰۷ء
تعداد	:	۱۰۰۰
قیمت	:	-/۱۴۰ روپے
ناشر	:	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔۱۱۰۰۲۵

فون: ۲۶۹۷۱۶۵۲، ۲۶۹۵۴۳۴۱ فیکس: ۲۶۹۴۷۸۵۸

E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in

Website: www. mmipublishers.net

مطبوعہ	:	ایچ ایس آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی-۲

GHAIR MUSLIMON SE
TAALLUQAT AUR UNKE HUQOOQ (Urdu)
By: Maulana Sayyid Jalaluddin Umari
Pages:332
Price: Rs. 140.00

Marfat.com

فہرست مضامین

آغازِ سخن ۱۱

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے احکام ۲۵

خاندانی تعلقات (حسن سلوک کی خصوصی ہدایات) ۲۸

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے ۲۸

انسان سے رحم اور ہمدردی مطلوب ہے ۲۸

صلۂ رحمی کی اہمیت اور اس کی ہدایت ۲۹

غیر مسلم والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ۳۰

غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلقات ۳۴

عام انسانی تعلقات (حسن سلوک کی عمومی ہدایات) ۳۹

غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک ۴۰

غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات ۴۸

مسلمانوں سے متعلق بعض ہدایات میں غیر مسلم بھی داخل ہیں ۵۰

غیر مسلموں پر خرچ کرنا بھی خدا کی راہ میں انفاق ہے ۵۲

محاربین اور غیر محاربین کے درمیان فرق ۵۸

ذمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک ۶۲

محارب قوم سے انسانی تعلقات ۶۲

معاشرتی تعلقات ۶۳

معاشرتِ عرب کے بعض پہلو ۶۳

غذاؤں کی حلت وحرمت ۶۴

Marfat.com

اشیاء میں اصل حلت ہے	۶۶
غیر مسلم کا پانی پاک ہے	۶۶
غیر مسلم کی غذا کا حکم	۶۸
غیر مسلم کی تیار کردہ غذائی اشیاء	۶۹
غیر مسلم کی دعوت قبول کی جا سکتی ہے	۷۰
غیر مسلم کا ذبیحہ	۷۲
غیر مسلم کے برتن	۷۶
غیر مسلم کے کپڑے	۷۹
سماجی تعلقات	۸۱
غیر مسلم کو سلام کرنا	۸۱
غیر مسلم کو دعا دینا	۸۱
چھینک کی دعا کا جواب	۸۲
غیر مسلم کا اکرام	۸۲
غیر مسلم کو مہمان رکھنا	۸۳
غیر مسلم کی عیادت	۸۴
غیر مسلم کے جنازہ کا احترام	۸۶
غیر مسلم کی تجہیز و تکفین	۸۷
جنازہ میں شرکت	۸۹
غیر مسلم عزیز کی قبر کی زیارت	۹۲
غیر مسلم کی تعزیت	۹۳
ازدواجی تعلقات	۹۵
اہل شرک سے ازدواجی تعلقات کی ممانعت	۹۸
دورِ صحابہ میں اس پر عمل درآمد کی مثالیں	۱۰۱
کتابیات سے نکاح کا جواز	۱۰۳
احتیاط پسندیدہ ہے	۱۰۵

Marfat.com

کاروباری تعلقات ۱۰۷
غیر مسلم کے کاروباری حقوق ۱۱۰
کاروبار میں شرکت ۱۱۱
اجرت پر غیر مسلم کی خدمت ۱۱۲

بعض مسائل کی تحقیق و توضیح

۱۔ غیر مسلم کو سلام کا حکم ۱۱۶
غیر مسلم کو سلام کرنے کی ممانعت ۱۱۷
ممانعت کی نوعیت ۱۱۸
غیر مسلم کو سلام کرنے کا ثبوت ۱۱۸
سماجی تقاضوں کے تحت غیر مسلم کو سلام کا جواز ۱۱۹
تالیفِ قلب کے لیے سلام کی گنجائش ۱۲۲
مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مشترک مجمع کو سلام ۱۲۲
غیر مسلم کے سلام کا جواب ۱۲۴
غیر مسلم کے سلام کا جواب کس طرح دیا جائے؟ ۱۲۶
سلام کرنے میں یہود کی شرارت اور اس کا جواب ۱۲۷
جواب میں نازیبا الفاظ کے استعمال کی ممانعت ۱۲۹
سلام کے معاملے میں ذمی اور حربی کا فرق ۱۳۱
غیر مسلم کو سلام کے لیے مناسب الفاظ ۱۳۲
خلاصۂ بحث ۱۳۴
۲۔ مسجد میں غیر مسلم کا داخلہ ۱۳۶
مسجد حرام میں مشرکین کو داخلہ کی اجازت نہیں ہے ۱۳۶
کیا حدودِ حرم کا بھی یہی حکم ہے؟ ۱۳۷
عام مساجد میں غیر مسلم داخل ہو سکتا ہے ۱۳۸

Marfat.com

احناف کے نزدیک حرم میں غیر مسلم صرف ایام حج میں نہیں جا سکتا ۱۳۹
مشرک کے نجس ہونے کا مفہوم ۱۴۰
غیر مسلم کے مسجد میں داخلہ کا ثبوت ۱۴۲
مسجد میں عدالت اور اس میں غیر مسلم کی حاضری ۱۴۵
۳۔ غیر مسلم سے تحائف کا تبادلہ ۱۴۷
رسول اللہ ﷺ کا شاہان عجم سے تحائف کا تبادلہ ۱۴۷
یہودی عورت کی دعوت قبول کی ۱۵۶
ایک حدیث کا صحیح مفہوم ۱۵۷
۴۔ غیر مسلم کی شہادت ۱۵۹
سفر میں وصیت کا حکم ۱۵۹
کیا غیر مسلم گواہ ہو سکتا ہے؟ ۱۶۱
کیا صرف اہل کتاب کی گواہی معتبر ہے؟ ۱۶۲
اہل کتاب کے علاوہ دیگر غیر مسلموں کی گواہی بھی معتبر ہے ۱۶۴
کیا مسلمان کی عدم موجودگی میں غیر مسلم گواہ ہوں گے؟ ۱۶۴
غیر مسلم کی شہادت صرف حالت سفر میں قابل قبول ہوگی ۱۶۵
وصیت کے مفہوم کی وسعت ۱۶۶
قسم کس نماز کے بعد لی جائے گی؟ ۱۶۶
کیا سورۂ مائدہ کی یہ آیات منسوخ ہیں؟ ۱۶۶
غیر مسلم کی شہادت غیر مسلم کے حق میں ۱۷۰
غیر مسلم کی شہادت کے معتبر ہونے کی شرط ۱۷۲
بعض حالات میں غیر مسلم کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔ ۱۷۳
موجودہ حالات پر ایک نظر ۱۷۵

Marfat.com

اسلامی ریاست اور اس میں غیر مسلموں کے حقوق ۱۷۷

اسلامی ریاست کے بعض رہنما اصول ۱۸۰

عدل و انصاف کا قیام ۱۸۰

اسلام کے لیے جبر کی اجازت نہیں ۱۸۳

اسلام اور دیگر مذاہب ۱۸۸

اہلِ کتاب کے ساتھ اسلام کا رویہ ۱۹۰

جہاد اور اس کے احکام ۱۹۴

اسلام فساد اور خوں ریزی کے خلاف ہے ۱۹۵

اسلام کا تصورِ جنگ ۱۹۸

امن کو ترجیح حاصل ہے ۲۰۱

اسلام خدا پرستی کے لیے آزادی چاہتا ہے ۲۰۲

مشرکینِ عرب نے مسلمانوں کو عقیدہ کی آزادی نہیں دی ۲۰۳

مدینہ کی اسلامی ریاست پر جارحانہ حملوں کا جواب دیا گیا ۲۰۵

خانۂ کعبہ پر مشرکین کا ناجائز قبضہ ۲۰۷

مشرکینِ عرب کا حکم ۲۰۸

اسلامی ریاست کا دفاع اور تحفظ ضروری ہے ۲۱۰

جنگ کے آداب ۲۱۲

ذمیوں کے حقوق ۲۱۷

ذمی کی تعریف ۲۱۹

ذمی کے حقوق ۲۲۲

ذمی کی جان کی حفاظت ۲۲۲

ذمی کا قصاص مسلمان سے ۲۲۴

ذمی کی دیت ۲۲۹

ذمی کے مال کی حفاظت ۲۳۵

Marfat.com

ریاستی امور میں ذمیوں کی خدمات ۲۳۹

جنگ میں غیر مسلموں کی شرکت ۲۴۱

مالِ غنیمت میں غیر مسلموں کا حصہ ۲۴۶

زکوٰۃ کی وصولیابی ۲۴۹

ذمیوں کی عبادت گاہیں باقی رہیں گی ۲۵۰

کیا ذمیوں کی نئی عبادت گاہیں تعمیر ہوسکتی ہیں؟ ۲۵۲

اسلامی ریاست اور بین الاقوامی تعلقات ۲۵۵

جنگ ایک عارضی کیفیت ۲۵۵

عداوت ختم ہوسکتی ہے ۲۵۶

مستامن کے احکام ۲۵۷

معاہدات کا احترام ۲۶۲

عہد شکنی پر وعید ۲۶۳

معاہدہ کب ختم ہو جائے گا؟ ۲۶۸

بعض بین الاقوامی معاہدے ۲۷۱

جنگی قیدیوں کا تبادلہ ۲۷۸

جو قوم جنگ نہ کرے اس سے جنگ نہ کی جائے ۲۸۰

غیر مسلموں سے عدمِ تعلق کے احکام کا پس منظر ۲۸۲

کن حالات میں یہ احکام دئے گئے؟ ۲۸۲

مخالفین کا رویّہ اور ان کے عزائم ۲۸۳

اعداءِ دین سے عدمِ تعلق کی ہدایت ۲۸۳

یہود، نصاریٰ اور منافقین کا کردار ۲۸۵

صلح حدیبیہ ۲۹۱

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا واقعہ ۲۹۲

Marfat.com

مشرکین کی عہد شکنی اور جہاد کا حکم	۲۹۵
خدا اور رسول کی محبت ہر محبت پر غالب آجائے	۲۹۶
غیر جانب داروں کے ساتھ حسنِ سلوک	۲۹۸
عدم تعلق کے ذیل کی بعض اصطلاحات	۲۹۹
بطانۃ کا مفہوم	۲۹۹
مولیٰ کے معنی	۳۰۱
مودّت کی تشریح	۳۰۱
کتابیات	۳۰۳
اشاریہ شخصیات	۳۰۹

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغازِ سخن

انسانی تعلقات کا مسئلہ سماج کا سب سے اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ اس کی اہمیت اور نزاکت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ سماج میں مختلف افکار و نظریات اور عقائد و مذاہب کے ماننے والے ساتھ رہتے ہوں۔ ان کا طرزِ حیات اور ان کی تہذیب و معاشرت ایک دوسرے سے الگ ہو۔ اس صورتِ حال میں ظلم و زیادتی حق تلفی اور ناانصافی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں فکری تعصبات، ذاتی اور قومی رجحانات اور سماجی عوامل رکاوٹ بننے لگتے ہیں۔ اس پر قابو پانا ہر مہذب اور صالح سماج کی اولین ضرورت ہے۔

انسانی تعلقات کا اخلاق اور قانون سے رشتہ جڑا ہوا ہے۔ اخلاق کا ہدف ان تعلقات کو بہتر اور خوش گوار بنانا ہے۔ قانون اس لیے ہے کہ انھیں جائز حدود میں رکھے اور کسی کو ان سے انحراف اور تجاوز کی اجازت نہ دے۔ اخلاق اور قانون اپنا فرض ادا کریں تو سماج کو امن و امان اور سکون کی دولت نصیب ہوگی، ورنہ جنگل کا راج ہوگا۔ حقوق پامال ہوں گے اور طاقتور کے ظلم اور چیرہ دستی سے کمزور سسکتے اور بلبلاتے رہیں گے۔

دنیا نے الفت و محبت کے پھول کھلتے بھی دیکھے ہیں اور قتل و خون اور فتنہ و فساد کی کشتِ خزاں کا بھی مشاہدہ کیا ہے۔ خدا کی اس زمین پر طبقات کا تصادم بھی رہا ہے اور ان کے درمیان اتحاد و اتفاق بھی پایا گیا ہے۔ ظلم و زیادتی اور استحصال کی تیز و تند آندھیاں بھی چلی ہیں اور عدل و انصاف اور ایثار و ترجیح کے خوش گوار مناظر بھی دیکھنے کو ملے ہیں۔

Marfat.com

یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب کی روح تقوی اور خدا ترسی ہے۔ وہ انسان کو اخلاق اور قانون کا پابند بناتا ہے۔ اس لیے انسانی تعلقات کو بہتر اور خوش گوار بنانے اور عدل وانصاف کے قیام میں اس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن افسوس کہ دنیا کے بیشتر مذاہب سے یہ روح مفقود ہوتی چلی گئی اور بے جان رسوم نے اس کی جگہ لے لی۔ انھوں نے یہ صلاحیت کھو دی کہ زمانہ کی رفتار اور تغیر پذیر حالات میں زندگی کے پیچیدہ مسائل اور ان کے تقاضوں کا ساتھ دے سکیں۔ ان کے غیر عقلی اور جامد رویّے نے دنیا کو ان سے بیزار اور متنفر کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب سے رہنمائی کا مقام چھین گیا اور وہ انسان کی نجی زندگی تک محدود ہو کر رہ گیا۔ وہ فرد کی محض ذاتی دلچسپی کا موضوع بن گیا اور اجتماعی امور و معاملات اس سے آزاد قرار پائے۔ یہ رویہ پہلے مغرب نے اپنایا اور اس کے زیر اثر مشرق نے بھی عملاً اسے قبول کر لیا۔

اس وقت دوسرے مذاہبِ عالم زیرِ بحث نہیں ہیں۔ البتہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے بارے میں اس رویّہ کو اختیار کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی لیکن مختلف اسباب و عوامل کے تحت دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کے ساتھ زیادہ سخت روش اختیار کی گئی۔ اسے اس طرح پیش کیا گیا جیسے وہ آج کے مہذب سماج کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ اس کا فروغ نوعِ انسانی کے لیے انتہائی تباہ کن ہے اور اس کی تاریخ نوعِ انسانی کے لیے ظلم و زیادتی کی تاریخ ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک کا تعلق فرد سے ہے اور دوسرے کا ریاست سے۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام علیحدگی پسند ہے اور فرد کے اندر یہی رجحان پیدا کرتا ہے۔ وہ دوسرے مذاہب کے ماننے اور مخالف نقطۂ نظر رکھنے والوں سے قطع تعلق کا حکم دیتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو ان سب افراد سے کاٹ دیتا ہے جو اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بے بنیاد اعتراض ہے۔ اسلام کی واضح تعلیمات اس کی تردید کرتی ہیں۔ وہ غیر مسلموں سے عام انسانی اور اخلاقی روابط سے کبھی منع نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ

Marfat.com

وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ مسلمان کسی دوسرے گروہ میں ضم ہو جائیں۔ اس کے لیے اس نے کچھ حدود مقرر کر رکھے ہیں۔ ان حدود کی معقولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کسی با اصول اور نظریاتی ملّت کے لیے ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ اس کی تردید آسان نہیں ہے۔

اسلامی ریاست کے بارے میں یہ تصور ہے کہ اس میں سارے حقوق مسلمانوں کو حاصل ہوں گے اور غیر مسلم بنیادی انسانی حقوق تک سے محروم ہوں گے۔ حالانکہ اسلامی ریاست کا مقصد قرآن کے الفاظ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر (الحج: ۴۱) اور عدل وانصاف کا قیام ہے۔ (الحدید: ۲۵) وہ ہر انسان کے جائز اور فطری حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

ان خیالات کے پیچھے ناواقفیت اور لاعلمی کے ساتھ بہت سے تاریخی عوامل کارفرما ہیں۔ ان میں اسلام کی برتری کو تسلیم نہ کرنے کی نفسیات، اسلام کی سربلندی اور فرماں روائی کا خوف اور اسے کسی قیمت پر گوارا نہ کرنے کا جذبہ اور مسلمانوں کے ساتھ تعصب اور عداوت بھی شامل ہیں۔ اس وجہ سے اسلام کی صاف اور واضح تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش تو نہیں ہوتی البتہ انھیں مسخ کرنے اور اسلام کو بھیانک شکل میں پیش کرنے کی تدبیریں ہوتی رہتی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پورے رویہ میں مسلمانوں کی کوتاہی کا بھی بڑا دخل ہے۔ انھوں نے موجودہ دور میں مختلف مسائل میں غیر مسلموں کے سامنے سنجیدہ اور علمی انداز میں اسلام کا موقف واضح کرنے کی اس طرح کوشش نہیں کی جیسے ہونی چاہیے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط کی کمی بھی اس کا ایک بڑا سبب ہے۔ دونوں میں طویل عرصہ سے ایک طرح کی دوری اور حجاب پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے کے لیے جس ٹھنڈے ماحول کی ضرورت ہے اس کی کمی بلکہ فقدان رہا ہے۔ اس لیے بدگمانیاں پیدا ہوتی اور نشوونما پاتی رہی ہیں۔

اس پورے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے بعض بنیادی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

۱۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ دنیا کے مذاہب میں کس کا رول شخصی اور انفرادی

Marfat.com

زندگی تک محدود ہے اور کس کے دائرے میں اجتماعی مسائل بھی آتے ہیں۔ البتہ اسلام کی حد تک یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ایک جامع اور مکمل دین اور عقیدہ وعمل کا ایک مربوط نظام ہے۔ اس نے اس وسیع کائنات اور اس میں انسان کی حیثیت کے متعلق صرف مضبوط عقیدہ ہی نہیں دیا بلکہ اس کی بنیاد پر انسان کی زندگی کو ایک خاص رخ عطا کیا ہے۔ وہ عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے انسان کا تعلق جوڑتا اور اسے استحکام بخشتا ہے اور اخلاق اور قانون میں اس کے احکام کا اسے پابند بناتا ہے۔ خاندان، معاشرہ، ریاست، شخصی، ملی اور بین الاقوامی تعلقات سب اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہے۔ اس کے اس موقف سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے یہ مطالبہ صحیح نہ ہوگا کہ وہ انفرادی زندگی تک اپنے آپ کو سمیٹ لے۔ وہ محدود مذہبیت کا مخالف ہے جس میں خدا اور قیصر کے حقوق الگ ہوں۔

۲۔ اسلام ایک عالمی دین ہے۔ وہ خدا کا آخری پیغام ہے جو انسانوں کو دنیا وآخرت کی کامیابی کی راہ دکھاتا ہے۔ اس کا خطاب سب انسانوں سے اور ان کے سبھی طبقات سے ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ	(اے پیغمبر) کہدو کہ اے لوگو! میں تم
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا	سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	اللہ جس کا آسمانوں اور زمین پر اقتدار
وَالْاَرْضِ.... (الاعراف: ۱۵۸)	ہے۔

جس دین کا خطاب دنیا کے تمام انسانوں اور ان کے تمام طبقات سے ہو، جو اس حیثیت سے سامنے آئے کہ وہ سارے عالم کی فلاح ونجات کا ذریعہ ہے، وہ کسی طبقہ سے نفرت اور عداوت کا سبق نہیں دے سکتا، ورنہ اس کا خطاب محدود ہوکر رہ جائے گا۔ جو نظریات طبقات کے درمیان کشمکش پیدا کرتے ہیں وہ ایک کے ذریعے دوسرے کا استحصال کرتے ہیں۔ ان میں عمومی اپیل نہیں ہوتی وہ ایک کے لیے پرکشش ہوتے ہیں تو دوسرے کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوتے۔

Marfat.com

۴۔ اسلام نے اپنے عقیدے اور فکر کو عام کرنے کے لیے جبر واکراہ کے تمام طریقوں کو رد کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر طریقہ اس کے نزدیک ناجائز اور ممنوع ہے۔ اس کے لیے اس نے صرف دعوت وتبلیغ کی راہ کھلی رکھی ہے۔ وہ اپنی بات دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے اور اسے قبول یا رد کرنے کی پوری آزادی دیتا ہے۔ اس نے صبر وثبات کے ساتھ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور مخالفت اور مزاحمت کو عزم وحوصلہ اور ہمت سے برداشت کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ	جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کرو اور
هَجْرًا جَمِيْلًا (المزمل : ۱۰)	ان کو اچھی طرح چھوڑ دو۔

اس نے بار بار کہا کہ یہ راہ عفو و درگذر کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ	ان سے درگزر کیجیے اور سلام کہیے ان
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (الزخرف : ۸۹)	کو بہت جلد (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝	ان سے اچھی طرح درگزر کیجیے تمہارا
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ۔	رب وہی ہے جو پیدا بھی کرتا ہے اور
(الحجر: ۸۵-۸۶)	با خبر بھی ہے۔

اس نے اپنے ماننے والوں کی یہ خوبی بیان کی ہے۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ	وہ غصہ کے پی جانے والے اور لوگوں سے
عَنِ النَّاسِ (آل عمران : ۱۳۴)	درگزر کرنے والے ہیں۔

اس نے ہدایت کی ہے کہ بات چیت میں، دعوت میں اور اپنے طرزِ عمل میں ایسا رویہ اختیار کیا جائے جس سے بدترین دشمن کی بھی دشمنی ختم ہو جائے اور وہ دوستوں کی صف میں آجائے۔ (حم السجدہ: ۳۴-۳۵)

کیا ان واضح تعلیمات کے بعد بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسلام اپنے مخالفوں کو برداشت

Marfat.com

نہیں کرتا اور ان سے جنگ کی زبان میں بات کرتا اور اپنا عقیدہ ان پر بہ جبر مسلط کرتا ہے؟

۴۔ اسلام سچے دل سے خدا اور رسول کو ماننے اور خوش دلی سے ان کی اطاعت کا نام ہے۔ یہ چیز جبر واکراہ سے نہیں پیدا ہوتی۔ جہاں جبر واکراہ ہوگا وہاں ایمان اور اسلام کا اظہار تو ہو جائے گا لیکن حقیقت میں یہ ایمان نہیں بلکہ نفاق ہوگا۔ قرآن مجید نے نفاق کو دل کا روگ، کذب وافترا اور خدا اور رسول کے ساتھ دھوکہ اور فریب کہا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ	لوگوں میں بعض وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے
وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ٥ يُخٰدِعُوْنَ	آئے حالانکہ وہ ہرگز مومن نہیں ہیں۔ وہ
اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا	دھوکا دے رہے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں
يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا	کو جو ایمان والے ہیں۔ وہ صرف اپنے
يَشْعُرُوْنَ ٥ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور اسے
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ	محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ ان کے دلوں
عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا	میں روگ ہے۔ اللہ نے ان کے اس
يَكْذِبُوْنَ ٥	روگ میں اضافہ کر دیا ہے اور ان کے
(البقرہ: ۸ - ۱۰)	لیے دردناک عذاب ہوگا اس جھوٹ
	کی وجہ سے جو وہ بول رہے تھے۔

اس نے کہا کہ منافقین کا وہی انجام ہوگا جو انجام کہ خدا کے منکرین کا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ	بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور
وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا (النساء: ۱۴۰)	کافروں کو جہنم میں یک جا جمع کر دے گا۔

ایک اور جگہ ان کے انجام کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ	بے شک منافقین جہنم کے سب
الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: ۱۴۵)	سے نیچے درجے میں ہوں گے۔

قرآن مجید نے منافقین پر جتنی سخت تنقید کی ہے اور ان کی ذہنی پستی، خود غرضی

Marfat.com

بے عملی بلکہ بدعملی کو نمایاں کیا ہے اور اسلام کے خلاف ان کی سازشوں کا پردہ چاک کیا ہے اور مسلمانوں کو ان سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی ہے، کیا اس کے بعد یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کی صفوں میں منافقین کا اضافہ ہوتا چلا جائے؟ کیا وہ ایسا طریقہ اختیار کرے گا کہ سماج میں نفاق کی آبیاری ہو اور وہ فروغ پاتا چلا جائے؟ اسلام اگر جبر واکراہ کے موقف میں ہو تو بھی کسی کو ایمان اور اسلام پر مجبور نہیں کرسکتا اس لیے کہ اس سے نفاق کی راہ کھلتی ہے۔ دنیا کا کوئی عقیدہ اور کوئی فکر نفاق کو برداشت نہیں کرسکتا۔ کیا اسلام ہی اس کے ابھرنے اور پروان چڑھنے کے مواقع فراہم کرے گا؟

اسلامی ریاست کے ذکر کے ساتھ یہ سوال ابھر آتا ہے کہ اس میں غیر مسلموں کی کیا حیثیت ہوگی؟ ان کے حقوق کیا ہوں گے؟ اور ان کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جائے گا؟ اس ذیل میں بھی بعض باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔

۱۔ اسلامی ریاست انسان کی حکمرانی کی جگہ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے۔ اس میں اقتدار کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے، کوئی فرد یا گروہ یا مجموعۂ افراد نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق ریاست اپنا نظم چلاتی ہے۔ اس میں حالات وظروف کے لحاظ سے نئے قوانین بھی وضع ہوں گے اور نئی راہیں بھی تلاش کی جائیں گی، لیکن یہ سب کچھ کتاب وسنت کے حدود کے اندر ہوگا۔ اس سے باہر نکلنے کی کسی کو اجازت نہ ہوگی۔

۲۔ اسلامی ریاست کی باگ ڈور فطری طور پر ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی جو قرآن وحدیث پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے مملکت کی اساس تسلیم کرتے ہیں۔ جن لوگوں کا اس پر ایمان نہیں ہے ان پر نہ تو اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے اور نہ وہ اسے خوش دلی سے چلاسکتے ہیں۔ لیکن ریاست میں انھیں خدا اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہوگی۔ اسلامی قانون کی رو سے ان کے بنیادی حقوق محفوظ ہوں گے۔ کسی بھی فرد یا جماعت کو ان حقوق پر دست درازی کی اجازت نہ ہوگی۔ انتظامی امور میں حکومت ان کی خدمات سے فائدہ اٹھاسکتی ہے۔

Marfat.com

۳۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت اور ان سے تعلقات کا یہ قانونی پہلو ہے۔ لیکن عام زندگی میں قانون سے زیادہ اخلاقی رویہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اسلام نے تعلقات میں صداقت اور راست بازی کی پابندی اور جھوٹ اور مکر و فریب سے اجتناب کا حکم دیا ہے، نخوت اور استکبار کی جگہ تواضع اور خاکساری کا مزاج پیدا کیا ہے، درشت مزاجی اور شدت کے مقابلے میں نرمی اور رافت کو پسند کیا ہے غیظ وغضب پر قابو پانے اور تحمل و برداشت کا رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے، انتقام میں حد سے آگے نہ بڑھنے اور عفو و درگذر سے کام لینے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دینے کی ترغیب دی ہے، شر اور فتنہ و فساد سے بچنے اور ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تاکید کی ہے۔ یہ ہدایات بالکل عام ہیں۔ ان کا تعلق خاص مسلمانوں سے نہیں ہے کہ وہ صرف اپنے تعلقات میں ان کا احترام کریں۔ اس معاملہ میں اسلام نے اپنوں اور غیروں میں فرق نہیں کیا ہے۔ ایک مسلمان کا ربط و تعلق کسی بھی مذہب و عقیدہ کے ماننے والے سے ہو، توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان کا پابند رہے گا۔ جس سماج میں ان اخلاقیات کی فرماں روائی ہو وہاں فطری طور پر ظلم و زیادتی کے امکانات کم سے کم تر ہوتے چلے جائیں گے اور اگر کبھی کسی کی طرف سے کوئی غلط قدم اٹھے تو قانون اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑا ہوگا اور اپنا فرض انجام دے گا۔

۴۔ اسلامی ریاست کے ذکر کے ساتھ جہاد کا ذکر اس طرح چھڑ جاتا ہے جیسے اس کا مقصد وجود یا اولین ہدف مسلمانوں کو غیر مسلموں کے خلاف صف آرا کرنا اور جہاد کے نام پر قتل و خوں ریزی کا بازار گرم کرنا ہے۔ حالانکہ جس طرح دنیا کی ہر ریاست کو جنگ سے سابقہ پیش آسکتا ہے اسی طرح اسلامی ریاست کو بھی جہاد کرنا پڑ سکتا ہے۔ اسے اس کے حقیقی پس منظر میں اور اسلام کی زیادہ وسیع اور عمومی تعلیمات کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ وہ ایسی جنگ نہیں ہے جو قتل و خوں ریزی اور انسانوں کو محکوم بنانے اور حکم رانی کی خواہش کی تکمیل کے لیے کی جاتی ہے بلکہ اس جنگ کے پیچھے

Marfat.com

اعلیٰ اخلاق، عدل و انصاف پر مبنی قانون، دعوت و تبلیغ کا مخلصانہ جذبہ اور انسانوں کے ساتھ خیر خواہی کی تمنا اور آرزو موج زن ہوتی ہے۔ سوچا جا سکتا ہے کہ یہ جنگ دوسری جنگوں سے کتنی مختلف ہوگی اور اس کے کتنے اچھے ثمرات سامنے آئیں گے؟

آئندہ صفحات میں غیر مسلموں سے تعلقات کی بحث بھی ہے اور ان کے حقوق بھی بیان ہوئے ہیں۔ تعلقات میں خاندانی، سماجی، معاشرتی، معاشی کئی طرح کے تعلقات زیر بحث آئے ہیں۔ بعض اختلافی مسائل میں شریعت کا موقف واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے ان تعلقات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ تعلقات اور حقوق فرد اور ریاست دونوں ہی سے متعلق ہیں البتہ تعلقات میں شخصی پہلو غالب ہے۔ حقوق کا رشتہ ریاست سے جڑ جاتا ہے۔ ریاست کی بحث میں غیر مسلم کی حیثیت اور اس کے حقوق بیان ہوئے ہیں۔ اس ذیل میں جہاد اور اس کے احکام پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور بین الاقوامی تعلقات کے سلسلے میں اسلام کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ آخری صفحات میں غیر مسلموں سے عدم تعلق کے احکام و ہدایات کا پس منظر بیان ہوا ہے۔

کتاب میں اصلاً قرآن و حدیث کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ان کی شرح و تفسیر میں معتمد علماء اور شارحین سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بعض فقہی مسائل میں فقہاء کے خیالات تفصیل سے زیر بحث آئے ہیں۔ ایک خیال یہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح کے مسائل میں صرف وہ رائے بیان کی جانی چاہیے جسے لکھنے والا صحیح سمجھتا ہو اور جسے اس کے نزدیک ترجیح حاصل ہو، اس لیے کہ تفصیلات سے ذہن الجھن محسوس کرتا ہے۔

یہ ممکن تھا اور آسان بھی۔ لیکن جن حضرات کی فقہی ذخیرہ پر نظر ہے وہ اس سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے سامنے دوسری رائیں بھی ہوتیں۔ وہ یہ سوچ سکتے تھے کہ اس بحث میں ذاتی رجحان کے تحت مخالف رایوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس لیے ضروری محسوس ہوا کہ مختلف رایوں کے تقابلی مطالعہ کے بعد ہی کسی رائے کو ترجیح دی جائے۔ پھر یہ کہ آج کا دور تقابلی مطالعہ کا دور ہے۔ دنیا کے ہر موضوع کا، جس میں فقہ بھی شامل ہے، تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جدید علمی تصنیفات اور انسائیکلوپیڈیاز میں یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ بعض فقہاء کے خیالات سے غیر مسلم قارئین توحش محسوس کریں گے اس لیے ان کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بات بھی بہت زیادہ وزنی نہیں ہے۔ اس لیے کہ مطالعۂ مذاہب اب عام ہو رہا ہے۔ ہمارے دینی اور فقہی لٹریچر سے مسلمان علماء ہی نہیں، غیر مسلم اصحابِ علم بھی واقف ہیں۔ وہ فقہی اختلافات کے درمیان صحیح نقطۂ نظر جاننا چاہیں گے۔ اس لیے ان کے لحاظ سے بھی مناسب اور معقول طریقہ یہی ہے کہ زیرِ بحث مسائل میں فقہی آراء کا تجزیہ کر کے بتایا جائے کہ موجودہ حالات میں بہتر اور موزوں رائے کیا ہے؟ اور اسے کس بنیاد پر ترجیح حاصل ہے؟ یہاں اسی کی کوشش رہی ہے، لیکن اس کوشش میں کوئی ایسی رائے نہیں اختیار کی گئی ہے جو بے دلیل ہو اور جسے سلف کی بالکل تائید حاصل نہ ہو۔

فقہاء کی رایوں میں سختی بھی ہے اور نرمی بھی۔ تنگی بھی ہے اور توسع اور کشادگی بھی۔ جن مسائل میں فقہاء کی رائیں سخت اور بے لچک معلوم ہوتی ہیں جیسے غیر مسلموں سے ملکی خدمات لینے یا مختلف معاملات میں ان پر اعتماد کا مسئلہ، انھیں اس وقت کے حالات کی روشنی میں دیکھنا چاہیے ورنہ انھیں ہدفِ تنقید بنایا جاسکتا ہے۔

اسلام کے دورِ اوّل یا اس کی ابتدائی صدیوں میں جو ممالک فتح ہوئے یا جہاں تبلیغ و دعوت کامیاب رہی وہاں کی اکثریت دین کے آغوش میں آتی چلی گئی۔ اس میں حجاز، مصر، عراق، شام اور افریقہ و ایشیا کے بعض ممالک شامل ہیں۔ یہاں غیر مسلم تھے بھی تو چھوٹی سی اقلیت میں تھے۔ ان ممالک میں اور اُس وقت کے حالات کے تحت حکومتی اداروں میں غیر مسلموں کی شرکت نمایاں نہیں ہے اور فقہاء کے ہاں اس طرح کی رائیں بھی ملتی ہیں کہ ملکی نظام، اس کے دفاع اور حفاظت کے لیے ان کی خدمات کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پیش نظر ایک ایسی مملکت ہے جس میں مسلمان اپنے تمام داخلی و خارجی امور میں خود کفیل ہیں اور انھیں کسی دوسرے کی احتیاج نہیں ہے۔ یہ صورت حال ان ممالک کی نہیں ہوسکتی جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود وہ اقلیت میں اور غیر مسلم اکثریت میں ہوں۔ یہاں امورِ مملکت

Marfat.com

سے انھیں علیحدہ نہیں رکھا جاسکتا، انھیں شریک کیے بغیر اس کا چلانا ممکن نہ ہوگا۔ اس صورت میں بظاہر فقہی رائے بھی مختلف ہوگی۔

موجودہ دور میں مختلف سماجی اور سیاسی عوامل کے نتیجے میں مشترک سماج وجود میں آرہے ہیں اور کوشش اس بات کی ہو رہی ہے کہ اقلیتیں انتظام ملکی میں شریک رہیں۔ انھیں الگ تھلگ نہ رکھا جائے اور ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔

معاملات میں غیر مسلموں پر اعتماد اور عدم اعتماد کی بحث میں خیال ہوتا ہے کہ اس وقت کی پوری دنیا کی صورت حال کا بھی بڑا دخل رہا ہے اسلامی دور کی ابتدائی صدیوں میں مسلمان فی الجملہ دینی اور اخلاقی اعتبار سے دوسروں سے برتر تھے، ان کے اندر خدا کا خوف تھا، اخلاقی بلندی تھی وہ معاملات کے صاف اور کھرے تھے، ان پر اعتماد کیا جاسکتا تھا اور کیا جاتا تھا۔ اس کے برعکس ان کے ارد گرد کی دنیا میں اخلاقی گراوٹ اور پستی تھی، افراد اور اقوام اپنا اعتماد کھو چکی تھیں، راست بازی، دیانت و امانت اور ایفاءِ عہد جیسی خوبیاں کم زور ہو چکی تھیں۔ ان حالات میں یہ سوال بہر حال پیدا ہوتا تھا کہ مسلمان اپنے معاملات میں دوسروں پر کس حد تک اعتماد کرسکتے ہیں؟ بعض حضرات نے اسے انفرادی نقطۂ نظر سے دیکھا کہ افراد صحیح اور غلط ہر طرح کے ہوتے ہیں، ان کے متعلق کوئی عمومی فیصلہ درست نہ ہوگا۔ بعض حضرات نے اسے بہ حیثیت قوم دیکھا اور عمومی رائے قائم کی۔

اب صورتِ حال بدل گئی ہے۔ مسلمانوں کے اندر تقویٰ اور خدا ترسی کی کیفیت ختم ہو چکی ہے، ان کا اخلاقی امتیاز باقی نہیں رہا، بلکہ بعض پہلوؤں سے ان کا معیار دوسروں سے فروتر ہے۔ معاملات میں دوسرے ان سے زیادہ بھروسہ کے قابل سمجھے جاتے ہیں اور ان پر مسلمانوں سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے۔ یہ صورت حال بعض قدیم رایوں پر نظر ثانی کا تقاضا کرتی ہے۔

غیر مسلموں اور ان کے حقوق کے ذیل میں دارالاسلام، دارالحرب اور دارالامان جیسی بحثیں بھی چھڑ جاتی ہیں۔ یہ اصطلاحیں قرآن و حدیث میں استعمال نہیں ہوئی ہیں بلکہ فقہاءِ کرام

Marfat.com

نے اسلامی نقطۂ نظر سے مختلف ممالک کی حیثیت واضح کرنے کے لیے وضع کی ہیں۔ ان کے نزدیک دارالاسلام وہ ہے جہاں اسلامی احکام نافذ ہوں اور مسلمان امن وامان کی زندگی گزار رہے ہوں اور مسلمان ہونے کی وجہ سے انھیں کسی قسم کا خوف اور خطرہ نہ لاحق ہو۔ دارالحرب وہ ہے جہاں کفر وشرک کا غلبہ اور احکام کفر وشرک جاری ہوں۔ دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان امن کا معاہدہ ہو تو وہ دارالامن ہوگا۔ ان سب کے احکام مختلف ہیں۔ اس وقت دنیا کا کوئی ملک دارالاسلام ہونے اور اس کے تقاضے پورے کرنے کا دعویٰ نہیں کر رہا ہے۔ اسی طرح اس نے کسی ملک کو دارالحرب قرار دے کر اس سے اعلانِ جنگ نہیں کر رکھا ہے۔ دنیا کے بیشتر ممالک بین الاقوامی معاہدوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ یہ حالات اس موضوع پر از سرِ نو غور وفکر کا مطالبہ کرتے ہیں۔

مسلم ممالک کی از روئے شرع ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلموں کے بنیادی حقوق کی حفاظت کریں، ان کے حدود میں انھیں اپنے عقیدے اور مذہب پر عمل کی آزادی ہو، انھیں ترقی کے مواقع فراہم ہوں اور ان پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی از روئے دستور ممنوع ہو۔

مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں وہ دو طرح کے حالات سے گزر رہے ہیں۔ غیر جمہوری ممالک میں وہ بنیادی حقوق تک سے محروم ہیں۔ انھیں اپنے دین وایمان کو بچانا دشوار ہو رہا ہے۔ وہ اپنے وجود وبقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جمہوری ممالک میں بڑی حد تک بنیادی حقوق انھیں حاصل ہیں، انھیں جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ ملا ہوا ہے، عقیدہ اور عبادت کی آزادی میسر ہے، وہ آزادی سے نماز اور روزے پر عمل کر سکتے ہیں، زکوٰۃ کا اپنا نظم چلا سکتے ہیں، حج کی انھیں اجازت ہے، مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادکاری کا نظم کر سکتے ہیں، جمعہ اور عیدین کے قیام کی انھیں اجازت ہے، عائلی قوانین نکاح، طلاق، وراثت، وقف اور ہبہ جیسے معاملات میں اسلامی قانون ان پر نافذ ہوتا ہے، وہ دینی اور دنیوی تعلیم کا نظم کرنے اور دینی مدارس اور دنیوی تعلیم کے ادارے قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں، ہندستان جیسے ملک میں از روئے دستور انھیں مساوی حقوق حاصل ہیں اور وہ حکومت میں برابر کے شریک ہیں۔ بڑی بات یہ کہ جمہوری ممالک میں انھیں اپنے دین کی تبلیغ کی اجازت حاصل

Marfat.com

ہے۔ وہ اسے عام کرسکتے ہیں۔ جس ملک کے یہ حالات ہوں اسے وہ چھوڑ نہیں سکتے۔ دین پر عمل کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ کے جو مواقع انھیں حاصل ہیں ان سے انھیں فائدہ اٹھانا ہوگا۔ ظاہر ہے یہ صورت حال دار الحرب یا دار الاسلام کی نہیں ہے۔ کسی جمہوری ملک کو نہ تو دار الاسلام کہا جاسکتا ہے اور نہ اس پر دار الحرب کا اطلاق ہوتا ہے۔ دار الاسلام کی طرح یہاں غیر مسلموں کے حقوق کا سوال نہیں پیدا ہوتا اس لیے کہ از روئے دستور انھیں بنیادی حقوق حاصل ہیں۔ یہاں ان سے تعلقات کی نوعیت وہ بھی نہیں ہوگی جو حربیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ جمہوری ملک کو ایک آزاد دعوتی ملک کہنا شاید زیادہ صحیح ہوگا۔ مسلمان کی حیثیت یہاں از روئے دستور دوسرے شہریوں کی طرح ایک پر امن آزاد شہری کی ہے۔ اسی حیثیت سے غیر مسلموں سے اس کے تعلقات استوار ہوں گے اور غیر مسلم اس سے تعلقات قائم کریں گے۔

میں برادر عزیز ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے پوری کتاب کی توجہ سے پروف ریڈنگ کی، مضامین اور مآخذ کی فہرست تیار کی اور کتاب میں جن مسلم شخصیات کا ذکر آیا ہے ان کا اشاریہ مرتب کیا۔ یہ اشاریہ امید ہے اس کتاب کے لیے بھی اور اس نوعیت کی دوسری علمی کتابوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ میں نے ان تمام چیزوں پر ایک نظر ڈال لی ہے، اس کے باوجود غلطی اور فروگزاشت کا امکان ہے۔ اس کی نشاندہی علمی خدمت ہوگی اور انشاء اللہ آئندہ اس کی تصحیح کردی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ اوراق اس کے دین کو سمجھنے کا ذریعہ ثابت ہوں، اس کے بندوں کو ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچے، اپنے فضل و کرم سے وہ انھیں شرف قبولیت سے نوازے، لغزشوں سے درگذر فرمائے اور ہمیشہ اپنے سائے میں رکھے۔ انہ سمیع قریب مجیب۔

جلال الدین

۲؍ اگست ۱۹۹۸ء

Marfat.com

Marfat.com

غیر مسلموں سے تعلقات

اوران کے احکام

Marfat.com

غیر مسلموں سے تعلقات

اسلام کی تصویر جن مختلف پہلوؤں سے بگاڑنے بلکہ مسخ کرنے کی مسلسل کوشش ہوتی رہتی ہے ان میں غیر مسلموں سے تعلقات کا پہلو بہت ہی نمایاں اور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام انفرادیت پسند ہے۔ وہ مسلمانوں میں علیٰحدگی کے جذبات ابھارتا ہے، وہ انھیں دوسروں سے کاٹتا اور الگ تھلگ کرتا ہے، وہ اپنوں اور غیروں کے درمیان اتنا زبردست فرق پیدا کرتا ہے کہ غیروں کے ساتھ عام انسانی تعلقات کا بھی روادار نہیں ہوتا۔ وہ اخلاق کا درس ضرور دیتا ہے لیکن اس کا تعلق اپنے ماننے والوں سے ہے، دوسروں سے نہیں ہے۔ جو لوگ اسلام کے دائرہ میں آجائیں انھیں وہ باہم اخلاقی رویہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے لیکن اس دائرہ سے باہر اس کی تعلیمات کا رخ بدل جاتا ہے اور وہ ایک دوسری ہی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ شکل بڑی بھیانک ہے۔ اس میں محبت کی جگہ نفرت و عداوت اور نرمی کی جگہ سختی اور درشتی نمایاں ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کا جو مزاج بناتا اور جس طرح کی ذہنی تربیت کرتا ہے اس سے ان کی اپنے مخالفین سے از خود مخاصمت شروع ہو جاتی ہے اور وہ ہر محاذ پر ان سے برسر پیکار نظر آتے ہیں۔

اسلام کی اس خود ساختہ تصویر کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ جن ذہنوں کی پیداوار ہے وہ یا تو ناواقفیت کا شکار ہیں یا دوسروں کو فریب اور دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام، مسلمانوں کو باہم اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، انھیں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتا ہے، ان کے باہم اخلاقی، اور قانونی

Marfat.com

حقوق مقرر کرتا ہے، ان کے درمیان تعاون و تناصر کا جذبہ بیدار کرتا ہے[1] اور انھیں ایک نظام حیات دے کر ایک امت بناتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام نے اس امت کو ایک اعلیٰ نصب العین دیا ہے۔ وہ یہ کہ وہ دنیا میں خدائے واحد کے دین کی علم بردار بن کر اٹھے، انسانوں کو ان کی دنیا اور آخرت کی فلاح کا پیغام دے، دنیا میں خیر کو عام کرے، بھلائیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے۔ اس دین کے بارے میں یہ تصور کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ وہ انسانوں کے دلوں میں کدورت اور نفرت پیدا کرتا ہے، انھیں ایک دوسرے کا حریف اور دشمن بناتا ہے اور ان کے تعلقات میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ بنتا ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

آئندہ صفحات میں غیر مسلموں سے تعلقات کے بارے میں اسلامی تعلیمات کسی قدر تفصیل سے پیش کی جا رہی ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ اسلام نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اجنبیت کی دیوار نہیں کھڑی کی ہے بلکہ ان تعلقات کو وہ ایک سماجی، معاشرتی اور معاشی ضرورت سمجھتا ہے۔ اگر غیر مسلم سے خونی رشتہ اور خاندانی تعلق ہو تو اسے وہ خاص اہمیت دیتا ہے۔ یہ تعلیمات صاف بتاتی ہیں کہ اسلام پر سختی سے قائم رہتے ہوئے اور اس کے احکام کی پوری طرح پابندی کرتے ہوئے دوسرے مذاہب کے افراد سے انتہائی شریفانہ روابط رکھے جا سکتے ہیں اور رکھے جانے چاہئیں۔ یہ دین داری کے منافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کے مطابق ہے۔

---

[1] اس کی کسی قدر تفصیل راقم کے مضمون "اہل ایمان کے باہمی تعلقات" میں موجود ہے۔ مطبوعہ ماہنامہ زندگی نو نئی دہلی جنوری ۱۹۸۹ء۔

Marfat.com

خاندانی تعلقات

(حسن سلوک کی خصوصی ہدایات)

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے

اسلام نے اللہ تعالیٰ کا جو تصور دیا ہے اس میں اس کا رحمٰن و رحیم ہونا نمایاں ہے۔ اس کا ثبوت قرآن مجید کے آغاز ہی میں سورۂ فاتحہ سے ملتا ہے۔ اس کا ابرِ رحمت پوری کائنات پر ہر آن برس رہا ہے۔ اسی سے اس کا وجود قائم ہے، ہر گوشۂ عالم میں اس کی رحمت کے آثار ہویدا ہیں۔ انسان اپنی پوری زندگی میں اور زندگی کے ہر لمحہ میں اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

انسان سے رحم اور ہمدردی مطلوب ہے

اسلام چاہتا ہے کہ انسان بھی رحمت کا پیکر ہو۔ اس کے اندر محبت، الفت، تعاون، ہمدردی اور غم خواری کے جذبات موجزن ہوں۔ اس کی سیرت و کردار سے رحم دلی کا مظاہرہ ہو، اس کا سینہ سنگ دلی اور شقاوت سے پاک ہو، وہ اپنے ابناءِ نوع کے ساتھ وہ سلوک کرے جس کی توقع وہ خدا کی ذات سے کرتا ہے اور جس سے وہ اپنی تمام کم زوریوں کے باوجود شب و روز بہرہ ور ہوتا رہتا ہے۔ وہ ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہے، ظلم و عدوان سے اس کا دامن داغ دار نہ ہو، اس کے اندر عفو و درگذر کی صفت پائی جائے، وہ جذبات سے مشتعل نہ ہو، طیش میں نہ آئے اور غصہ پر قابو رکھے، صبر و ثبات کا دامن نہ چھوڑے اور معاشرہ میں محبت اور رحمت کی خوشبو پھیلاتا رہے۔

Marfat.com

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد: ۱۷) جو ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے ہیں اور رحم کھانے کی تاکید کرتے ہیں۔

صلۂ رحمی کی اہمیت اور اس کی ہدایت

انسانی تعلقات کے استحکام کا پہلا قدم صلۂ رحمی ہے۔ اس کا تعلق خونی رشتوں سے ہے۔ اسلام نے ان رشتوں کو بہت اہمیت دی ہے۔ اس کی تعلیمات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان فطری طور پر جو رشتے اور ناطے ہیں ان کا احترام ہو، ان سے بہتر اور خوش گوار تعلقات ہوں، ان کے حقوق پہچانے جائیں اور ان کے ساتھ ظلم و زیادتی سے احتراز کیا جائے۔ اگر انسان کا اپنے قریب ترین دائرہ میں بہتر سلوک ہو تو توقع ہے کہ وسیع تر دائرہ میں بھی اس کا رویہ محبت و اخوت اور ہمدردی کا ہوگا اور پورے معاشرہ پر اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوں گے۔ لیکن اگر قرابت دار بھی انسان کے ظلم و جور کا شکار ہونے لگیں تو جن افراد سے اس کا دور کا واسطہ ہے وہ اس کی زیادتیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صلۂ رحمی کے بغیر محبت، شرافت اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کے نزدیک انسان کے قرابت دار اس کے حسنِ سلوک، تعاون اور ہمدردی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ کے نیک بندے ان کے حقوق سے غافل نہیں ہوتے۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ (الرعد: ۲۰-۲۱)

جو اللہ سے کیے گئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اس کے عہد کو نہیں توڑتے اور جو ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا جنہیں خوف لاحق رہتا ہے۔

خدا سے غافل اور دنیا دار انسانوں کا حال بالکل دوسرا ہوتا ہے۔ ان کی

Marfat.com

زندگی ان اعلیٰ صفات سے عاری ہوتی ہے اور وہ فساد فی الارض مچاتے پھرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۵)

جو لوگ اللہ سے کیے گئے عہد کو اسے مضبوط بنانے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انھیں کاٹ ڈالتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے آخرت میں برا انجام ہے۔

اسلام نے معاشرہ کے فلاح کی بنیاد عدل و احسان، قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی، فحش و منکر اور ظلم و عدوان سے اجتناب پر رکھی ہے۔ ان اعلیٰ اقدار کے بغیر کسی مہذب سماج کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْىِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (النحل: ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور قرابت داروں کو (ان کا حق) دینے کا اور وہ منع کرتا ہے فحش اور منکر سے، ظلم اور سرکشی سے۔ تمھیں وہ نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

غیر مسلم والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

قرابت اور رشتہ داری کی بنیاد والدین ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی خاص تاکید کی ہے[1] اس میں گو کہ غیر مسلم بھی آتے ہیں، لیکن غیر مسلم والدین کی طرف سے کبھی جارحانہ رویہ بھی اختیار کیا جا سکتا

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' باب خدمت کے مستحق ہیں'۔

Marfat.com

ہے اور نزول قرآن کے وقت مسلمان نوجوان اسی رویہ سے دوچار تھے۔ اس صورت حال میں اندیشہ تھا کہ مسلمان اولاد پر اس کا ردعمل ہو اور وہ غیر مسلم والدین کے ساتھ کوئی نامناسب سلوک کر بیٹھیں، اس لیے ہدایت کی گئی کہ عقیدہ ہر چیز پر مقدم ہے۔ ماں باپ اگر توحید کے مقابلہ میں شرک وکفر کی دعوت دیں اور اس پر اصرار کرنے لگیں تو ان کی بات ناقابلِ قبول ہوگی اور وہ کسی حال میں نہیں مانی جائے گی لیکن ان کی زیادتیوں کے باوجود ان کے دنیوی حقوق ادا کیے جائیں گے اور وہ کبھی نظرانداز نہ ہوں گے۔ ارشاد ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ	ہم نے انسان کو اپنے والدین کا
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ	حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی
وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ	ماں نے کمزوری پر کمزوری اٹھا کر
اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ	اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس
اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۔ وَاِنْ	کا دودھ چھوٹنے میں لگے، اس لیے ہم
جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ	نے اسے وصیت کی کہ تم میرا بھی شکر
تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ	ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔ میری
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا	ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ اگر وہ تجھ پر
تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا	دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے
فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ؗ	جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ
	مان اور ان کے ساتھ معروف کے
(لقمان : ۱۴، ۱۵)	مطابق اپنا برتاؤ رکھ۔

ان آیات میں صاف طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ والدین کے ساتھ چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں حسن سلوک کیا جائے گا۔ ان کے شرک وکفر کی وجہ سے کسی قسم کی بدسلوکی روا نہ ہوگی۔ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے "وان جاھداک" الخ (اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شرک کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے)

Marfat.com

کے الفاظ سے واضح کر دیا ہے کہ حسن سلوک کا یہ حکم مسلم والدین اور غیر مسلم والدین دونوں ہی کے لیے ہے۔ پھر یہ فرما کر صَاحِبْهُمَا فِی الدنیا معروفا (دنیا میں ان کے ساتھ معروف کے مطابق برتاؤ رکھو) اس حکم کو موکد اور مستحکم کر دیا ہے۔

اس کے قانونی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ باپ اگر اولاد کو قتل کر دے تو اس سے (شریعت کے عام ضابطہ کے مطابق) قصاص نہیں لیا جائے گا، وہ اس پر تہمت لگائے تو اس پر حد نہیں جاری ہوگی، اولاد کے قرض کی عدم ادائیگی پر اسے قید نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ والدین محتاج ہوں تو ان کا نان ونفقہ اولاد پر واجب ہوگا، اس لیے کہ یہ ساری چیزیں معروف کے ساتھ برتاؤ میں آتی ہیں اور اس کے خلاف اقدام اس کے منافی ہوگا۔[1]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ آدمی کے والدین چاہے مسلمان ہوں یا کافر ان کا نان ونفقہ اس پر واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر والدین کے ساتھ بھی برتاؤ میں معروف کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ اس کا تقاضا ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ لیس من المعروف ان یعیش فی نعم اللہ تعالیٰ ویترکہما جوعا۔ یعنی یہ کوئی نیکی اور معروف نہیں ہے کہ آدمی خود تو اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہے اور والدین کو بھوکا مرنے چھوڑ دے۔[2]

علامہ قرطبی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

والآیۃ دلیل علیٰ صلۃ الابوین	آیت دلیل ہے اس بات کی کہ کافر
الکافرین بما امکن من المال	ماں باپ کے ساتھ مال کے ذریعہ ممکن
ان کان فقیرین والانۃ	حد تک صلۂ رحمی کی جائے گی اگر وہ محتاج
القول والدعاء الی الاسلام	ہوں اور ان کے ساتھ گفتگو میں ملاطفت
برفق[3]	برتی جائے گی اور اسلام کی طرف نرمی سے انھیں دعوت دی جائے گی۔

---

[1] جصاص، احکام القرآن: ۳/۴۳۲، احادیث سے ان تمام نکات کی تائید ہوتی ہے۔

[2] ہدایہ، ج ۲ ص ۴۲۵، ۴۲۶۔ نیز ملاحظہ ہو 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' ص ۶۳

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۱۴/۶۵

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس کا ثبوت حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کے مشہور واقعہ سے ملتا ہے۔ فرماتی ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے بعد جب امن قائم ہوگیا) میری ماں جو مشرک تھیں مجھ سے ملنے آئیں[1] میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کرسکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو[2]

ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطور تحفہ گوہ، پنیر اور مکھن لائی تھیں، لیکن حضرت اسماءؓ نے انھیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینے اور ان کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرایا تو آپ نے ان سے کہا کہ وہ ان کا تحفہ قبول کریں اور اپنے گھر بھی آنے دیں[3]

امام نووی فرماتے ہیں:-

فیہ جواز صلۃ القریب المشرک[4]	اس حدیث سے مشرک رشتہ دار کے ساتھ صلۂ رحمی کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ خطابی نے لکھا ہے:

فیہ ان الرحم الکافرۃ توصل من المال ونحوہ کما توصل المسلمۃ ویستنبط منہ وجوب نفقۃ الاب	اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ کافر رشتہ کے ساتھ بھی مال وغیرہ کے ذریعہ صلۂ رحمی کی جائے گی جیسا کہ مسلم رشتہ کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس سے یہ استنباط

---

[1] ان کا نام قتیلہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں طلاق دے دی تھی۔ فتح الباری: ۵/۲۳۳

[2] بخاری، کتاب الہبہ، باب الہدیۃ للمشرکین۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ علی الاقربین

[3] نیل الاوطار: ۶/ ۱۰۶، ۱۰۷ بحوالہ مسند احمد وغیرہ

[4] نووی: شرح مسلم ج ۳ جزء ۷، ص ۸۹

Marfat.com

الکافر والام الکافرۃ وان کان الولد مسلما [1]

بھی کیا جاتا ہے کہ کافر باپ اور کافر ماں کا نفقہ واجب ہے چاہے اولاد مسلمان ہو۔

غیر مسلم رشتہ داروں سے تعلقات

قرآن مجید نے والدین کے ساتھ رشتہ داروں کے حقوق بھی بیان کیے ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید کی ہے۔ احادیث میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم رشتہ دار دونوں ہی آتے ہیں۔ بعض قانونی احکام میں ان کے درمیان فرق ہے لیکن حسنِ سلوک اور تعاون اور ہمدردی کے غیر مسلم رشتہ دار بھی مستحق قرار دئے گئے ہیں۔ یہاں پہلے ایک قانونی فرق کی وضاحت کی جارہی ہے۔

قرآن مجید نے وراثت کے سلسلہ میں یہ قانون بیان کیا ہے کہ آدمی کے خونی رشتہ دار ہی اس کے وارث ہو سکتے ہیں۔ غیر رشتہ دار وارث نہیں ہو سکتے۔ ورثاء کا اس نے تعین کر دیا ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (النساء: ۳۳)

ہم نے ہر ایک کے لیے جو کچھ والدین اور قرابت دار چھوڑ جائیں اس کے وارث مقرر کر دئے ہیں۔

اسلامی قانونِ وراثت میں دین کا بھی اعتبار کیا گیا ہے۔ اس کی رو سے مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ ایک مسلمان کی وراثت کا حق اس کے مسلمان قرابت داروں ہی کو ہے، غیر مسلم قرابت دار اس کے وارث نہیں ہوں گے۔ اسی طرح غیر مسلم کی وراثت کا حق اس کے غیر مسلم رشتہ داروں ہی کو حاصل ہوگا۔ مسلمان رشتہ دار اس سے محروم رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح حدیث ہے:-

لا یرث المسلم الکافر

مسلمان نہ تو کافر کا اور نہ کافر مسلمان

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۵/۲۳۴

Marfat.com

ولا الکافر المسلم[1] کا وارث ہوگا۔

وراثت کے کچھ اصول ہیں اور رشتہ داروں کے درمیان ایک ترتیب ہے۔ اسی لحاظ سے وہ وراثت کے حق دار ہوں گے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى	اور رشتہ دار ایک دوسرے کے
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ	زیادہ حق دار ہیں اللہ کے قانون میں۔
شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الانفال: ۷۵)	بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

یہ بات صرف وراثت کی حد تک ہے۔ اس سے ہٹ کر جو رشتہ دار اور خویش و اقارب وارث نہیں ہیں آدمی ان کی مدد اور تعاون کر سکتا ہے اور اسے کرنا چاہیے۔ وقتِ ضرورت ان کے حق میں وصیت بھی کی جا سکتی ہے:۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى	اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار ایک
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	دوسرے کے زیادہ قریب ہیں دوسرے
وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى	اہل ایمان اور مہاجرین سے۔ مگر یہ کہ تم اپنے
اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ	رفیقوں کے ساتھ کوئی بھلائی کرنی چاہو
فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ؀	تو کر سکتے ہو۔ یہ اللہ کی کتاب میں لکھا
(الاحزاب: ۶)	ہوا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا غیر وارث مسلم عزیزوں اور قرابت داروں کی طرح غیر مسلم رشتہ داروں کی بھی مدد کی جا سکتی ہے اور ان کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے؟ فقہاء سلف نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے۔ اسے وہ جائز سمجھتے ہیں۔ اس کی بنیاد سورۂ احزاب کی یہی مذکورہ بالا آیت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ام المومنین حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک

---

[1] بخاری، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم الکافر، مسلم، کتاب الفرائض۔ اس موضوع کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ جصاص، احکام القرآن: ۲/۱۲۲-۱۲۳۔ نووی، شرح مسلم ج ۴ جز ۱۱ ص ۵۲-۵۳۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۶/۱۹۲-۱۹۴

Marfat.com

یہودی عزیز کے لیے وصیت کی تھی[1]

حضرت عکرمہؓ کی ایک روایت میں ہمیں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ وہ یہ کہ حضرت صفیہؓ نے اپنا ایک مکان حضرت معاویہؓ کو ایک لاکھ میں فروخت کیا۔ انھوں نے ایک عزیز سے جو یہودی تھا، کہا اگر تم اسلام لے آؤ گے تو میرے وارث ہو جاؤ گے، لیکن اس نے ان کی بات نہیں مانی۔ پھر انھوں نے اس کے نام وصیت کر دی۔ بعض لوگوں کے بیان کے مطابق وصیت تیس ہزار کی تھی[2]

امام شعبی کہتے ہیں:۔

تجوز وصیۃ المسلم للنصرانی[3] مسلمان نصرانی کو وصیت کر سکتا ہے۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے سورۂ احزاب کی آیت کے اس فقرہ الا ان تفعلوا الی اولیاءکم معروفا (مگر یہ کہ تم اپنے اولیاء کے ساتھ بھلائی کرو) کے بارے میں دریافت کیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ فرمایا عطاء اور بخشش مراد ہے۔ میں نے کہا کہ کیا وہ بخشش جو ایک مومن اپنے کافر قرابت دار کو کرتا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں۔ زندگی میں وہ جو اسے دیتا ہے اور اپنے بعد اس کے لیے جو وصیت کرتا ہے[4]

حضرت قتادہؓ سے اس فقرہ کی تشریح ان الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔

الا ان یکون لک ذو قرابۃ لیس علی دینک فتوصی لہ ہاں اس کی اجازت ہے کہ تمہارا کوئی قرابت دار ہو جس کا دین تمہارا دین نہ

---

[1] دارمی، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ لاہل الذمہ۔ ۲/۵۱۷۔ ایک اور روایت میں دو یہودی قرابت داروں کا ذکر ہے۔ ابو عبید، کتاب الاموال۔ ص ۵۴۳

[2] عبدالرزاق: المصنف: ۶/۳۳

[3] حوالہ سابق

[4] حوالہ سابق: ۶/۳۳، ۳۴

Marfat.com

بالشيء هو وليك في النسب — ہو اور تم اس کے لیے وصیت کرو۔

وليس وليك في الدين۔ — وہ رشتہ کے لحاظ سے تمہارا ولی ہے

دین کے لحاظ سے ولی نہیں ہے۔

حضرت حسن بصری نے بھی اس کی یہی تشریح کی ہے[1]

محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس سلسلہ میں نازل ہوئی ہے کہ مسلمان یہودی اور نصرانی کو وصیت کر سکتا ہے[2]

صلۂ رحمی میں وقت ضرورت قرض دینا اور قرابت دار مجبور ہو تو قرض معاف کر دینا بھی شامل ہے۔

عبداللہ بن مروان نے حضرت مجاہدؒ سے پوچھا کہ میرا ایک مشرک رشتہ دار میرا مقروض ہے۔ کیا یہ قرض میں چھوڑ دوں؟ انھوں نے کہا ہاں چھوڑ دو اور اس کے ساتھ صلۂ رحمی کرو[3]

اسلام چاہتا ہے کہ غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ سماجی تعلقات رکھے جائیں اور ان کے ساتھ محبت، ہمدردی اور تعاون کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کا ایک ذریعہ تحفے تحائف دینا ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں حضرت عمرؓ کے ایک واقعہ سے ملتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایک ریشمی جوڑا بطور تحفہ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ریشم کے استعمال سے تو آپ نے (مردوں کو) منع فرمایا ہے پھر یہ مجھے کس لیے عطا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اس لیے نہیں ہے کہ تم اسے پہنو بلکہ اس لیے ہے کہ کسی اور کام میں لاؤ، کوئی دوسرا فائدہ اٹھاؤ۔ حضرت عمرؓ نے یہ جوڑا اپنے ایک (اخیافی) بھائی کو جو مشرک تھے، تحفہ میں بھیج دیا[4]

---

[1] عبدالرزاق: المصنف: ۶/۳۳-۳۴

[2] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۴/۱۲۶

[3] ابوعبید، کتاب الاموال ص ۵۴۳

[4] بخاری، کتاب الهبة، باب الهدية للمشركين۔ مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم استعمال آنیة الذهب والفضة الخ

Marfat.com

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں:

وفی ھذا کلہ	اس سب میں دلیل ہے اس بات
دلیل لجواز صلۃ	کی کہ کافر قرابت داروں کی صلہ رحمی اور
الاقارب الکفار	ان کے ساتھ حسن سلوک جائز ہے۔ اس
والاحسان الیھم وجواز	میں کفار کو ہدیہ اور تحفہ بھیجنے کا جواز بھی
الھدیۃ الی الکفار[1]	موجود ہے۔

غیر مسلم والدین اور قرابت داروں سے خونی رشتہ بہر حال ہوتا ہے۔ اسلام نے اس کے احترام کی تعلیم دی ہے۔ ان کے دکھ درد میں کام آنے، ان سے خوش گوار تعلقات رکھنے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اگر وہ دین سے پھیرنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ کی معصیت اور اور اس سے بغاوت کی راہ پر لے جانا چاہیں تو ان کی اطاعت کسی قیمت پر نہیں کی جائے گی اور دین کی سربلندی کی راہ میں مزاحم ہوں تو ان کا مقابلہ بھی کیا جائے گا لیکن ان کے دنیوی حقوق ادا کیے جاتے رہیں گے اور وہ پامال نہ ہوں گے۔

---

[1] نووی، شرح مسلم ج ۵ جزء ۱۴ ص ۳۹

Marfat.com

عام انسانی تعلقات

(حسن سلوک کی عمومی ہدایات)

یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید نے غیر مسلم والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بالفاظ صریح حکم دیا ہے۔ اسی طرح غیر مسلم رشتہ دار بھی ازروئے شرع حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ جن غیر مسلموں سے خون اور رشتہ کا تعلق نہیں ہے ان کے سلسلہ میں عمومی ہدایات ہیں جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ بعض اخلاقی ہدایات مسلمانوں کو خطاب کر کے دی گئی ہیں لیکن ان ہدایات پر عمل جس طرح مسلمانوں کے سلسلہ میں ہوگا اسی طرح غیر مسلموں کے سلسلہ میں بھی ہوگا۔ دونوں کے ساتھ الگ الگ رویہ نہیں اختیار کیا جائے گا۔ خاص بات یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کے ذیل میں بعض شبہات کو رفع بھی کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان پہلوؤں کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

قرآن مجید میں والدین اور قرابت داروں کے علاوہ یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ غیر اخلاقی سلوک کی مذمت کی گئی ہے[۱] یہ عام حکم ہے۔ اس لیے حسن سلوک ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مطلوب ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ جس کسی کے ساتھ بھی غیر اخلاقی رویہ اختیار کیا جائے گا وہ غیر اسلامی رویہ ہوگا۔

قرآن مجید کی ان عمومی تعلیمات میں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک بھی ہے۔ اس کا تعلق فرد اور ریاست دونوں سے ہے۔ اس میں جنگی نفسیات اور سیاسی نزاکتیں بھی

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ راقم کی کتاب 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' باب 'خدمت کے یہ مستحق ہیں'۔

Marfat.com

شامل ہو جاتی ہیں، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے ان کے ساتھ جو مہذب اور شریفانہ رویہ اختیار کیا اس سے بآسانی ان عمومی تعلیمات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

انسان جب خدا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھتا ہے تو اس کے ہاتھوں اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے حقوق محفوظ نہیں رہ پاتے۔ وہ کمزوروں، ناداروں، یتیموں اور مسکینوں پر ستم ڈھانے اور ان کے حقوق پر دست درازی کرنے لگتا ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہی گئی ہے[1] اس کے برخلاف خدا کے نیک بندوں کا کردار وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ	اور وہ کھانا کھلاتے ہیں، اس کی
حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝	خواہش اور طلب کے باوجود مسکین، یتیم
إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا	اور قیدی کو اور کہتے ہیں کہ ہم تو تمہیں صرف
نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝	اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں تم سے
إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا	کسی بدلہ یا شکریہ کے طالب نہیں ہیں ہمیں
قَمْطَرِيرًا ۝	تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب
(الدہر: ۸ — ۱۰)	کا ڈر ہے جو سخت مصیبت والا اور طویل ہوگا۔

معاشرہ کے کمزور افراد کو کھانا کھلانا، خدا کے نیک بندوں کے مجموعی کردار کی محض ایک علامت ہے۔ اس سے ان کی پوری زندگی کا رخ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہاں اسی پہلو سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ کمزوروں کو بے سہارا نہیں چھوڑتے، مشکلات میں ان کے کام آتے ہیں، ان کو کھلاتے پلاتے اور ان کی ہر طرح

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو۔ سورۃ الفجر: ۱۷۔ ۱۹، سورۃ البلد: ۱۱۔ ۱۷، سورہ المدثر: ۴۴۔ اس کی پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ "کمزور — اسلام کے سایہ میں" مطبوعہ ماہنامہ زندگی رام پور اگست تا دسمبر ۱۹۶۱ء

Marfat.com

سے مدد کرتے ہیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھتے ہیں۔

یہاں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ قیدیوں کا بھی ذکر ہے۔ اس کا یہ پہلو بہت اہم ہے کہ یتیم اور مسکین چاہے اپنے ہوں یا پرائے، ان کا تعلق کسی بھی قوم اور طبقہ سے ہو، ان کی بے کسی اور مظلومی کا احساس پایا جاتا ہے۔ یہی احساس آدمی کے اندر ان سے ہمدردی کے جذبات ابھارتا ہے۔ وہ ان کی مدد کرے یا نہ کرے انھیں مدد کا بہرحال مستحق سمجھتا ہے۔ صرف شقی القلب اور خود غرض انسان ہی ان جذبات کو دبا سکتا ہے۔ لیکن قیدیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ سیاسی مجرم سمجھے جاتے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی کا وہ جذبہ عام حالات میں مفقود ہوتا ہے جو کسی یتیم یا مسکین کے سلسلے میں پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قیدیوں کے ساتھ دنیا میں بہت ہی برا سلوک ہوتا رہا ہے، انھیں سخت سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں، وہ کال کوٹھریوں میں پڑے پڑے ختم ہو جاتے تھے، باہر نکلتے تو ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ہوتی تھیں، ان کی ضروریات کی تکمیل کی کوئی متعین صورت نہ تھی۔ بسا اوقات بھیک پر ان کا گزارہ ہوتا تھا۔ ان حالات میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کے اندر قیدیوں کے مجرم اور گناہ گار ہونے سے زیادہ ان کے انسان اور ہمدردی کے مستحق ہونے کا جذبہ ابھارا۔

یہ آیت سورۂ دہر کی ہے۔ عام طور پر علماء نے اسے مدنی قرار دیا ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ، مقاتل، کلبی اور یحییٰ بن سلام نے اسے مکیؔ کہا ہے۔ اس کی تائید سورہ کے مضامین سے ہوتی ہے۔ مکہ کے اصحاب ثروت اور زر پرست مسکینوں اور یتیموں کے ساتھ جس شقاوت اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے قیدیوں کے ساتھ ان کا سلوک اس سے مختلف نہیں رہا ہوگا۔ اسلام نے اس پورے رویہ پر تنقید کی اور اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کی کہ وہ ظلم و جور کے شکنجہ میں کسے ہوئے قیدیوں کو اپنی محبت اور حسن سلوک سے راحت پہونچا رہے ہیں۔ یہ بات جس پس منظر میں کہی گئی ہے اور عملاً جو صورت حال تھی اس میں مسکین

Marfat.com

یتیم اور قیدی مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم ہی تھے۔ مکی دور میں گو مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں تھے لیکن ان کی یہ تصویر ابھر کر سامنے آرہی تھی کہ ان کم زوروں کے ساتھ ان کا رویہ ہمدردی محبت اور انسان دوستی کا ہے۔

مشہور تابعی مفسر عکرمہ نے 'اسیر' سے غلام مراد لیا ہے[1]

غلامی بھی ایک طرح کی قید ہی ہے۔ قرآن مجید نے بندِ غلامی کو توڑنے اور غلاموں کو آزاد کرنے کی تحریک شروع کی اور ترغیب و تشویق کے ذریعہ اسے آگے بڑھایا۔

مدینہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہوگئی تو خدا کے ان نیک بندوں نے قیدیوں کے ساتھ جس حسنِ سلوک کا مظاہرہ کیا اس کی مثال پوری انسانی تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔

اس بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ 'اسیر' سے اس آیت میں کس قسم کے قیدی مراد ہیں۔

ہر ریاست بعض خاص قسم کے جرائم کے ارتکاب پر اپنے شہریوں کو قید و بند کی سزا دیتی ہے۔ یہ شہری یا ملکی قیدی ہیں۔ ریاست حالتِ جنگ میں ہو تو دشمن کے افراد بھی قیدی بنائے جاتے ہیں۔ انھیں غیر ملکی قیدی کہا جا سکتا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں دونوں طرح کی رائیں ملتی ہیں[2]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

الاسیر من اھل الشرک	اسیر وہ ہے جس کا تعلق مشرکین سے
یکون فی ایدیھم	ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ میں (قیدی) ہے

یہی تفسیر قتادہؒ اور سعید بن جبیرؒ نے کی ہے۔ حضرت قتادہؒ کہتے ہیں۔

لقد امر اللہ بالاسریٰ ان	اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک
یحسن الیھم وان اسراھم	کا حکم دیا ہے اور اس دور میں ان کے قیدی

---

[1] ابن کثیر، تفسیر: ۴/۴۵۵

[2] ابن جریر، تفسیر: جزء ۲۹ ص ۱۲۹-۱۳۰

Marfat.com

یومئذ لاھل الشرک[1] اہلِ شرک ہی ہوتے تھے۔

ابن جریج کہتے ہیں:

لم یکن الا سیر یومئذ اس زمانہ میں قیدی مشرکین ہی میں

الا من المشرکین سے ہوتے تھے۔

علامہ ابو عبید اس قول کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

یرید ان اللّٰہ تعالیٰ قد حمد ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

علی اطعام المشرکین[2] مشرکین کو کھلانے پر تعریف کی ہے

حضرت عطا ابن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ 'اسیر' اہل قبلہ (مسلمان) اور غیر اہل قبلہ (غیر مسلم) دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔

امام قرطبی نے اسے ایک جامع قول قرار دیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں مشرک قیدی کو کھانا کھلانا بھی اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ ہے۔ البتہ اس پر خرچ فرض صدقات سے نہیں، نفل صدقات سے ہوگا[3]

امام ابن جریر طبری کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ 'اسیر' کا لفظ عام ہے۔ وہ حربی بھی ہو سکتا ہے جو جنگ میں گرفتار ہوتا ہے اور اہل قبلہ میں سے بھی ہو سکتا ہے جسے کسی جرم میں گرفتار کیا گیا ہو۔ یہاں نیک بندوں کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ محض اللہ کی رضا اور اس سے تقرب کے لیے اور جذبہ رحم سے انھیں کھلاتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں۔ یہ بات قیامت تک کے لیے ہے[4]

علامہ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ یہاں 'اسیر' سے مراد مشرک قیدی ہیں۔ ان کی دلیل

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۹/ ۱۲۹

[2] ابو عبید، کتاب الاموال ص ۵۴۳

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۹/ ۱۲۹

[4] ابن جریر، تفسیر، جزء ۲۹ ص ۱۳۰

Marfat.com

یہ ہے کہ مسلمان قیدی کو علی الاطلاق 'اسیر' نہیں کہا جاتا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ قیدی کو کھانا کھلانا' اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہے۔ آیت کے الفاظ سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرک قیدیوں پر ہر طرح کے اموالِ صدقات صرف کیے جا سکتے ہیں لیکن (جیسا کہ پہلے گزر چکا) ہمارے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اس سے وہ صدقات مستثنیٰ ہیں جن کے وصول کرنے کا حق حاکم کو ہے[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان تعلیمات کا عملی ثبوت ہے۔

جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر ہی قیدی بنائے گئے[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ کے درمیان تقسیم کر دیا اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے[3]۔ اس پر عمل جس طرح ہوا اس کا ذاتی تجربہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزیز بن عمیر کی زبانی سنئے:

وہ اس جنگ میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کے علم بردار تھے۔ فرماتے ہیں کہ انھیں بعض انصار کے حوالے کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا ان پر یہ اثر تھا کہ صبح و شام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے۔ ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو مجھے دے دیتا۔ اسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اس سے مجھے شرم

---

[1] احکام القرآن: ۳/ ۵۷۹

[2] بخاری، کتاب المغازی۔ ابن ہشام میں ہے کہ قیدی ستاون تھے۔ ان میں بیشتر کا نام بنام ذکر ہے۔ ابن ہشام ۲/ ۳۶۴۔ ۳۶۷، قیدیوں کی تعداد میں اور بھی اختلافات ہیں، بخاری کی روایت صحیح اور معتبر ہے۔ ملاحظہ ہو ابن کثیر، السیرۃ النبویہ ۲/ ۴۵۶، ۴۶۳

[3] ماوردی نے ایک کمزور سی روایت نقل کی ہے کہ مہاجرین میں سے سات افراد نے بدری قیدیوں کی کفالت کا بوجھ اٹھایا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں حضرات ابوبکر، عمر، علی، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن العاص اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم۔ ماوردی، النکت والعیون: ۴/ ۳۷۰۔ انصار کے سلسلہ کی تفصیل نظر سے نہیں گزری۔

Marfat.com

سی محسوس ہوتی تھی [1]

یہ جنگِ بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے اور قیدیوں کے ساتھ بھی یہی مہذب اور شریفانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
علیہ وسلم یوتی بالاسیر	قیدی لایا جاتا تو آپ اسے کسی مسلمان کے
فید فعہ الی بعض المسلمین	حوالے کر دیتے اور فرماتے کہ اس کے ساتھ اچھا
فیقول احسن الیہ فیکون	سلوک کرے۔ یہ قیدی اس کے پاس دو تین
عندہ الیومین والثلاثۃ	دن رہتا اور وہ مسلمان اس کی ضروریات
فیوثرہ علی نفسہ [2]	کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا تھا۔

جنگ بدر کے قیدیوں ہی کے سلسلہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں سہیل بن عمرو کے اگلے دانت توڑ دوں تاکہ اس کی زبان باہر نکل آئے اور وہ پھر کہیں آپ کے خلاف اپنی خطابت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں (اس طرح کی) سزا دوں تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی سزا دے سکتا ہے گو کہ میں نبی ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے، ممکن ہے کہ کل وہ کسی ایسی حیثیت میں ہو جو تمہارے لیے ناگوار نہ ہو۔ [3]

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور میں ملکی قیدیوں اور قید خانوں کے متعلق قوانین موجود ہیں اور اصلاحات ہوئی ہیں، جنگی قیدیوں کے بارے میں بھی بعض بنیادی اصول تسلیم کیے جاتے ہیں لیکن ایک تو ان کا چرچا زیادہ ہے، پابندی کم ہے، دوسرے یہ کہ ان اصلاحات اور قوانین کا تعلق ریاست سے ہے، عوام ان سے غیر متعلق رہتے ہیں، انھیں ان سے

---

[1] ابن ہشام: سیرۃ النبی: ۲/۲۵۶ - ۲۵۷

[2] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۴/۱۹۶

[3] ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۲/ ۲۶۰ - ۲۶۱

Marfat.com

دل چسپی نہیں پیدا ہوتی ۔ اسلام نے ریاست کے ساتھ اس کے ایک ایک فرد میں قیدیوں سے ہمدردی کے جذبات پیدا کیے ۔ اس کے نتیجہ میں تاریخ نے یہ کارنامہ دیکھا کہ جو قوم اسلام کے ماننے والوں سے برسر پیکار تھی اور جو انھیں ختم کرنے اور مٹانے کے درپے تھی ، اس کے افراد جب میدان جنگ سے گرفتار ہو کر آئے تو انھوں نے خود تکلیف اٹھا کر ان قیدیوں کو راحت پہونچائی، خود بھوکے رہے یا روکھا سوکھا کھایا اور انھیں اچھا کھلایا پلایا ، ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا ۔ ان کی یہ ساری خدمت بے لوث اور بے غرض تھی ، وہ نام و نمود نہیں چاہتے تھے ، انھیں کسی صلہ کی تمنا نہ تھی ۔ ان کے سامنے صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی تھی ۔ وہ جو کچھ کرتے تھے اسی کے لیے کرتے تھے ۔

اس طرح اسلام نے بتایا کہ غیر ملکی اور دشمنوں کی صف سے گرفتار ہونے والے قیدی بھی بہتر سلوک کے مستحق ہیں ، ان کے ساتھ غیر انسانی رویہ اختیار کرنا اور انھیں ذہنی اذیت پہونچانا ناروا ہے ۔ وہ گو دشمن ہیں لیکن انسان ہیں ۔ جب وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں آزاد نہیں ہیں تو ان کے انسانی حقوق کا احترام ہمارا فرض ہے ۔ ریاست کو یہ حق بھی ہے کہ اگر اس کے مفادات کو نقصان پہونچنے کا خطرہ نہ ہو تو فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ کے انھیں آزاد کر دے ۔ یہ سب باتیں اسلام کے قوانینِ جنگ کا ایک حصہ ہیں ۔ ان سے دنیا نے جنگ و صلح کے بین الاقوامی اصول و آداب سیکھے اور بہت سی اصلاحات کیں ۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے ۔ یہاں تو دشمن کے قیدیوں کے ساتھ اس حسن سلوک کا ذکر ہو رہا ہے جس کی اسلام نے تعلیم دی اور جس کا عملی نمونہ اس کے ماننے والوں نے پیش کیا ۔

بعض لوگوں نے سورۂ دہر کی زیر بحث آیت کا تعلق مسلمان قیدیوں سے بھی جوڑا ہے ۔ ظاہر ہے دشمن اور غیر ملکی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے ، مسلمان قیدیوں کے سلسلہ میں اس سے بہتر رویہ ہی کی توقع کی جاسکتی ہے ۔ حضرت قتادہؒ کہتے ہیں :-

Marfat.com

كان اسيرهم	اس وقت ان کے قیدی مشرک تھے
يومئذ المشرك واخوك	(ان کے ساتھ یہ حسن سلوک رہا) تمہارا بھائی جو
المسلم احق ان	مسلم ہے وہ تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے
تطعمه[1]	کہ تم اسے کھلاؤ پلاؤ (اور اس کی مزدیات
	کا خیال رکھو)

امام ابو یوسفؒ نے قیدیوں کے سلسلہ میں خاصی تفصیل سے بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو فساد، فسق وفجور اور چوری وغیرہ کسی جرم میں گرفتار کیا جائے تو اگر وہ صاحب حیثیت ہے تو اسی کے مال سے اس پر خرچ کیا جائے لیکن نادار ہے اور زندہ رہنے کا سامان نہیں کرسکتا تو اس پر صدقہ کیا جائے یا بیت المال سے اس پر خرچ کیا جائے۔ دونوں ہی صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں لیکن میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ بیت المال سے اس پر خرچ کیا جائے۔

مزید فرماتے ہیں کہ جب ایک مشرک قیدی کو کھلانا پلانا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے تو مسلمان کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے بھوک سے مرنے کے لیے کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟

مسلمان خلفاء، قیدیوں کے کھانے پینے اور سردی گرمی میں ان کے لباس کا نظم کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت علی بن ابی طالبؓ نے عراق میں اور پھر حضرت معاویہؓ نے شام میں اس پر عمل کیا۔

اس کے بعد قید خانوں کی اصلاح کی تجاویز پیش کی ہیں[2]

اسلام کی روح یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ بھی اور شہری قیدیوں کے ساتھ بھی بہتر سے بہتر سلوک ہو۔ اسلامی تاریخ اسی کا ثبوت فراہم کرتی رہی ہے۔ اس کے

---

[1] ابن جریر طبری جزء ۲۹ ص ۱۳۰۔ زمخشری، الکشاف: ۴/۱۹۶

[2] ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۱۴۹-۱۵۱

Marfat.com

لیے جو قواعد و ضوابط بنائے جائیں ان میں یہی روح کارفرما ہونی چاہیے۔

غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات

اسلام کی عمومی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے ایک اور مثال غیر مسلم پڑوسیوں سے تعلقات کی ہے۔

انسان کا عملاً سب سے قریبی تعلق اس کے پڑوس سے ہوتا ہے۔ یہ تعلق جتنا مضبوط ہو وہ اتنا ہی سکون اور اطمینان محسوس کرتا ہے۔ اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ پڑوسی اس کے لیے خطرہ نہیں ہے، اس سے اسے کوئی نقصان اور گزند نہیں پہونچے گا بلکہ اس کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ رہے گی اور وہ اس کے دکھ درد اور آسائش و راحت میں شریک ہو گا تو وہ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ کاروبارِ حیات میں اپنی ذمہ داری ادا کر سکتا ہے، ورنہ وہ سخت دشواریوں سے گزرے گا۔ اسلام نے انسان کو بہترین پڑوسی بننے کی تعلیم دی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من کان یومن باللّٰہ	جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا
والیوم الآخر فلا یؤذ	ہے اسے اپنے پڑوسی کو اذیت نہیں
جارہ [1]	پہونچانی چاہیے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ میرے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ جب سالن پکاؤ تو پانی بڑھا دو اور اپنے پڑوسیوں میں سے جس کے گھر ضرورت ہو اس میں سے کچھ اسے بھیج دو۔[2]

پڑوسیوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم عام ہے۔ اس کے مستحق مسلمان پڑوسی کی طرح غیر مسلم پڑوسی بھی ہیں۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار۔

[2] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ

Marfat.com

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ہاں بکری ذبح ہوئی تو آپ نے گھر والوں سے ایک سے دو بار دریافت کیا کہ ہمارے فلاں یہودی پڑوسی کو اس میں سے کچھ بھیجا ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے پڑوس کے سلسلہ میں اس قدر تاکید کرتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ وہ اسے وارث نہ بنا دیں[1]

اس حدیث کے حوالے سے علامہ رشید رضا مصری کہتے ہیں۔

ھٰذا دلیل علی ان ابن عمر فھم من الوصایا المطلقة فی الجار انھا تشمل المسلم وغیر المسلم وناھیك بفھمه وعلمه[2]	یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پڑوس کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں جو مطلق تاکید آئی ہیں ان سے یہ سمجھا کہ ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا علم وفہم تمہارے لیے کافی ہونا چاہیے۔

اس کے بعد پڑوسیوں کا حق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن الاحسان الی الجار الاھداء الیه ودعوته الی الطعام وتعاھده بالزیارة والعیادة[3]	پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے ہدیہ اور تحفہ دیا جائے، کھانے پر بلایا جائے اور ملاقات اور عیادت کے ذریعہ اس کی خبر گیری کی جاتی رہے۔

قرآن مجید میں پڑوسی کی ایک قسم 'الجار الجنب' بتائی گئی ہے۔ بعض علماء نے اس سے یہودی اور نصرانی مراد لیے ہیں۔ اس حوالہ سے علامہ قرطبی کہتے ہیں۔

فالوصاة بالجار مامور بها مندوب	پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار

[2] رشید رضا، تفسیر المنار: ۹۲/۵

[3] حوالہ سابق

Marfat.com

البہا مسلما کان او کافرا[1] — یہ مندوب اور پسندیدہ ہے۔ پڑوسی چاہے مسلمان ہو یا کافر۔

مزید فرماتے ہیں :۔

قال العلماء الاحادیث فی اکرام الجار جاءت مطلقة غیر مقیدة حتی الکافر[2] — علماء نے کہا ہے کہ پڑوسی کے اکرام واحترام میں جو احادیث آئی ہیں وہ مطلق ہیں اس میں کوئی قید نہیں ہے۔ کافر کی بھی قید نہیں ہے (اس کا بھی اکرام ہوگا)

اس سے صاف واضح ہے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات عام ہیں ان کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں ہے۔ ان پر عمل جس طرح اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ ہوگا اسی طرح دیگر مذاہب والوں کے ساتھ بھی ہوگا۔

مسلمانوں سے متعلق ہدایات میں غیر مسلم بھی داخل ہیں

قرآن وحدیث کی بہت سی تعلیمات وہ ہیں جو مسلم معاشرہ کے پیش نظر دی گئی ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہئے، لیکن معنوی لحاظ سے یہ عام ہدایات ہیں ان سے غیر مسلم خارج نہیں ہیں۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیئے وہی سلوک غیر مسلم کے ساتھ بھی اس کے لیے روا ہے۔ دونوں کے سلسلہ میں دو الگ رویے وہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اس طرح کی دو ایک تعلیمات کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

مسند احمد، امام بخاری کی الادب المفرد، طبرانی اور بیہقی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن : ۱۸۴/۵

[2] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن : ۱۸۸/۵

Marfat.com

اجیبوا الداعی ولا	دعوت دینے والے کی دعوت قبول
تردّوا الھدیۃ ولا تضربوا	کرو، ہدیہ کو واپس مت کرو اور مسلمانوں کو
المسلمین	زدوکوب مت کرو۔

دعوت اور ہدیہ قبول کرنے کے کچھ آداب ہیں۔ یہاں ان کا ذکر نہیں ہے۔ آخری فقرہ ہے 'ولا تضربوا المسلمین' علامہ مناوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں مسلمانوں کو مت مارو سوائے اس کے کہ ان پر کوئی حد لازم آجائے یا کسی غلطی پر تادیب کرنی پڑے۔ ان کے ساتھ لطف و محبت کا معاملہ کرو۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ تھا۔ آپ نے کسی خادم یا غلام یا لونڈی کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا۔ تقویٰ سے قریب تر رویہ یہ ہے کہ عفو و درگذر سے کام لیا جائے۔ مسلمان کو بلاوجہ مارنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

والتعبیر بالمسلم غالبی	مسلمان کا ذکر غالب صورت حال
فمن لہ ذمۃ او عھد	(مسلم معاشرہ) کے پیش نظر ہے ورنہ اسلامی
معتبر یحرم ضربہ تعدیا [1]	ریاست میں جو ذمی ہے یا جس کے
	ساتھ معتبر عہد و پیمان ہے ناحق اسے مارنا
	بھی حرام ہے۔

کسی مسلم یا غیر مسلم کو زدوکوب کرنا غلط اخلاقیات کی ایک مثال ہے۔ اس سے اس حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ کسی بھی غلط اخلاقی رویہ کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔ ایک مسلمان کا جو رویہ ہونا چاہیے اس کا اندازہ ایک دوسری حدیث سے ہوتا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ہے۔

اذا استشار احدکم	تم میں سے کسی سے اس کا بھائی مشورہ

---

[1] مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر: ۱/ ۱۶۲

Marfat.com

اخاہ فلیشر علیہ — کرے تو اسے (صحیح) مشورہ دے۔

علاوہ مناوی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے کسی دینی معاملہ میں مشورہ طلب کرے تو جو بات اس کے حق میں بہتر ہو اسی کا مشورہ دے ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ اس کے ساتھ خیانت ہو گی۔ اس لیے خیر خواہی لازم ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔

ذکر الاخ غالبی فلو — بھائی کا ذکر غالب صورتحال (مسلم معاشرہ) کی بناپر ہے۔ اگر کوئی ذمی مشورہ کرے تو

استشار ذمی کان کذالک[1] — اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام نے غیر مسلموں سے ربط و تعلق سے کہیں منع نہیں کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کی ہدایت یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے، ان سے خونی رشتہ ہو تو اس کا احترام کیا جائے، بہ حیثیت انسان ان کے حقوق ادا کیے جائیں۔ وقت ضرورت ان کی خدمت کرنا اور ان کے دکھ درد میں کام آنا اس کے نزدیک ایک پسندیدہ عمل اور کار ثواب ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کچھ ذہنی تحفظات تھے تو اسلام نے انھیں رفع کیا ہے اور کسی قسم کے شک و شبہ کو باقی رہنے نہیں دیا ہے۔

غیر مسلموں پر خرچ کرنا بھی خدا کی راہ میں انفاق ہے

قرآن مجید نے اس خیال کی اصلاح کی کہ انفاق صرف مسلمانوں پر ہونا چاہیے اس نے واضح کیا کہ غیر مسلموں کے دکھ درد میں کام آنا اور ان کی مالی مدد کرنا بھی راہ خدا میں انفاق ہی کی ایک صورت ہے۔

سورۂ بقرہ میں ایک جگہ راہِ خدا میں انفاق کا ذکر ہے، اس کی ترغیب ہے۔ اخلاص

---

[1] مناوی، فیض القدیر: ۱/۵۷۲

Marfat.com

اور بے غرضی کے ساتھ خرچ کرنے اور نام و نمود اور ریا کاری سے بچنے کی تاکید ہے، کھلے چھپے ہر طریقہ سے انفاق کا حکم ہے، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت ہے جو دست سوال دراز نہیں کرتے۔ (آیت ۲۶۱ تا ۲۷۴) عین ان تفصیلات کے بیچ میں ایک آیت آئی ہے جو قابل غور ہے اور ہمارے موضوع سے اس کا خاص تعلق ہے۔

ارشاد ہے:-

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۷۲)	(اے پیغمبرؐ!) آپ پر ان کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ تم جو بھی مال اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اس کا فائدہ تم ہی کو پہنچے گا۔ (دیکھو) تم اللہ کی رضا ہی کے لیے تو خرچ کرتے ہو۔ تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اس کا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔

یہ آیت یہاں کیوں آئی ہے؟ اس کا اصل مضمون سے کیا تعلق ہے؟ اس بارے میں تفسیر میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ مسلمان جو کچھ صدقہ و خیرات کریں وہ مسلمانوں ہی پر کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[1]

ایک روایت میں اس ممانعت کی وجہ بھی بیان ہوئی ہے۔ سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ ذمیوں میں جو حاجت مند ہوتے مسلمان ان پر انفاق کیا کرتے تھے۔ جب مسلمانوں ہی میں حاجتمندوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا:-

لا تتصدقوا الا علی اهل دینکم	اپنے ہم مذہب لوگوں ہی پر تم صدقہ وخیرات کرو

---

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۱/۳۲۳، ۳۲۴

Marfat.com

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان لوگوں پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی گئی جو دائرۂ اسلام سے باہر ہیں[1]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے۔ فرماتے ہیں انصار کے رشتے بنو قریظہ اور بنو نضیر سے تھے۔ انصار ان پر اپنا مال خرچ کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اسلام لے آئیں تو ان پر خرچ کیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی[2]

یہ روایت بتاتی ہے کہ پس منظر میں یہود اور ان سے تعلقات تھے۔ گویا آیت نے ہدایت کی کہ ان کے نادار بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں اور ان پر بھی انفاق ہونا چاہیے۔ بعض دوسری روایات میں اسی پس منظر کے ساتھ مشرکین کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین پر انفاق نہیں کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی[3]

یہی بات صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی کہی گئی ہے کہ وہ اپنے مشرک قرابت داروں پر خرچ نہیں کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کی اجازت انھیں دے دی گئی[4]

حضرت قتادہؒ ایک عمومی بات بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ جو لوگ ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں کیا ان پر بھی انفاق کیا جا سکتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی[5]

اسلام کی جس طرح ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی اور اس کے ماننے والے جس طرح جور و ستم کا نشانہ بنائے جا رہے تھے، اس کے خلاف مسلمانوں کے اندر ردعمل

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳۳۷/۳

[2] ابن جریر، جامع البیان من تاویل ای القرآن ۵۸۸/۵ طبع جدید دار المعارف۔ مصر

[3] ابن جریر: ۵۸۷/۵

[4] بیہقی۔ السنن الکبری: ۱۹۱/۴ نیز ابن جریر حوالہ سابق

[5] ابن جریر: ۵۸۸/۵

Marfat.com

کا پایا جانا غیر فطری نہ تھا۔ ان کے دل میں کبھی یہ سوال ابھرتا ہوگا کہ ان کے خویش و اقارب اور دور و نزدیک کے لوگ آخر اس دین کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں جس میں سب کی صلاح و فلاح کا سامان ہے؟ کبھی یہ سوچتے ہوں گے کہ ان لوگوں کے ساتھ کیوں ہمدردی کی جائے اور مشکلات میں ان کی مدد کی جائے جو زندگی بھر ہمارے راستے میں کانٹے بچھاتے اور ناوک فگنی کرتے رہے؟ کبھی یہ خیال آتا ہوگا کہ ان دشمنانِ دین کے ساتھ تعاون کا کوئی اجر و ثواب بھی ہے یا نہیں؟ کبھی یہ خواہش موجزن ہوتی ہوگی کہ کاش یہ ایمان لے آتے اور ہم اپنا سب کچھ ان پر نچھاور کر دیتے۔ اوپر کی روایات ان سب کیفیات کی ترجمانی کرتی ہیں۔

قرآن مجید نے انفاق اور اس کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے اس جذبہ کی بھی اصلاح کی ہے کہ تعاون اور ہمدردی کے مستحق صرف اپنے ہم مذہب افراد ہیں اور ان ہی کے ساتھ حسن سلوک ہونا چاہیے۔ اس نے کہا کہ انسانوں کی خدمت کی راہ میں عقیدہ و خیال اور دین و مذہب کے اختلاف کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ جو شخص ضرورت مند ہے اس کی مدد کرنا دینی اور اخلاقی فرض ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مشرک ہو یا اہلِ کتاب، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔ آدمی کی یہ خواہش یا اصرار کہ لوگ ایمان لے آئیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ایمان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے اندر طلب صادق پائی جاتی ہے اسے وہ اس دولت سے نوازتا ہے۔ آدمی یہ سوچ کر انسانوں کی خدمت اور فلاح و بہبود کے کام کرتا چلا جائے کہ اس کا اجر و ثواب اللہ نے چاہا تو محفوظ ہے اور کل وہ اس کے کام آئے گا۔ اس پورے پس منظر کے ساتھ آیت ان بہت سے الزامات کی تردید کرتی ہے جو اسلام کے کردار پر کیے جاتے ہیں

اس سے پہلے یہ روایت گزر چکی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم و غیر مسلم ہر فرد اور ہر طبقہ پر صدقہ و خیرات کی ہدایت فرمادی۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

Marfat.com

فامر بالصدقة بعدها	اس آیت کے بعد آپؐ نے حکم دیا
علی کل من سائل من کل	کہ کسی بھی دین کا ماننے والا تم سے سوال
دین[1]	کرے تو اس پر خرچ کرو۔

اسی سلسلہ کی ایک اور روایت ہے:

تصدقوا علی اھل الادیان[2]	تمام اہل مذاہب پر صدقہ وخیرات کرو

حضرت سعید بن مسیبؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی گھرانے پر صدقہ کیا تھا جو بعد میں بھی جاری رہا[3]

اس آیت کے سیاق وسباق سے بحث کرتے ہوئے علامہ قرطبی کہتے ہیں:

ھٰذا الکلام متصل بذکر	یہ آیت صدقات کے ذکر سے ملی
الصدقات فکانہ بیّن فیہ جواز	ہوئی ہے۔گویا اس میں یہ واضح کیا گیا
الصدقة علی المشرکین[4]	ہے کہ مشرکین پر صدقہ کرنا جائز ہے۔

اس بحث کا تعلق مسئلہ کے اخلاقی پہلو سے ہے۔آئیے اب ذرا اس کے فقہی اور قانونی رخ پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے مال کا کتنا اور کون سا حصہ غیر مسلموں کی مدد اور ان کی فلاح وبہبود کے کاموں میں خرچ کرسکتا ہے اور کون سا حصہ خرچ نہیں کرسکتا؟

اسلامی شریعت میں صدقات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جو فرض اور واجب ہیں اور دوسرے وہ جن کی نوعیت فرض یا واجب کی تو نہیں ہے لیکن اللہ کی رضا کے لیے کیے جاتے ہیں۔فرض صدقات میں سب سے پہلے زکوٰۃ کا سوال سامنے آتا ہے۔زکوٰۃ مال کی ایک خاص مقدار یا نصاب پر فرض ہوتی ہے۔یہ صاحب نصاب

---

[1] ابن کثیر، تفسیر: ۱/۳۲۴

[2] رواہ ابن ابی شیبۃ عن سعید بن جبیر مرسلاً (نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ: ۲/۳۹۸)

[3] ابوعبید، کتاب الاموال، ص ۵۲۳۔ نصب الرایہ: ۲/۳۹۸

[4] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۲/۳۳۷

Marfat.com

مسلمانوں سے لی جاتی ہے اور متعین مدات میں غریب مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کی جاتی ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

"اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ اموال زکوٰۃ غیر مسلم پر صرف نہیں ہوں گے[1] دوسرے صدقات کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

صدقۂ فطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر ہر صاحب حیثیت یا فقہ حنفی کی رو سے ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہوتا ہے۔ یہ صدقہ اسے اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرنا ضروری ہے۔

صدقۂ فطر کے بارے میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کے حکم میں ہے، لہٰذا اسے زکوٰۃ ہی کی طرح مسلمانوں پر صرف ہونا چاہیے۔ لیکن امام ابوحنیفہ ذمیوں پر بھی اس کے صرف کو جائز سمجھتے ہیں۔ عمرو بن میمون، عمرو بن شرحبیل اور مرہ ہمدانی کے بارے میں آتا ہے کہ فطرہ کی رقم میں سے وہ راہبوں کو بھی دیا کرتے تھے[2]

ابومیسرہ کہتے ہیں کہ لوگ ان کے پاس صدقۂ فطر جمع کرتے وہ پورا کا پورا یا اس کا ایک حصہ راہبوں کو دیتے تھے[3]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے:

ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی ویدفع الیہ ما سوی ذٰلک من الصدقۃ[4]	کسی ذمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے صدقات اسے دیئے جا سکتے ہیں۔

فطرہ کے بارے میں کہا گیا ہے:

ویؤدی المسلم الفطرۃ عن	مسلمان اپنے اس غلام کی طرف سے

---

[1] ابن قدامہ؛ المغنی: ۴/۱۰۶-۱۰۷

[2] ابوعبید، کتاب الاموال ص ۵۴۳۔ نیز ملاحظہ ہو ابن قدامہ۔ المغنی۔ ۲/۳۱۴-۳۱۵

[3] ابوعبید، کتاب الاموال ص ۵۴۳

[4] ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۵

Marfat.com

عبدہ الکافر لے — بھی فطرہ ادا کرے گا جو کافر ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص نے فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے قرآن مجید کی بعض آیات کا حوالہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات مشرکین پر بھی کیے جا سکتے ہیں لیکن احادیث سے ثابت ہے کہ زکوٰۃ کی تمام قسمیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے تمہارے اصحاب ثروت سے زکوٰۃ وصول کرنے اور تمہارے اصحاب حاجت پر اسے لوٹا دینے کا حکم ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جن صدقات کے وصول کرنے کا حق امام یا ریاست کو ہے وہ ذمیوں پر صرف نہیں ہو سکتے۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام صدقات ذمیوں کو دئے جا سکتے ہیں۔ جیسے نذر کا صدقہ، غلطیوں کے کفارہ کا صدقہ یا صدقہ فطر۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ صدقات واجبہ غیر مسلموں پر صرف نہیں کیے جا سکتے۔ اسے انھوں نے زکوٰۃ پر قیاس کیا ہے۔[2]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے فقہاء کے ہاں اس مسئلہ میں کتنی وسعت ہے اور انھوں نے کتنی گنجائش رکھی ہے۔

زکوٰۃ ایک چھوٹی سی مد ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کی جاتی ہے۔ دیگر صدقات واجبہ کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہے۔ ان سے ہٹ کر انسانوں کی خدمت، تعاون اور ہمدردی کی بہت سی شکلیں ہیں۔ اسلام ان سب کی ترغیب دیتا اور تشویق پیدا کرتا ہے۔ ان کے ذریعہ مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی فائدہ پہونچایا جا سکتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

محاربین اور غیر محاربین کے درمیان فرق

جو لوگ اسلام کے نظام فکر و عمل سے اختلاف رکھتے ہیں وہ دو طرح کے رویئے اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک رویہ عداوت اور مخاصمت کا ہوگا کہ وہ مسلمانوں کو آزادی اور امن و

---

[1] ہدایہ ج ۱ ص ۱۸۹۔ اس پر جن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے ان کی صحت و ضعف پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو نصب الرایہ: ج ۲ ص ۴۱۲ - ۴۱۶

[2] جصاص، احکام القرآن: ۵۴۷ - ۵۴۸

Marfat.com

سکون سے رہنے نہ دیں اور اسلامی ریاست سے ان کی جنگ جاری ہو، دوسرا رویہ آزادی، حریتِ فکر و عمل اور ظلم و زیادتی سے اجتناب کا ہو گا۔ اسلام نے ان دونوں رویوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ وہ پہلے گروہ سے عام انسانی ہمدردی اور تعاون سے منع نہیں کرتا البتہ موالات اور رازدارانہ تعلقات سے احتراز کا حکم دیتا ہے کیونکہ یہ چیز دشمن کو تقویت پہنچانے کے ہم معنی ہے۔ جہاں تک دوسرے گروہ کا تعلق ہے اس کے ساتھ حسنِ سلوک، تعاون اور ہمدردی کی بہرحال اجازت ہے۔ اس نے اس سے منع نہیں کیا ہے[1] سورہ ممتحنہ میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔

لَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ	اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں
لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ	روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک
یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ	اور عدل و انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں
اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا	نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں
اِلَیْہِمْ ۭ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ	کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔
الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا یَنْہٰکُمُ	اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند
اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ	کرتا ہے[2] اللہ تعالیٰ تو تمہیں اس بات

---

[1] اس موضوع پر تفصیلی بحث 'غیر مسلموں سے عدم تعلق کے احکام کا پس منظر' کے ذیل میں آگے آ رہی ہے۔

[2] اس کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کی اور ظلم کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا ان کے ساتھ تمہارا رویہ عدل و انصاف پر مبنی ہونا چاہیے۔ یہ بات ناانصافی کی ہو گی کہ انھیں بھی دشمنوں کی صف میں رکھا جائے اور دونوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جائے۔ اس کا ایک اور مفہوم ابن عربی مالکی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قسط سے مراد یہاں عدل نہیں ہے بلکہ اس کے معنی حصہ کے بھی آتے ہیں یہی اس جگہ مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی کی خاطر اپنے اموال کا ایک حصہ ان پر خرچ کرو اس لیے کہ جہاں تک عدل کا تعلق ہے وہ محارب اور غیر محارب سب کے =

Marfat.com

فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ	سے منع کرتا ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی
مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا	کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں
عَلٰى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ	جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے
وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	نکالا اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے
الظّٰلِمُوْنَ ○	کی مدد کی۔ جو شخص ان سے دوستی کرے
(الممتحنہ: ۸ - ۹)	وہی ظالم ہے۔

اس آیت میں وہ کون لوگ مراد ہیں جنھوں نے مسلمانوں پر ظلم و زیادتی نہیں کی اور اس طرح کا اقدام کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا؟ اس کے جواب میں سلف سے حسب ذیل رائیں ملتی ہیں۔

۱۔ حضرت حسن بصریؒ اور ابو صالحؒ کا بیان ہے کہ یہ آیات بنو خزاعہ، بنو حرث بن کعب کنانہ، مزینہ اور عرب کے بعض دیگر قبائل سے متعلق نازل ہوئیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر رکھی تھی کہ وہ آپؐ سے جنگ نہیں کریں گے اور آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے۔

۲۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس میں بنو ہاشم کے ان افراد کی طرف اشارہ ہے جو ان لوگوں میں شامل نہیں تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ ان ہی میں حضرت عباس بھی ہیں۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غیر مسلم عورتوں اور بچوں سے متعلق ہے۔ (اس لیے کہ ان کا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا)[1]

= ساتھ واجب ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔ وتقسطوا الیہم ای تعطوھم قسطا من اموالکم ولیس یریدبہ من العدل فان العدل واجب فی من قاتل وفی من لم یقاتل۔ احکام القرآن: ۳/۴۲۹

[1] آلوسی، روح المعانی جزء ۲۸ ص۷۵۔ نیز ملاحظہ ہو رازی، تفسیر کبیر: ۸/۱۳۲

Marfat.com

سلف کی ان تشریحات میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں سے ہر تشریح کسی خاص پہلو کو واضح کر رہی ہے۔ ان سب کو سامنے رکھنے سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

اسلامی ریاست کا جن قبیلوں، قوموں اور ملکوں سے صلح و آشتی کا معاہدہ ہو گا، ان کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری ہی کا نہیں بلکہ بر و احسان کا رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

جو قوم اسلامی ریاست سے برسرِ پیکار ہے، اس میں بھی ایسے گروہ اور طبقات ہو سکتے ہیں جن کے دل میں اسلامی ریاست سے حریفانہ جذبات نہ ہوں اور جو اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے ہوں۔ ان کے ساتھ بھی بہتر تعلقات رکھنے اور تعاون اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اسی طرح محارب قوم کے وہ افراد جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے (جیسے عورتیں، بچے اور معذور وغیرہ) ان کے ساتھ وہ رویہ اختیار نہیں کیا جائے گا جو برسرِ جنگ افراد کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ وہ ہمدردی اور لطف و محبت کے مستحق ہوں گے۔

علامہ ابن جریر طبری اس آیت کے ذیل میں سلف سے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی بہتر اور صحیح توجیہ ان حضرات نے کی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ کسی بھی دین و ملت کے وہ افراد جو برسرِ جنگ نہ ہوں ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسنِ سلوک کیا جائے گا۔ اس میں ایک گروہ اور دوسرے گروہ کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا۔ آیت کو منسوخ بھی نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ اہلِ حرب میں سے کسی سے قرابت اور رشتہ داری ہو یا نہ ہو اس کے ساتھ نیکی اور بھلائی ممنوع اور ناجائز نہیں ہے، بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا کوئی راز ان پر نہ کھلے یا ساز و سامانِ حرب کے ذریعہ انھیں تقویت نہ پہونچائی جائے[1]۔

---

[1] ابن جریر، تفسیر طبع قدیم جزء ۲۸ ص ۴۳

Marfat.com

ذمیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

اس آیت سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ ذمی اور حربی کے درمیان ایک مسلمان کے رویہ میں فرق ہوگا۔ ذمی اسلامی ریاست کا شہری ہوتا ہے اور اسے ایک طرح کا معاہدۂ امن حاصل ہوتا ہے۔ اس کے احکام حربی کے احکام سے مختلف ہیں۔ ذمی کے دکھ درد میں کام آنا اور مشکلات میں اس کی مدد کرنا ایک اخلاقی فریضہ ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں:

آیت کے الفاظ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ میں عموم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذمیوں کو صدقات دئے جا سکتے ہیں، اس لیے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں نہیں ہے جو ہم سے برسرِ جنگ ہیں، البتہ اس سے حربی کو صدقات دینے کی ممانعت نکلتی ہے (اس لیے کہ ریاست سے وہ حالت جنگ میں ہے)[1]

محارب قوم سے انسانی تعلقات

کسی قوم سے حالت جنگ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس سے عام انسانی تعلقات بھی نہ رکھے جائیں اور مصیبت میں اس کے ساتھ ہمدردی نہ کی جائے اور اس کی تکلیف پر خوشی منائی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ یہ بتاتا ہے کہ دشمن اگر نازک حالات سے گزر رہا ہے اور معاشی یا کسی نوع کی ہمدردی کا مستحق ہے تو اس کے ساتھ تعاون ہونا چاہیے۔ امام محمد فرماتے ہیں:۔

حربی یا ذمی کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مکہ کے لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو رسول اللہؐ نے ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ کے پاس پانچ سو درہم بھجوائے تاکہ وہ مکہ کے ضرورت مندوں اور محتاجوں میں انھیں تقسیم کردیں۔ مزید فرماتے ہیں:۔

صلۂ رحمی ہر مذہب میں پسندیدہ ہے۔ دوسروں کو ہدیہ بھیجنا مکارم اخلاق میں شمار ہوتا ہے۔[2]

---

[1] علامہ ابوبکر جصاص کے الفاظ یہ ہیں: "ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم عموم فی جواز دفع الصدقات الی اھل الذمۃ اذ لیس ھم من اھل قتالنا، فیہ النھی عن الصدقۃ علی اھل الحرب۔ احکام القرآن: ۵۳۶/۳ نیز ملاحظہ ہو۔ روح المعانی جزء ۲۸ ص ۷۵، ذمیوں کے حقوق پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔ [2] رد المحتار علی الدر المختار: ۹۲/۲

Marfat.com

معاشرتی تعلقات

موجودہ دور میں انسان کی ضروریاتِ زندگی کا دائرہ بہت ہی وسیع ہوتا چلا گیا ہے اور ان میں بڑا تنوع آگیا ہے۔ آج کی تیز رفتار مادی ترقی کے ساتھ ان میں روز بروز اضافہ ہی کا امکان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی بستی، شہر یا علاقہ ہی کے لیے نہیں بڑے سے بڑے ملک کے لیے بھی ان ضروریات کے سلسلہ میں خود کفیل ہونا دشوار ہو رہا ہے۔ اس کے لیے ایک علاقہ کو دوسرے علاقہ سے اور ایک ملک کو دوسرے ملک سے مدد لینی پڑتی ہے۔ اس طرح درآمد و برآمد ہر ملک کی ضرورت بن گئی ہے۔ ایک چیز ایک ملک میں تیار ہوتی ہے دوسرا ملک اس کے لیے منڈی فراہم کرتا ہے۔ جن چیزوں کی ضرورت ہے یا جو چیزیں لازمۂ حیات بن گئی ہیں ان کی پیداوار اور تیاری پر کسی خاص قوم یا ملک کی اجارہ داری نہیں ہے۔ انھیں کوئی بھی ملک تیار کر سکتا ہے اور جہاں جس قسم کی ضرورت ہو فراہم کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ بین الاقوامی حالات اور آمد و رفت کی سہولتوں نے قوموں اور ملکوں کو قریب کر دیا ہے۔ کسی ملک کے افراد کا دوسرے ملک میں لمبی مدت تک قیام بلکہ وہاں جا کر آباد ہو جانا بھی ناممکن نہیں رہا۔ ان حالات میں ایک مسلمان کے سامنے ان اشیاء کے استعمال کا سوال آتا ہے جنھیں غیر مسلم تیار کرتے ہیں۔ اس وقت خاص طور پر غذا اور لباس اور ان کے متعلقات زیر بحث ہیں۔ ان ہی کے ذیل میں بعض سوالات پر گفتگو کی جائے گی۔

معاشرت عرب کے بعض پہلو

غذا اور لباس کا تعلق تہذیب اور معاشرت سے جڑا ہوا ہے۔ دنیا کی ہر قوم کی طرح

Marfat.com

مشرکین عرب کی بھی خاص تہذیب اور معاشرت تھی، رسوم و رواج تھے، ان کی مخصوص غذائیں تھیں، ان کی تیاری کا اپنا ایک طریقہ تھا۔ خوشی کے مواقع پر تقریبات اور دعوتوں کا رواج تھا اور ہر تقریب کا الگ نام تھا[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی اسی تہذیب اور معاشرت میں پیدا ہوئے، صحابہ کرامؓ کا بھی اسی ملک اور اسی تہذیب سے تعلق تھا۔ آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی غذا، لباس، رہن سہن اور معاشرت وہی تھی جو اہل عرب کی تھی۔

غذاؤں کی حلّت و حرمت

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنی غذا کے لیے جن اشیاء کا استعمال کرتا ہے مذہب کی دنیا میں ان کی حلت و حرمت کا سوال بڑا اہم رہا ہے۔ بعض چیزیں ایک مذہب میں

---

[1] بعض تقریبات کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہوگا۔

۱۔ ولیمہ۔ نکاح کے بعد کی تقریب۔

۲۔ عقیقہ۔ بچہ کی پیدائش پر ساتویں دن کی دعوت۔

۳۔ اعذار۔ ختنہ کے موقع پر کی جانے والی دعوت۔

۴۔ النقیعہ۔ وہ دعوت جو سفر سے بہ عافیت واپسی پر کی جائے۔

۵۔ الوکیرہ۔ مکان کی تعمیر کی خوشی میں کی جانے والی دعوت۔

۶۔ الجفلی۔ دعوت عام

۷۔ النقری۔ دعوت خاص

دعوت کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا اسے المأدبہ کہا جاتا۔

ملاحظہ ہو۔ ابو عمر احمد بن محمد بن عبداللہ الاندلسی، العقد الفرید، بحث اطعمۃ العرب۔ ۶/۲۹۰۔۲۹۲۔ متعلق الفاظ کی وضاحت اور تشریح کے لیے لسان العرب بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان تقریبات میں سے بعض کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا اس لیے انھیں سنت کا درجہ حاصل ہے۔

Marfat.com

جائز اور مباح ہیں تو دوسرے مذہب میں وہ ممنوع اور حرام سمجھی گئی ہیں۔ اہل عرب بھی اشیاء کی حلت و حرمت کے قائل تھے، لیکن اس کی بنیاد زیادہ تر مشرکانہ تصورات اور اوہام و خرافات پر تھی۔ اسلام نے ان کے باطل تصورات کی اصلاح کی اور کہا کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے: (النحل: ۱۱۶) اس کے ساتھ اس نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ سورۂ انعام مکی سورت ہے اس میں مشرکین کے غلط رسوم و رواج اور مذہبی خیالات پر تفصیل سے جرح و تنقید ہے۔ اسی میں ارشاد ہے:

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ	کہہ دو کہ مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں کسی
اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ	کھانے والے پر جو چیزیں کہ وہ کھاتا ہے، میں
یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ	کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ
مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ	مردار یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت، اس
لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ	لیے کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کر جانور پر
اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ	ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے
فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا	لیکن اگر کوئی (جان بچانے کے لیے ان محرمات
عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	کے کھانے پر) مجبور ہو جائے اور وہ حد سے
	نہ بڑھے اور زیادتی نہ کرے تو تمہارا رب بڑا
(الانعام: ۱۴۵)	معاف کرنے والا اور بڑا رحیم ہے[1]

اس آیت میں بعض وہ چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں جنھیں اہل عرب حلال سمجھتے اور بے تکلف استعمال کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض اور چیزوں کی حرمت بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ جیسے شراب کی حرمت (المائدہ: ۹۰-۹۱) یہاں

---

[1] اس سلسلہ کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات' ص ۱۰۰-۱۰۱

Marfat.com

اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے[1]

اشیاء میں اصل حلّت ہے

اشیاء کی حلت وحرمت کے سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے۔ حرام صرف وہی اشیاء ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان ان سے لازماً احتراز کرے گا۔ اس کے علاوہ ساری چیزیں حلال ہیں انھیں وہ استعمال کرسکتا ہے۔ حرام وحلال کے اس فرق کے ساتھ وہ جس معاشرہ کا فرد ہے اور جہاں اس کی نشوونما ہوئی ہے، وہاں کی غذا اس کی غذا ہوگی اور وہ جہاں بھی جائے گا اور جس ماحول میں بھی رہے گا مناسب حال اور اپنی پسند کی غذا استعمال کرے گا۔ جو چیزیں وہ خود کھا سکتا ہے وہ دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور ان کے ساتھ ان چیزوں کے کھانے پینے میں شریک بھی ہوسکتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا بھی فرق نہیں ہے۔ حلال چیزیں غیر مسلم تیار کریں تو ان کی خرید وفروخت اس کے لیے جائز ہوگی۔

اب آیئے اس موضوع کے بعض پہلوؤں کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی قدر تفصیل سے مطالعہ کیا جائے۔

غیر مسلم کا پانی پاک ہے

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حلال اور پاک نعمت ہے۔ ہر جاندار کی حیات کا اس پر دار و مدار ہے۔ یہ نعمت سب کے لیے ہے۔ بہت سے لوگ انسانوں کے درمیان ذات پات اور رنگ ونسل کی بنیاد پر فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی

---

[1] قرآن وحدیث میں مطعومات ومشروبات میں کن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اور کن چیزوں کی حرمت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور کن چیزوں میں کراہت پائی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۷/۱۱۵-۱۲۳

Marfat.com

شخص جسے وہ کم تر ذات کا سمجھتے ہیں پانی کو ہاتھ لگا دے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال ان کے لیے ممنوع ہو جاتا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پانی اصلاً پاک ہے۔ کسی فرد کے ہاتھ لگانے سے وہ ناپاک نہیں ہو جاتا۔ وہ ناپاک اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں کسی نجس اور ناپاک چیز کی آمیزش ہو جائے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے غیر مسلموں کا پانی کھانے پینے حتیٰ کہ عبادات تک کے لیے استعمال کیا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رات میں ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ صبح سب کی آنکھ لگ گئی۔ نماز قضا ہو گئی۔ فوراً بعد میں ادا کی گئی۔ ہمارے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔ شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواروں کے ساتھ مجھے پانی کی تلاش میں بھیجا۔ جب ہم نکلے تو دیکھا کہ ایک عورت پانی سے بھرے ہوئے دو مشک اپنی اونٹنی پر لیے جا رہی ہے۔ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ پانی کہاں مل سکتا ہے؟ اس نے کہا قریب میں پانی نہیں ہے۔ میں اپنے قبیلہ سے ایک دن اور ایک رات کا فاصلہ طے کر کے پانی لا رہی ہوں۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک بیوہ عورت ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے ہیں۔ ہم اسے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے۔ آپ کے حکم پر اونٹنی کو بٹھایا گیا۔ آپ نے مشک پر دست مبارک رکھا، تھوڑا سا پانی لے کر اس پر کلی کی۔ اس کے بعد آپ کا یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ ہم چالیس افراد تھے۔ ہم سب نے اس سے پانی پیا اور ہمارے پاس جو چھوٹے بڑے برتن تھے سب بھر لیے۔ ایک صاحب کو غسل کی حاجت تھی۔ انھیں اس کے لیے پانی دیا گیا۔ اس کے باوجود یوں محسوس ہو رہا تھا کہ مشک اس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ پھٹے جا رہے ہیں۔ آپ نے اس عورت سے فرمایا دیکھو ہم نے تمہارا پانی کم نہیں کیا ہے۔ پھر آپ کے حکم سے ہم لوگوں نے بچی ہوئی روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں اسے دیں۔ آپ نے اس سے کہا جاؤ یہ اپنے بچوں کو کھلاؤ۔ اس نے اپنے قبیلہ میں پہونچ کر پورا واقعہ سنایا تو سب لوگ اسلام لے آئے۔[1]

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، =

Marfat.com

حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے شام کے سفر میں ایک نصرانی عورت کے گھر سے گرم پانی لے کر وضو کیا۔[1]

امام شافعیؒ نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے پانی لے کر وضو کیا۔[2]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب کے پانی کو اس تفصیل میں گئے بغیر کہ وہ کس قسم کا پانی ہے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشرک کے پانی سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ اگر اپنی عبادت کے لیے وضو کرتا ہو تو اس کے بچے ہوئے پانی سے بھی وضو کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اگر متعین طور پر یہ معلوم ہو کہ پانی نجس ہے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔[3]

غیر مسلم کی غذا کا حکم

اب غذاؤں کو لیجئے۔ انسان کی غذا میں کئی طرح کی چیزیں شامل ہیں۔

۱۔ بعض چیزیں قدرت کی طرف سے اسے تیار شدہ شکل میں مل جاتی ہیں۔ جیسے پھل اور میوے۔ اس میں انسان کا دخل صرف زراعت، شجر کاری اور آب پاشی وغیرہ کی حد تک رہتا ہے۔ بعض اوقات بغیر محنت کے بھی یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ انھیں اگر کوئی غیر مسلم پیدا کرتا ہے تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جس

= باب قضاء الفایت واستحباب تعجیلہ۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں۔ ثبت فی الصحیحین انہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ من مزادۃ مشرکۃ نیل الاوطار : ۱/۲۶

[1] بخاری، کتاب الوضو، باب وضوء الرجل مع امرأتہ۔ قرطبی نے دارقطنی کے حوالے سے اس واقعہ کی تفصیل نقل کی ہے۔ الجامع لاحکام القرآن : ۱۳/۴۴-۴۵

[2] ابن حجر، فتح الباری : ۱/۲۹۹

[3] ابن حجر، فتح الباری : ۱/۲۹۹

Marfat.com

طرح مسلمان کی پیداوار جائز ہے اسی طرح غیر مسلم کی پیداوار بھی جائز ہے یہی حکم گیہوں، چاول اور دیگر غذائی اجناس کا ہے۔

۲۔ بعض چیزیں وہ ہیں جنھیں آدمی ان کی فطری حالت میں بطور غذا استعمال نہیں کرپاتا، اس لیے ان میں اپنی جسمانی حالت، مزاج اور معدہ کی رعایت سے مناسب ترمیم کرکے استعمال کرتا ہے۔ اسی کے لیے وہ گیہوں سے آٹا تیار کرتا اور آٹے سے روٹی پکاتا ہے، یا دانوں سے تیل نکال کر استعمال کرتا ہے۔ اگر یہ خدمات کوئی غیر مسلم انجام دے تو مسلمان کے لیے ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اگر کوئی اس سے فائدہ اٹھانا نہ چاہے تو بقول علامہ قرطبی یہ اس کی احتیاط ہوگی جواز بہر حال باقی رہے گا۔[۱]

۳۔ جانور کا گوشت بھی انسان کی غذا میں شامل رہا ہے۔ اسلام کی رو سے حلال جانور کا گوشت کھایا جاسکتا ہے۔ اس میں تقرب اور عبادت کا پہلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس پر بحث آگے آرہی ہے۔

غیر مسلم کی تیار کردہ غذائی اشیاء

غیر مسلموں کی تیار کردہ حلال مطعومات استعمال کی جاسکتی ہیں۔ احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر کا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپ نے چھری طلب فرمائی، اللہ کا نام لے کر اسے قطع کیا اور تناول فرمایا۔[۲] پنیر حجاز میں تیار نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ شام وغیرہ سے آتی تھی۔[۳]

---

[۱] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶/۷۷

[۲] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل الجبن

[۳] قاضی شوکانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پنیر کے استعمال کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اکل من الجبن المجلوب من بلاد النصاریٰ کما اخرجہ احمد و ابوداؤد من حدیث ابن عمرؓ۔ نیل الاوطار: ۱/۲۶

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں مجھے چربی سے بھرا ہوا ایک جراب (چمڑے کا تھیلا) ملا۔ میں نے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا اور کہا کہ یہ میں کسی کو نہیں دوں گا۔ اتنے میں پلٹ کے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔[1]

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہود کے ذبیحہ کی چربی کا استعمال مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ چربی یہود کے لیے حرام تھی اس لیے ان کے ذبیحہ سے نکلی ہوئی چربی ہمارے لیے بھی حرام ہوگی، لیکن امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔[2]

چربی کو محفوظ رکھنے اور اسے قابل استعمال بنانے کے لیے وہ کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرتے رہے ہوں گے۔ چربی پر مکھن، گھی اور روغن وغیرہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

غیر مسلم کی دعوت قبول کی جا سکتی ہے

دعوتیں اور تقریبات ہر معاشرت کا ایک لازمی جز ہیں۔ اس سے خوشی میں شرکت ہوتی ہے، تعلقات استوار ہوتے ہیں اور قربت بڑھتی ہے۔ اسلام نے اس کی ترغیب دی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دعوت دے تو اسے قبول کرنا پسندیدہ ہے، بلا وجہ اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔[3]

غیر مسلم کے ساتھ بھی کھانا پینا مباح ہے۔ وقت ضرورت اسے دعوت دی جا سکتی ہے اور اس کی دعوت قبول کی جا سکتی ہے۔ جس معاشرہ میں مختلف مذاہب کے

---

[1] بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومہا عن الحرب وغیرہم۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب جواز الاکل من طعام الغنیمۃ فی دار الحرب۔

[2] نووی، شرح مسلم، ج ۴ جز ۱۲، ص ۱۰۲۔۱۰۳، نیز ملاحظہ ہو۔ قرطبی: ۶/۷۷

[3] ملاحظہ ہو۔ راقم کی کتاب صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات۔ ص ۱۴۹

Marfat.com

ماننے والے رہتے ہوں وہاں اس طرح کی دعوتوں اور تقریبات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس سے دینی اور سماجی بہت سے فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں۔

قرآن مجید نے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا۔

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	ان لوگوں کا کھانا جن کو کتاب دی گئی
حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ	تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان
(المائدہ: ۵)	کے لیے حلال ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ 'تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے' کا ایک مفہوم یہ بھی ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے کہ جس طرح تم ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہو اسی طرح تم انھیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ اس کی ممانعت نہیں ہے۔[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے:

ان یہودیا دعا النبی صلی	ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ علیہ وسلم الی خبز شعیر	کو جو کی روٹی اور بدبودار چربی (یا تیل) کی
واھالۃ سنخۃ فاجابہ[۲]	دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمائی۔

روایات سے ثابت ہے کہ جنگ خیبر کے ختم ہونے کے بعد ایک یہودی عورت نے آپ کے پاس بکری کا گوشت بھجوایا یا آپ کی دعوت کی، اس میں زہر تھا۔ آپ نے لقمہ لیتے ہی اسے تھوک دیا۔ اس کے باوجود اس کا اثر آپ پر ہوا۔ آپ کے ساتھی بشر بن براءؓ کا اسی سے انتقال ہوگیا۔[۳]

---

[۱] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۲/ ۲۰ [۲] مسند احمد: ۳/ ۲۱۱، ۲۷۰

[۳] بخاری، کتاب المغازی، باب الشاۃ التی سمت۔ مع فتح الباری: ۷/ ۴۹۷۔ واقعہ کی تفصیل اور روایات کے اختلافات کے لیے دیکھی جائے۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۳/ ۳۹۴ - ۴۰۱۔ نیز ملاحظہ ہو راقم کا مضمون 'تحائف کی سماجی اور سیاسی اہمیت'، سہ ماہی تحقیقات اسلامی جنوری۔ مارچ ۱۹۹۶ء

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے کھانے پینے کا اہتمام بھی فرمایا ہے۔ قبیلۂ ثقیف کے وفد کو جو ابھی اسلام نہیں لایا تھا آپؐ نے مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ حضرت خالد بن سعیدؓ اس کے کھانے کا نظم فرماتے تھے۔ وفد کے لوگ حضرت خالدؓ کے کھانے سے پہلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔[1]

غیر مسلم کا ذبیحہ

جانور کا گوشت ہمیشہ سے انسان کی غذا میں شامل رہا ہے۔ اسلام نے حلال جانور کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس کے ساتھ بعض شرطیں رکھی ہیں۔

۱۔ حلال جانور بھی مردار نہ ہو، چاہے وہ طبعی موت مرا ہو، یا گلا گھونٹنے، یا چوٹ کھانے سے یا کسی بلند مقام سے گرنے یا دوسرے جانور کے سینگ مارنے اور حملہ کرنے سے اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ (المائدہ: ۳)

۲۔ اسے ذبح کیا جائے اور اللہ کے نام پر کیا جائے۔ مشرکین کہا کرتے تھے کہ یہ عجیب بات ہے کہ جس جانور کو اللہ نے مارا ہے وہ تو ناجائز ہے اور جسے انسان ذبح کرے وہ حلال اور جائز ہے۔ قرآن نے اس نامعقول اعتراض کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور کہا کہ اللہ کے نام پر جو جانور ذبح ہو اس کے کھانے میں تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ ارشاد ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ○ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (الانعام: ۱۱۸-۱۱۹)	پس تم کھاؤ وہ جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے۔ اگر تم اس کی ہدایات پر یقین رکھتے ہو۔ آخر تم اس جانور کو کیوں نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے وہ چیزیں بتا دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔ (ان میں یہ ذبیحہ نہیں ہے)

---

[1] قبیلۂ ثقیف نے بعض شرائط کے ساتھ بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ ابن ہشام: ۴/۱۹۴-۱۹۷۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ ۴/۵۴-۵۶

Marfat.com

۳۔ جو جانور اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔ چنانچہ قرآن نے صراحت کی ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ	جس جانور پر (ذبح کے وقت) اللہ کا
اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ	نام نہیں لیا گیا ہے اسے مت کھاؤ بیشک
(الانعام: ۱۲۱)	یہ فسق ہے۔

۴۔ اسی وجہ سے جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے۔ جیسے بت پرست قومیں بتوں کے نام سے کرتی ہیں یا استھانوں پر جانوروں کا چڑھاوا چڑھاتی ہیں۔ اس کا کھانا حرام ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ	تم پر حرام کیا گیا ہے ..... اور وہ جانور
وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ	جسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام
(البقرہ: ۱۷۳)	لے کر ذبح کیا جائے۔

مشرکینِ عرب کسی آسمانی شریعت کے پابند نہیں تھے۔ انھوں نے مذہب کے نام پر حلال و حرام کے کچھ خود ساختہ طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ مردار تک کھا جاتے اور ذبح کرتے تو دیوی دیوتاؤں کے نام پر کرتے اس لیے اسلام نے مشرکین کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لیے حرام قرار دیا۔ اس کے برخلاف اہلِ کتاب خدا اور وحی و رسالت کو اصولی طور پر مانتے اور اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے اس لیے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ	آج تمہارے لیے تمام پاک چیزیں
وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا بھی
حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ	تمہارے لیے حلال ہے جن کو کتاب
حِلٌّ لَّهُمْ	دی گئی اور تمہارا کھانا ان کے لیے بھی
(المائدہ: ۵)	حلال ہے۔

آیت میں 'طعام' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی کھانے کے ہیں۔ اس میں گو عموم

Marfat.com

پایا جاتا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے ذبیحہ مراد ہے[1] یہی بات متعدد تابعین سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے، اس لیے کہ وہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کو حرام سمجھتے ہیں اور اللہ ہی کے نام سے ذبح کرتے ہیں[2]

علامہ ابن رشد کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ تفصیلات میں بعض باتوں میں اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف[3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے ذبیحہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے تھے[4]

علامہ نووی فرماتے ہیں اہلِ کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے پر اجماع ہے صرف شیعہ حضرات کو اس سے اختلاف ہے[5] فقہاء احناف نے اس معاملہ میں ذمی اور حربی کا بھی فرق نہیں کیا ہے۔ ان کے نزدیک کتابی چاہے ذمی ہو یا حربی اس کا ذبیحہ حلال ہے[6]

ایک سوال یہ ہے کہ نصاریٰ کبھی حضرت مسیحؑ کے نام پر اور کبھی کسی کنیسہ کے نام پر بھی جانور ذبح کرتے ہیں۔ یہود (کا ایک فرقہ) حضرت عزیرؑ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ اس طرح کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

سلف میں بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ

---

[1] امام بخاری فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس طعامہم ذبائحہم۔ بخاری، کتاب الذبائح والصید

[2] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۲/ ۱۹

[3] تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ بدایۃ المجتہد: ۱/ ۱۲۶ اور اس سے آگے۔

[4] جصاص، احکام القرآن: ۱/ ۳۹۶

[5] نووی، شرح مسلم، جلد ۴ جزء ۱۲ ص ۱۰۲

[6] ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۵/ ۲۵۸

Marfat.com

کس کے نام سے ذبح کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے عقائد و اعمال سے واقف ہے، اس کے باوجود جب اس نے ان کا ذبیحہ حلال کیا ہے تو اسے حلال ہونا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کرام میں حضرت ابودرداءؓ اور عبادہ بن صامتؓ کی رائے ہے۔ تابعین میں حضرت عطاء، زہری، ربیعہ، شعبی اور مکحولؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اگر اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر جانور ذبح کریں تو یہ ہمارے لیے حلال نہ ہوگا۔ اس لیے کہ قرآن نے صاف طور پر اس جانور کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے کھانے کی ممانعت کی ہے جو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو (الانعام: ۱۲۱) تابعین میں حضرت حسن بصری اور طاؤس کی بھی یہی رائے ہے[۱]

بظاہر یہی دوسری رائے کتاب و سنت سے زیادہ قریب اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان کتابی سے جانور ذبح کرائے تو یہ ذبیحہ جائز ہوگا یا نہ ہوگا۔ امام مالک سے جواز اور عدم جواز دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسے ناجائز کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے نیت شرط ہے۔ ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اسلامی شرائط کے مطابق جو جانور وہ ذبح کر رہا ہے وہ حلال ہے۔ اس طرح کی نیت کتابی کی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے اسے جائز قرار دیا ہے انھوں نے یہ شرط تسلیم نہیں کی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے لہٰذا وہ مسلمان کی طرف سے اس معاملہ میں نیابت بھی کرسکتا ہے[۲]۔ احناف کے نزدیک کسی مسلمان کا کتابی سے جانور ذبح کرانا مکروہ ہے لیکن جانور حلال ہوگا[۳]۔

---

[۱] نووی، شرح مسلم، جلد ۴، جزء ۱۲ ص ۱۰۲-۱۰۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶/ ۷۶

[۲] ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۴/ ۱۲۷

[۳] ہدایہ: ۴/ ۴۴۸

Marfat.com

غیر مسلم کے برتن

جو برتن غیر مسلم افراد یا کمپنیاں تیار کرتی ہیں ان کی خرید و فروخت یا استعمال کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ البتہ جو برتن ان کے استعمال میں ہوں ان کے بارے میں سوال یہ ہے کہ ان کا استعمال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو اس کے ساتھ کچھ شرائط ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب متعدد احادیث میں ملتا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں اہلِ کتاب ہیں، کیا ہم ان کے برتن کھانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

فان وجدتم غیر انیتهم فلا تاکلوها وان لم تجدوا فاغسلوها ثم کلوا فیها[1]

اگر تمہیں ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن دستیاب ہوں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ لیکن اگر دستیاب نہ ہوں تو انھیں دھو لو پھر ان میں کھاؤ۔

حضرت ابو ثعلبہ ہی سے مروی ایک روایت میں اہلِ کتاب کے ساتھ مجوس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حضرت ابو ثعلبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

آنا اهل سفر نمر بالیهود والنصاریٰ والمجوس فلا نجد غیر انیتهم قال فان لم تجدوا غیرها فاغسلوها بالماء ثم کلوا فیها واشربوا[2]

ہم (ہمیشہ) سفر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ ہمارا گزر یہود، نصاریٰ اور مجوس کے علاقوں سے ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہیں ہوتے (ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟) آپؐ نے فرمایا۔ اگر ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ہوں تو تم انھیں پانی سے دھو لو پھر ان میں کھاؤ اور پیو۔

---

[1] بخاری، کتاب الصید والذبائح، باب صید القوس۔ مسلم، کتاب الصید والذبائح۔ باب الصید بالکلاب المعلمۃ

[2] ترمذی، ابواب الصید باب ما جاء ما یوکل من صید الکلب و ما لا یوکل

Marfat.com

ایک اور روایت میں ہے۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قدور المجوس فقال انقوھا غسلا واطبخوا فیھا ۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوس کے کھانا پکانے کے برتنوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں دھو کر پاک کرو اور پھر ان میں کھانا پکاؤ۔

حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ کی مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم ـــــ چاہے وہ اہلِ کتاب ہوں یا مجوس اور بت پرست ـــــ کے استعمالی برتن اس وقت استعمال کیے جانے چاہئیں جب کہ دوسرے برتن دست یاب نہ ہوں اور استعمال سے پہلے انھیں خوب صاف کرلینا چاہیے۔ حضرت ثعلبہؓ ہی کی ایک اور روایت سے اس کی وجہ بھی سامنے آتی ہے۔ اس روایت میں ان کا سوال ان الفاظ میں نقل ہوا ہے۔

انا نجاور اھل الکتاب وھم یطبخون فی قدورھم الخنزیر ولیشربون فی آنیتھم الخمر۔	ہم اہلِ کتاب کے پڑوس میں رہتے ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں (کیا یہ برتن ہم استعمال کرسکتے ہیں؟)

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

ان وجدتم غیرھا فکلوا فیھا واشربوا وان لم تجدوا غیرھا فارحضوھا بالماء ۔[2]	اگر تمھیں ان برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن دستیاب ہوں تو تم ان ہی میں کھاؤ اور پیو۔ اگر دوسرے برتن نہ ہوں تو انھیں پانی سے دھو کر صاف کرلو۔

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ اہلِ کتاب یا غیر مسلموں کے ان برتنوں کا حکم

---

[1] ترمذی، ابواب السیر، باب ما جاء فی آنیۃ المشرکین۔

[2] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی استعمال آنیۃ اہل الکتاب۔

Marfat.com

ہے جنھیں وہ حرام اور ناپاک چیزوں کے پکانے اور کھانے پینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ جو برتن ان چیزوں کے لیے استعمال نہ ہوں ان کے بارے میں یہ حکم نہ ہوگا کہ اہتمام کے ساتھ پاک صاف کر کے بدرجہ مجبوری استعمال کیا جائے۔" اس سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ اچھی طرح دھو دینے کے بعد ہر طرح کے برتن استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے۔ مشرکین کے کھانے پینے کے جو برتن ہاتھ آتے انھیں استعمال کرتے تھے۔ آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ ہم انھیں دھو کر استعمال کر لیا کرتے تھے۔[2]

امام نووی فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ثعلبہؓ کی روایت میں غیر مسلم جن برتنوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے یا شراب پیتے ہیں ان کے استعمال سے، اگر دوسرے برتن موجود ہوں تو، منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جو دوسرے برتن ہیں، فقہاء کے نزدیک وہ دھونے کے بعد پاک ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی کراہت باقی نہیں رہتی۔ آدمی کے پاس دوسرے برتن ہوں تو بھی انھیں وہ استعمال کر سکتا ہے۔[3]

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ غیر مسلم کے برتنوں کو استعمال کرنے سے پہلے انھیں دھونے اور بعض صورتوں میں پانی کھولا کر انھیں صاف کرنے کی ہدایت اس لیے ہے کہ وہ نجاسات سے بچتے نہیں ہیں اور مردار کھاتے ہیں۔ دھوئے بغیر پکانے میں برتن مٹی کے ہوں تو ان کے اثرات آ سکتے ہیں۔ دھونے اور صاف کرنے کے بعد ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ برتن سونے اور چاندی کے نہ ہوں یا خنزیر کے کھال سے نہ بنے ہوں (جیسے مشکیزہ وغیرہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ضرورت ہو اور

---

[1] ابوداؤد حوالہ سابق

[2] ابن حجر، فتح الباری: ۹/ ۶۲۳

[3] نووی، شرح مسلم، جلد ۵، جزء ۱۳ ص ۷۹ — ۸۰

Marfat.com

برتن تانبے یا لوہے کے ہوں تو انھیں دھو دیا جائے اور مٹی کے ہوں تو اس میں پانی پکانے کے بعد دھو دیا جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جو برتن وہ کھانا پکانے کے لیے نہیں بلکہ دوسری ضروریات کے لیے استعمال کرتے ہیں انھیں دھوئے بغیر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے[1]

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کسی غیر مسلم کے برتن سے طہارت (استنجا، وضو، غسل) حاصل کی جائے اور اس کا پاک یا ناپاک ہونا واضح نہ ہو تو اگر غیر مسلم کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہے جس کے نزدیک اس برتن کے استعمال سے کوئی مذہبی جذبہ یا تقدس وابستہ نہیں ہے تو قطعی طور پر طہارت صحیح ہو جائے گی لیکن اگر اس کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہے جس کے نزدیک اس برتن کے استعمال میں کوئی دینی جذبہ یا تقدس پایا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی صحیح مسلک یہی ہے کہ طہارت ہو جائے گی۔ امام اوزاعی، ثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب اس برتن کے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ کے علاوہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے بھی اسے ناپسند کیا ہو[2]

غیر مسلم کے کپڑے

غیر مسلم بنکروں یا ان کے کارخانوں کے تیار کردہ کپڑے کا استعمال بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ ان کے استعمال شدہ کپڑوں کے بارے میں علماء کے یہاں کچھ تفصیل ملتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے استعمال شدہ کپڑے، جیسے عمامہ، طیلسان (وہ چادر جو لباس کے اوپر عبا کی طرح اوڑھی جاتی ہے) یا بدن کے اوپر کے حصہ میں استعمال ہونے والے کپڑے تو یہ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۷۸/۶

[2] عینی، عمدۃ القاری: ۳۹۱/۲

Marfat.com

البتہ جسم کے نچلے حصہ کے لیے جو کپڑے استعمال ہوتے ہیں ان سے احتراز اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ عبادت کے لیے طہارت کا خیال نہیں رکھتے۔ ابوالخطاب کہتے ہیں کہ اصل طہارت ہے۔ جب تک کسی کپڑے کے ناپاک ہونے کا ثبوت نہ ہو اسے پاک ہی سمجھنا چاہیے[1]

غیر اہل کتاب، مجوسیوں اور بت پرستوں کے برتنوں اور کپڑوں کے بارے میں ابوالخطاب کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی اہل کتاب ہی کا ہے۔ یعنی ان کے کپڑے اور برتن پاک سمجھے جائیں گے اور ان کا استعمال جائز ہوگا جب تک کہ ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو۔ یہی امام شافعی کا مسلک ہے۔

یہ تو استعمالی کپڑوں کا حکم ہے۔ وہ کپڑے جو غیر مسلم تیار کرتے ہیں وہ پاک ہیں۔ ان میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہی کپڑے استعمال کرتے تھے۔ فقہاء کی عام رائے یہی ہے[2]

غیر مسلموں سے معاشرتی روابط کے بعض اور پہلوؤں کی سماجی تعلقات کے تحت وضاحت ہو سکے گی۔

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۱/۱۱۱

[2] حوالہ سابق ص ۱۱۲

Marfat.com

سماجی تعلقات

معاشرتی تعلقات کے ذیل میں کھانے پینے اور لباس کا ذکر آچکا ہے۔ ان تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ سماجی تعلقات کے تحت اس کے بعض اور پہلوؤں کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

غیر مسلم کو سلام کرنا

احادیث میں سلام کو رواج دینے کا حکم ہے۔ زیادہ تر علماء کے نزدیک اس کا تعلق مسلمانوں سے ہے، اس لیے غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جاسکتا، لیکن بعض حضرات کے نزدیک سلام ایک طرح کی دعا ہے۔ یہ دعا غیر مسلم کو بھی دی جاسکتی ہے[1]

غیر مسلم کو دعا دینا

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی تو آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین وجمیل رکھے۔ چنانچہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے[2]

علامہ بغوی اس روایت کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل کتاب کو دعا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ روایت میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہؐ

---

[1] اس مسئلہ پر مستقل بحث آگے آرہی ہے۔

[2] عبدالرزاق، المصنف : ۱۰/۳۹۲

Marfat.com

کو دودھ دوہ کر پیش کیا۔ آپ نے اسے دعا دی کہ اللہ اسے حسین وجمیل بنا دے۔ چنانچہ اس کے بال سیاہ ہوگئے۔ وہ نوٹے برس کے قریب زندہ رہا لیکن اس کے بالوں میں سفیدی نہیں آئی۔[1]

چھینک کی دعا کا جواب

کوئی شخص چھینکنے کے بعد الحمدللہ کہے تو حکم ہے کہ سننے والا 'یرحمک اللہ' کہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہود آپ کی مجلس میں زبردستی چھینکتے تھے تاکہ زبانِ مبارک سے ان کے حق میں یہ دعائیہ الفاظ ادا ہوں۔ آپ یرحمکم اللہ کے الفاظ تو ان کے لیے استعمال نہیں فرماتے تھے البتہ 'یہدیکم اللہ ویصلح بالکم' کہا کرتے تھے۔[2] یہ بھی دعا ہے اور اس کا مطلب ہے اللہ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات کو ٹھیک کر دے۔

اس سے واضح ہے کہ غیر مسلم کو اس کے مناسب حال دعا دی جا سکتی ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور نوع انسانی کے ساتھ اس کے شریفانہ رویہ کا فطری تقاضا ہے۔

غیر مسلم کا اکرام

حسنِ سلوک کا تعلق مالی مدد ہی سے نہیں اخلاقی رویہ سے بھی ہے۔ غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ بات چیت میں، ملنے جلنے اور تعلقات میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ ان میں جو سماجی اور معاشرتی لحاظ سے جس حیثیت کا مالک ہو اس کے مطابق اسے عزت و احترام کا مقام دیا جائے۔

قاضی اسماعیل بن اسحاق کی خدمت میں ایک ذمی پہونچا تو انھوں نے اس کی

---

[1] بغوی، شرح السنۃ ۱۲۰/ ۲۷۳

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب کیف یُشَمَّتُ الذمی۔ ترمذی، ابواب الاستیذان، باب کیف یشمت العاطس۔

Marfat.com

تعظیم و توقیر کی۔ حاضرین میں سے بعض نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو قاضی اسماعیل نے سورہ ممتحنہ کی آیت ۸ کا حوالہ دیا۔[1]

مطلب یہ کہ قرآن مجید نے ذمیوں اور غیر محاربین کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے۔ یہ احترام اسی حسن سلوک میں داخل ہے۔

ایک سوال یہ ہے کہ مسلمان کسی ذمی کے احترام میں کھڑا بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ علامہ عزالدین بن سلام نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ البتہ نہ کھڑا ہونے میں کسی بڑے ضرر کا خطرہ ہو تو فرماتے ہیں کہ کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علماء احناف میں ابن وہبان اس کا ایک مثبت پہلو بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ذمی کا اسلام کی طرف رجحان ہو تو قیام کی گنجائش ہے۔ بعض لوگوں نے ہر دینی مصلحت کو یہی حیثیت دی ہے۔[2]

اس قسم کے مسائل کو بالعموم اس سوال سے جوڑ دیا گیا ہے کہ مسلمان جب برسرِ اقتدار ہوں تو ان کا ذمیوں کے ساتھ جو اقتدار میں شریک نہیں ہیں کیا رویہ ہونا چاہیے لیکن اگر اسے اسلام کی عام اخلاقی تعلیمات اور اپنوں اور غیروں کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی اور احسان کی ہدایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس سے زیادہ وسیع پس منظر میں ان پر غور و فکر ہوسکتا ہے۔

غیر مسلم کو مہمان رکھنا

اس سے پہلے حضرت اسماءؓ کا واقعہ گزر چکا ہے کہ ان کی مشرک والدہ مکہ سے مدینہ ان کے گھر آئیں، کچھ تحفے بھی لائیں، ان سے انھیں توقعات بھی تھیں۔ حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے انھیں اپنے گھر ٹھہرایا اور ان کی خدمت

---

[1] ابن عربی مالکی، احکام القرآن: ۲/۲۵۰۔ اس آیت کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔

[2] آلوسی۔ روح المعانی جزء ۲۸ ص ۲۵

Marfat.com

کی اس حدیث کے ذیل میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں ۔

فیہ دلیل علی جواز قبول ھدیۃ المشرک کما دلت علی ذالک الاحادیث السابقۃ وعلی جواز انزالہ منازل المسلمین[1]

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مشرک کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے ، جیسا کہ اس باب میں جو حدیثیں گزر چکی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے ۔ اس حدیث میں اس امر کا جواز بھی موجود ہے کہ مشرک کو مسلمانوں کے گھروں میں ٹھہرایا جا سکتا ہے ۔

غیر مسلم کی عیادت

سماجی تقاضوں میں ایک اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ کوئی شخص بیمار ہو تو اس کی عیادت اور خبر گیری کی جائے اور اس سے محبت اور ہمدردی کا اظہار کیا جائے ۔ اسلام نے مریض کی عیادت کی ترغیب دی ہے اور اسے بہت بڑا کار ثواب بتایا ہے[2]

احادیث سے غیر مسلم کی عیادت کا بھی ثبوت ملتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس غیر مسلم اشخاص کی عیادت کی ہے ۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپ بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے (اس دوران میں) اس سے کہا اے ماموں ! آپ 'لا الٰہ الا اللہ' کا اقرار کیجیے ۔ اس نے کہا کہ میں ماموں ہوں یا چچا ؟ آپ نے فرمایا نہیں ماموں ہیں (اس لیے کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ کا تعلق مدینہ سے تھا) اس نے کہا کہ کیا لا الٰہ الا اللہ کا اقرار میرے حق میں بہتر ہو گا ؟ آپ

---

[1] شوکانی، نیل الاوطار : ۶/۱۰۷ ۔ غیر مسلم کو تحفے دینے کا ثبوت حضرت عمرؓ کے اس واقعہ سے بھی ملتا ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ انھوں نے رشتہ کے ایک مشرک بھائی کو ایک چادر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دی تھی، تحفے میں بھیجی ۔ اس موضوع پر مستقل بحث آگے آ رہی ہے ۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات'، ص ۳۶۵ ۔ ۳۶۹

Marfat.com

نے فرمایا۔ ہاں [1]

حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے سرہانے بیٹھے۔ اس سے کہا کہ تم اسلام لے آؤ۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اس نے کہا ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لو۔ چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر اس نے اس بچہ کو جہنم سے بچالیا۔[2]

ان روایات سے مشرکین اور یہود کی عیادت کا ثبوت ملتا ہے۔ اسلام کا پیش کرنا تو خیر خواہی کا تقاضا ہے۔ آدمی جسے حق سمجھے گا اسے وہ ہر حال میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔ فقہاء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر مسلموں کی عیادت اور تعزیت جائز ہے اس میں از روئے شرع کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم بیمار ہو جائے تو اس کے مسلمان رشتہ دار کو اس کی عیادت کرنی چاہیے۔

ان کانت قرابة قریبة	اگر مسلمان اور کافر کے درمیان قریبی
بین مسلم وکافر فلیعد المسلم	رشتہ داری ہے تو مسلمان کو کافر کی عیادت
الکافر[3]	کرنی چاہیے۔

---

[1] مسند احمد: ۳/ ۱۵۲، ۱۵۴، ۲۶۸

[2] بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات الخ۔ مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۲۴ میں اسی مفہوم کی ایک روایت ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ آپ کا ایک یہودی پڑوسی تھا جو اخلاق طور پر برا نہ تھا۔ آپ نے اس کی عیادت کی پھر اوپر کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ممکن ہے یہ کوئی دوسرا واقعہ ہو۔

[3] عبدالرزاق، المصنف: ۶/ ۳۵

Marfat.com

کسی سے قرابت اور رشتہ داری ہو تو اس کے حقوق زیادہ ہیں لیکن یہ عیادت کے لیے شرط نہیں ہے، یہ ایک دینی، اخلاقی بلکہ انسانی تقاضا ہے جسے پورا ہونا چاہیے۔ سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں۔

نعود بنی النصاریٰ وان لم	ہم لوگ نصاریٰ کی اولاد کی عیادت
تکن بیننا وبینھم قرابۃ[1]	کرتے ہیں اگرچہ کہ ہمارے اور ان کے درمیان
	قرابت نہیں ہے۔

فقہ حنفی میں عمومی انداز میں کہا گیا ہے :۔

ولابأس بعیادۃ الیھودی	یہودی اور نصرانی کی عیادت میں
والنصرانی لانہ نوع برٍّ فی	کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان
حقھم ومانھینا عن	کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور حسن سلوک
ذالک[2]	ہے اسی سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔

درمختار میں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ ذمی کی عیادت جائز ہے، مجوسی کی عیادت کو بھی صحیح قول کے مطابق جائز قرار دیا گیا ہے[3]

غیر مسلم کے جنازہ کا احترام

حضرت سہل بن حنیفؓ اور قیس بن سعدؓ قادسیہ میں تھے۔ ایک جنازہ گزرا تو وہ کھڑے ہو گئے۔ ان سے کہا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا۔ انھوں نے جواب دیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ آپؐ کے سامنے سے جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا وہ نفس

---

[1] عبدالرزاق، المصنف : ۶/ ۳۶

[2] ہدایہ : ۴/۴۷۲

[3] ردالمحتار علی الدرالمختار : ۵/ ۳۴۱

Marfat.com

(جان) نہیں ہے؟ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا موت سے ایک گھبراہٹ ہوتی ہے (اس کا تعلق مسلم یا غیر مسلم سے نہیں ہے)[1]

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی بھی انسان کی موت ایک خوفناک حادثہ ہے۔ اس سے مومن کو اپنی موت یاد آتی ہے اور وہ عبرت حاصل کرتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم تجہیز و تکفین اور اس نوع کے دیگر مذہبی مراسم آزادی سے انجام دے سکتے ہیں[2]

غیر مسلم کی تجہیز و تکفین

کافر والدین یا عزیزوں کا انتقال ہو جائے تو مسلمان اولاد ضرورت پر ان کے کفن دفن کا نظم کرے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابو طالب بیمار ہوئے تو آپ نے ان کی عیادت فرمائی[3] جب انتقال ہوا تو حضرت علیؓ نے آپ کو اس کی اطلاع دی۔ یہ خبر سن کر آپ رو پڑے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کی مغفرت کی دعا بھی کرتے رہے، بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا تو رک گئے[4] حضرت علیؓ نے دریافت کیا کہ انھیں کون دفن کرے گا؟ آپ نے فرمایا جاؤ اپنے

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ الیہودی۔ مسلم، کتاب الجنائز۔ باب القیام للجنازہ۔

[2] علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کے طریقوں میں فرق ہونا چاہیے اور ان کی تجہیز و تکفین کے اوقات بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ اس حدیث سے بعض علماء کے بقول ان اجتہادات کی تردید ہوتی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں واستدل بحدیث الباب علی جواز اخراج جنائز اھل الذمۃ نہارا غیر متمیزۃ عن جنائز المسلمین۔ اشار الی ذالک الزین بن المنیر قال والزامھم بمخالفۃ رسوم المسلمین وقع اجتہاداً من الائمۃ۔ فتح الباری: ۱۸۱/۳

[3] مصنف عبدالرزاق: ۳۶/۶

[4] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱۲۳/۱، ۱۲۴۔ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت سورہ توبہ آیت ۱۱۳ میں ہوئی ہے۔

Marfat.com

باپ کو دفن کرو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا وہ تو مشرک اور ہدایت سے محروم تھے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اپنے باپ کو دفن کرو۔ پھر اور کوئی کام کیے بغیر سیدھے میرے پاس آؤ۔ میں گیا انھیں دفن کیا[1] اور آپ کی خدمت میں پہونچا تو آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا اور دعا دی۔ ایسی دعا کہ اس کے عوض مجھے سرخ و سیاہ اونٹ (دنیا جہان کی دولت) بھی پسند نہیں[2]

غیر مسلم کے غسل اور تدفین کو بعض فقہا ء نے جائز قرار دیا ہے اور بعض نے صرف اس صورت میں اس کی اجازت دی ہے جب کہ اس کی تدفین کا نظم نہ ہو۔

معمر کہتے ہیں کہ میرے ساتھ یہودی یا نصرانی ہو، اس کا انتقال ہو جائے اور اس کے اہل مذہب میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہو جو اسے دفن کر سکے تو میں اسے دفن کروں گا۔ اسے درندوں کو کھانے کے لیے نہیں چھوڑوں گا[3]

فقہ حنبلی میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کسی کافر کا انتقال ہو جائے تو وہ اسے غسل نہیں دیں گے اور دفن نہیں کریں گے، چاہے وہ ان کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ الا یہ کہ اسے دفن کرنے والا کوئی نہ ہو۔ (اس صورت میں مسلمان اسے دفن کردیں گے) یہی امام مالک کی رائے ہے۔ لیکن ابو حفص عبکری کہتے ہیں کہ مسلمان کے لیے اپنے کافر قریبی رشتہ دار کو غسل دینا اور دفن کرنا جائز ہے۔ یہ رائے بھی امام احمد سے منقول ہے اور امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے[4]

علامہ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ ہمارے علماء (احناف) نے کہا ہے کہ کسی مسلمان

---

[1] بعض روایات میں غسل اور کفن کا بھی ذکر ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ زیلعی، نصب الرایہ: ۲/ ۲۸۱-۲۸۲

[2] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک۔ نسائی، کتاب الطہارۃ، باب الغسل من مواراۃ المشرک۔ کتاب الجنائز، باب مواراۃ المشرک۔ مسند احمد: ۲/ ۱۳۶۔ حدیث نمبر ۸۰۷، ۱۰۷۴۔ تحقیق احمد محمد شاکر۔

[3] عبدالرزاق، مصنف: ۶/ ۴۲

[4] ابن قدامہ، المغنی: ۳/ ۵۶۶

Marfat.com

کے کافر ماں باپ کا انتقال ہو جائے تو وہ انھیں غسل دے گا، جنازہ کا ساتھ دے گا، اور دفن کرے گا، اس لیے کہ ان کے ساتھ معروف کے مطابق حسنِ سلوک کا جو حکم دیا گیا ہے یہ اس میں شامل ہے[1]

ہدایہ میں قدوری کی عبارت ہے۔

واذا مات الکافر ولہ	کسی کافر کا انتقال ہو جائے اور مسلمان
ولی مسلم فانہ یغسلہ	اس کا ولی ہو تو وہ اسے غسل دے گا
ویکفنہ ویدفنہ[2]	اور اس کی تکفین اور تدفین کرے گا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ مسلمان کو کسی غیر مسلم رشتہ دار کی تجہیز و تکفین کرنی پڑے اگر اس کے اہلِ مذہب اپنے طریقہ پر عمل کریں تو مسلمان اس میں اسی حد تک شریک ہوگا جس حد تک شریعت اجازت دے۔

جنازہ میں شرکت

غیر مسلم سے خونی رشتہ یا اور کوئی قریبی تعلق ہو تو اس کے جنازہ میں شرکت کی بھی اجازت ہے۔

---

[1] احکام القرآن: ۲/۲۳۶

[2] صاحب ہدایہ کا انداز سخت ہے۔ قدوری کی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جیسے ناپاک کپڑا دھویا جاتا ہے اس طرح ناپاک سمجھ کر لاش پر پانی بہا دے گا۔ کفن اور دفن میں سنت کی رعایت نہ ہوگی بلکہ چھوٹا سا گڑھا کھودا جائے گا، میت کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس میں ڈال دیا جائے گا اور پھر مٹی سے ڈھک دیا جائے گا۔ ہدایہ: ۱/۱۶۱-۱۶۲۔ اس میں شک نہیں کہ غیر مسلم کی تدفین اسلامی شریعت کے مطابق نہیں ہوگی لیکن مسلمان کسی بھی وجہ سے اس کی تدفین کر رہا ہو تو اس میں میت کے احترام کا پہلو ہمارے خیال میں بہرحال ملحوظ رہنا چاہیے۔

Marfat.com

مشہور تابعی مکحول کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطالب کے جنازہ میں شرکت کی تھی۔ کنارے کنارے چلے، ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ فرمایا رشتہ نے آپ کو مجھ سے جوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ ان کی قبر پر آپ کھڑے نہیں ہوئے۔[1]

امام شعبی کہتے ہیں کہ حارث بن ابی ربیعہ کی والدہ نصرانی تھیں۔ ان کا انتقال ہوا تو (بعض) صحابہ نے ان کے جنازہ کی مشایعت کی۔[2]

عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں۔

ان كانت قرابة قريبة	اگر قریبی رشتہ داری ہے مسلمان اور کافر کے
بين مسلم وكافر فليتبع	درمیان تو مسلمان کو کافر کے جنازہ کے پیچھے
جنازته[3]	چلنا چاہیے۔

غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت ہو تو اس بات کی احتیاط کرنی ہوگی کہ مسلمان کا امتیاز باقی رہے۔ انسانی تعلق اور ہمدردی کا اظہار بھی ہو اور یہ بات بھی واضح ہو کہ اسلام کے علاوہ کسی بھی دین کو وہ صحیح نہیں سمجھتا۔ اس کے لیے مختلف صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔

ابووائل کہتے ہیں کہ میری ماں کا انتقال ہوا۔ وہ نصرانیہ تھیں۔ میں نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا جب اس کا جنازہ روانہ ہو تو تم سواری پر آگے آگے چلو۔

امام احمد بن حنبل اس کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ کسی یہودی یا نصرانی کا انتقال ہو جائے تو اس کی مسلمان اولاد سواری پر جنازہ کے آگے چلے اور دفن کے وقت واپس ہو جائے۔[4]

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۳۸۔ حضرت علیؓ کی روایت گزر چکی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر ابوطالب کی تدفین کی تھی اور بعد میں اس کی اطلاع دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے آپ اس میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ روایت اس سے مختلف ہے۔

[2] مصنّف عبدالرزاق: ۶/ ۳۶ [3] حوالہ سابق

[4] ابن قدامہ، المغنی: ۳/ ۴۶۶

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ نصرانیہ تھی۔ کیا میں اس کی تدفین میں شریک ہو سکتا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ جنازہ کے آگے چلو، اس لیے کہ تم (دینی لحاظ سے) اس کے ساتھ نہیں ہو[1]

قتادہ کہتے ہیں کہ مسلمان کافر کے جنازہ کے پیچھے چلے گا اور کنارے رہے گا اس سے قریب نہیں ہوگا[2]

غیر مسلم میت کے اہل مذہب موجود ہوں تو وہ اپنے طریقہ پر عمل کریں گے۔ یہ ان کا مذہبی حق ہے۔ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ مسلمان رشتہ دار صرف جنازہ میں شریک ہوگا۔

خالد بن عبداللہ قسری کی ماں کا انتقال ہوا۔ وہ نصرانیہ تھیں۔ خالد نے دمشق کے پادریوں کو طلب کیا اور کہا کہ اس کی تجہیز و تکفین میں وہ طریقہ اختیار کرو جو بادشاہوں کی لڑکیوں کے لیے اختیار کرتے ہو، اس لیے کہ اس کا تعلق بھی بادشاہوں کی اولاد سے تھا۔ پھر گھر کی عورتوں نے پادریوں کی ہدایت کے مطابق انھیں غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی۔ جنازہ جب چلا تو خالد اپنی سواری پر نکلے، نمایاں اشخاص بھی ساتھ تھے۔ کنارے کنارے چلتے رہے۔ قبر تک پہونچے تو اپنی سواری کا رخ موڑا اور واپس ہو گئے۔ کہا یہ ہماری ماں کے ساتھ آخری سلوک ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ شیخ عبداللہ بن ابوزکریا نے اپنی ماں کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ ان کا شمار شام کے نمایاں لوگوں میں ہوتا تھا۔ بڑے عابد و زاہد اور فقیہ تھے۔

مکحول (تابعی) کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بھی اسی پر عمل کرتے تھے[3]

جنازہ کے آگے یا پیچھے چلنا، درمیان میں یا کنارے چلنا، سواری پر یا پیدل چلنا

---

[1] مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۳۷

[2] حوالہ سابق

[3] حوالہ سابق ۶/ ۳۷-۳۸

Marfat.com

ان میں سے ہر ایک کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ایسے کسی بھی موقع پر اپنی دینی انفرادیت کو کھو دینا صحیح نہیں ہے۔ اسے باقی رکھتے ہوئے آدمی حالات کے لحاظ سے خود فیصلہ کر سکتا ہے۔اس سے بہر حال اتنی بات ثابت ہے کہ وقت ضرورت غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت ناروا نہیں ہے۔

غیر مسلم عزیز کی قبر کی زیارت

کافر ماں باپ یا قریبی عزیز کے انتقال کے بعد اگر ان کی یاد آجائے تو آدمی ان کی قبر پر بھی جا سکتا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ (حضرت آمنہ) کی قبر کی زیارت فرمائی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جو صحابہ کرام ساتھ تھے وہ بھی رو پڑے۔آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کے لیے استغفار کی اجازت مانگی لیکن مجھے اس کی اجازت نہیں ملی میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت دے دی گئی۔تم لوگ قبروں کی زیارت کرو۔اس سے موت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔[۱]

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں۔

فیہ جواز زیارۃ	اس سے مشرکین کی ان کی زندگی میں
المشرکین فی الحیوۃ و	زیارت اور ملاقات اور مرنے کے بعد
قبورھم بعد الوفاۃ لانہ	ان کی قبور کی زیارت کا جواز نکلتا ہے اس
اذا جازت زیارتہم بعد	لیے کہ جب ان کی زیارت ان کی وفات
الوفاۃ ففی الحیوۃ	کے بعد جائز ہے تو زندگی میں بدرجہ اولیٰ
اولیٰ [۲]	جائز ہونی چاہیے۔

---

[۱] مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ربہ فی زیارۃ قبر امہ۔ ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور۔

[۲] نووی، شرح مسلم: ج ۳ جزء ۷ ص ۴۵

Marfat.com

غیر مسلم کی تعزیت

کسی کے عزیز و قریب کا انتقال ہو تو اس کا یہ حق ہے کہ اس کی تعزیت کی جائے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہو۔ جس طرح مسلمان کی تعزیت کی جاتی ہے، غیر مسلم کی بھی تعزیت کی جانی چاہیے۔ یہ ایک سماجی تقاضا بھی ہے اور اسلام کی تعلیم کے عین مطابق بھی۔ البتہ اس موقع پر کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکلنی چاہیے جو ایک مسلمان کے عقیدہ کے خلاف ہو۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے دریافت کیا کہ یہودی یا نصرانی کی اولاد یا قرابت دار کا انتقال ہو جائے تو کیسے تعزیت کی جائے؟ فرمایا اس طرح کہے۔ "اللہ تعالیٰ نے موت اپنی ہر مخلوق کے لیے لکھ دی ہے (اس سے کسی کو رستگاری نہیں) ہماری دعا ہے کہ موت جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، جب آئے تو خیر کے ساتھ آئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد نہ گھٹائے (تمہاری نسل میں کمی نہ ہو)"[1]

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کے پاس ایک نصرانی آیا اور آپ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو انھوں نے اس کے بھائی سے تعزیت کی۔ فرمایا۔ تم پر جو مصیبت آئی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا وہ ثواب عطا کرے جو تمہارے ہم مذہب لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ موت کو ہم سب کے لیے برکت کا باعث بنائے اور وہ ایک خیر ہو جس کا ہم انتظار کریں۔ جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کا دامن نہ چھوڑو۔[2]

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج ص ۲۱۶

[2] حوالہ سابق ص ۲۱۷۔ اس طرح کے مناسب الفاظ بعض اور اصحاب سے بھی منقول ہیں۔ ملاحظہ ہو: ابن قدامہ، المغنی: ۳۰/۴۸۶۔ ۴۸۷

Marfat.com

اس طرح تعزیت کا نہ صرف یہ کہ جواز ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ کسی یہودی یا مجوسی کے بچہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے مسلمان پڑوسی کو اس کی تعزیت کرنی چاہیے اور کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہت اچھا جانشین عطا فرمائے اور آپ کے حالات کو بہتر بنائے[1]

یہ ہے اس رویہ کی ایک جھلک جسے غیر مسلموں کے سلسلہ میں اپنانے کی قرآن وحدیث نے تعلیم دی ہے اور جس کی قانونی اور اخلاقی حیثیت سے ہمارے علماء وفقہاء نے بحث کی ہے۔

---

[1] ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۵/۳۴۱

Marfat.com

ازدواجی تعلقات

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلموں اور مسلمانوں کے تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے قائم ہوں، تاکہ آپس میں جو تہذیبی دوری اور بیگانگی ہے وہ ختم ہو اور وہ ایک دوسرے کے کلچر اور تہذیب سے قریب ہوں اور راسے اختیار کرسکیں۔ اسلام اس اندازِ فکر کا مخالف ہے۔ اس کے نزدیک جن مذاہب کے عقائد اور نظریات میں بنیادی اختلاف ہے ان کے ماننے والوں کا ازدواجی رشتوں میں جڑنا صحیح نہیں ہے۔ ان رشتوں کو اس نے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔

اسلام کے اس موقف پر ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کی تعلیم دی ہے، ان کے ساتھ معاشی اور سماجی تعلقات کو جائز قرار دیا ہے، مختلف امور و مسائل میں ان سے تعاون کو روا رکھا ہے تو پھر شادی بیاہ کے معاملہ میں اس سخت رویہ کے لیے وجہ جواز کیا ہے؟ کیا یہ اس کی مجموعی تعلیمات سے متضاد طرزِ عمل نہیں ہے؟ کیا اس سے تعصب، عناد اور دوری نہ پیدا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض خام خیالی ہے کہ بین الملی یا بین المذاہب شادیاں تہذیبی قربت کا ذریعہ ہیں۔ اس طرح کے سطحی اقدامات سے قربت نہیں پیدا ہوتی، اس کے لیے ٹھوس بنیاد کی ضرورت ہے۔ اگر جذبات سے ہٹ کر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ اسلام کا موقف معقول اور مدلل بھی ہے اور عملی بھی۔ اسے سمجھنے کے لیے بعض بنیادی باتوں کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

ازدواجی زندگی میں عورت اور مرد کے درمیان الفت و محبت کی فضا کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ فضا وقتی اور ہنگامی طور پر نہیں بلکہ مستقل اور پائیدار ہونی چاہیے تاکہ وہ مل جل کر گھر اور خاندان کی بہتر تعمیر کرسکیں اور اسے صحیح رخ دے سکیں۔

Marfat.com

بعض اوقات کسی ہنگامی محرک، وقتی جوش یا جنسی جذبہ کے تحت ازدواجی رشتہ قائم ہوجاتا ہے لیکن اس میں استحکام اور پائیداری نہیں ہوتی۔ اس طرح کے رشتے بالعموم تلخی اور ناکامی پر ختم ہوجاتے ہیں۔ مغرب اس بھیانک تجربہ سے گزر رہا ہے۔ خوش گوار ازدواجی زندگی اسی وقت ممکن ہے جبکہ میاں بیوی کے مابین محبت کا مضبوط رشتہ پایا جائے اور اسے کم زور کرنے والے عوامل اور نزاع واختلاف کو ابھارنے والے اسباب موجود نہ ہوں، ورنہ دونوں کی زندگی نفسیاتی اور عملی الجھنوں کا شکار ہوگی اور وہ یکسوئی کے ساتھ ازدواجی زندگی کے مقاصد پورے نہ کرسکیں گے۔ دین ومذہب اور عقیدہ کا اختلاف بنیادی اختلاف ہے جو زندگی کا رخ متعین کرتا ہے۔ اس اختلاف کو میاں بیوی کا نازک رشتہ زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کرسکتا۔ دیر سویر یہ ٹوٹے گا اور اس کے ٹوٹنے سے خاندان کا پورا شیرازہ بکھر جائے گا۔ یہ کوئی معمولی نقصان نہیں بلکہ بہت بڑا نقصان ہے جو پورے معاشرہ کو اٹھانا پڑے گا۔

بعض ایسی مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں جن میں میاں بیوی نے مذہبی اختلاف کے باوجود خوش گوار زندگی گزاری اور ان کے تعلقات میں کوئی خرابی نہیں دیکھی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ رشتے ہیں جن میں طرفین میں سے کسی کا کوئی عقیدہ اور مذہب نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا بھی ہے تو اس کی حیثیت ایک بے جان روایت کی ہوتی ہے۔ اس سے عملاً انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ جب طرفین کا ذہن مذہب اور اس کے تقاضوں سے خالی ہو تو اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ جس کا کوئی عقیدہ و مذہب ہے اور اس کی صحت وصداقت پر وہ مطمئن ہے تو اس کی فطری خواہش ہوگی اور ہونی چاہیے کہ اس کا شریکِ حیات بھی اسی عقیدہ اور فکر کا حامل ہو۔ فریقین میں عقیدہ کا اختلاف خاندانی زندگی کو سکون سے محروم کرسکتا ہے۔

آئیے اس مسئلہ پر خالص اسلامی نقطۂ نظر سے بھی غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس سے کیا الجھنیں اور مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لیے اس کے مجموعی مزاج اور اس کے اخلاقی اور قانونی تقاضوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اسی سے اس کا موقف سمجھا جاسکتا ہے۔ اسلام خاص قسم کی معاشرت وجود میں لانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے

Marfat.com

طہارت اور پاکی صفائی، غذا، لباس اور وضع قطع سے متعلق تفصیلی احکام دئیے ہیں۔ بعض چیزیں اس کے نزدیک حلال اور طیب ہیں تو بعض چیزیں حرام اور ناپاک ہیں، رشتہ داروں کے درمیان اس نے محرم اور نامحرم اور قریب اور دور کا فرق رکھا ہے اور اسی بنیاد پر ان سے شادی بیاہ حجاب اور عدم حجاب کے احکام بیان کیے ہیں۔ اسی طرح پیدائش سے لے کر موت تک خوشی اور غم کے تمام مواقع کے لیے اس کی ہدایات ہیں۔ ان سب کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ خاندانی زندگی سے ہے۔ یہ قدم قدم پر عورت اور مرد کے باہم تعاون کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس کے بغیر وہ تہذیب اور معاشرت وجود میں نہیں آسکتی جو اسلام کو مطلوب ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس تعاون کے بغیر اسلام کے بنیادی تقاضے پورے نہیں ہوسکتے، اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسی عبادات کی بھی، جو پورے دین کی بنیاد ہیں پابندی ممکن نہیں ہے ایمان اور عقیدہ کے اختلاف کے ساتھ اس راہ میں بھرپور تعاون کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اسلام چاہتا ہے کہ ازدواجی تعلق کے نتیجہ میں جو اولاد ہو وہ 'ذریۃ طیبہ' ہو اور ایک نسل سے دوسری نسل تک خدا کا دین، اس سے محبت اور تعلق اور اس کی عبادت و اطاعت کا جذبہ منتقل ہوتا رہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ والدین کے قلوب روحِ ایمان سے سرشار ہوں، ان کی شب و روز کی زندگی نیکی اور تقویٰ اور خدا ترسی کی زندگی ہو اور وہ شعوری طور پر اس بات کی کوشش کریں کہ اولاد کے اندر خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو اور پروان چڑھے، دینی حمیت سے اس کا سینہ سرشار ہو اور وہ دین کو اپنے لیے سب سے بڑا سرمایہ سمجھنے لگے اور کسی حال میں اس سے دست بردار ہونے کے لیے آمادہ نہ ہو۔ یہ چیز ماں باپ کی مشترکہ اور مسلسل جد وجہد چاہتی ہے۔ اختلافِ دین کے ساتھ یہ مہم انجام نہیں پاسکتی۔ ماں باپ کی زندگی اولاد کے لیے نمونہ ہوتی ہے۔ یہ نمونہ بہتر اسی وقت ہوتا ہے جب کہ دونوں کا سمتِ سفر صحیح بھی ہو اور وہ اسی پر گامزن بھی رہیں۔ ماں باپ اگر بے دین یا دین سے بے تعلق ہوں تو اولاد دیندار بن کر نہیں ابھر سکتی۔

اسلام جس ازدواجی تعلق کو صحیح نہیں تسلیم کرتا اس کی بنیاد پر حقوق اور ذمہ داریوں کا سوال بھی اس کے نزدیک بے معنی ہے۔ جب کوئی عورت اسلامی قانون کی رو سے کسی

Marfat.com

کی بیوی اور وہ اس کا شوہر نہیں ہے تو دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں از خود ختم ہو جاتی ہیں۔ عورت نہ تو اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہے اور نہ مرد کے مطالبات کی تعمیل اس کے لیے لازمی ہوگی۔ اس تعلق کے نتیجہ میں جو اولاد ہوگی وہ بھی اپنے نان ونفقہ، تعلیم و تربیت جیسے قانونی حقوق سے محروم ہوگی، ان کے درمیان قانونِ وراثت نافذ نہیں ہوگا۔ اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ اس ناجائز تعلق پر عورت اور مرد دونوں پر اسلامی ریاست میں حدِ شرعی نافذ ہوگی۔

اہلِ شرک سے ازدواجی تعلقات کی ممانعت

مشرکین سے ازدواجی تعلقات کے بارے میں قرآن مجید نے صریح الفاظ میں ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ	مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو جب
حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ	تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ مومن لونڈی
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ	(آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ
وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ	وہ تم کو اچھی لگے اور مشرکین جب تک ایمان
حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ	نہ لے آئیں ان سے اپنی عورتوں کا نکاح
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۚ	مت کرو اور مومن غلام (آزاد) مشرک
اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ	سے بہتر ہے چاہے وہ تمہیں پسند ہی کیوں
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ	نہ آئے۔ یہ لوگ نارِ جہنم کی طرف بلاتے
وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ	ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور
اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝	مغفرت کی دعوت دیتا ہے اور اپنے احکام
	کھول کھول کر لوگوں کو بیان کرتا ہے تاکہ وہ
(البقرہ: ۲۲۱)	نصیحت حاصل کریں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے سے اور مسلمان عورتوں

Marfat.com

کو مشرکین کے نکاح میں دینے سے صاف منع کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کوئی مشرکہ اگر حسین وجمیل، صاحبِ ثروت اور اعلیٰ حسب ونسب والی ہے تو بھی اس کے مقابلہ میں ایک مسلمان باندی بہتر ہے خواہ اسے ان میں سے بیشتر چیزیں حاصل نہ ہوں۔ اسی طرح ایک مشرک کے مقابلہ میں مسلمان غلام اچھا ہے چاہے مادی لحاظ سے وہ مشرک سے کم تر ہی کیوں نہ ہو۔

آیت کے آخر میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مناکحت کے عدم جواز کی وجہ بیان کردی گئی ہے۔ وہ یہ کہ شرک اور توحید دو متضاد تصورات ہیں۔ دونوں کی راہیں جدا ہیں۔ مشرکین دینِ شرک کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ اسلام توحید کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک شرک کا راستہ تباہی کا راستہ ہے جو جہنم تک انسان کو پہونچاتا ہے اور اسلام سے دنیا اور آخرت کی کامیابی وابستہ ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان جہاں عقیدہ کا یہ زبردست فرق پایا جائے وہاں ازدواجی زندگی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ میاں بیوی میں سے ایک کی زندگی مشرکانہ تصورات پر مبنی ہو اور دوسرا توحید کی راہ پر چلنا چاہے تو قدم قدم پر تصادم ہوگا اور گھر کا نظم اور سکون باقی نہیں رہ سکے گا۔

صلح حدیبیہ ذی قعدہ ۶ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد سورۂ ممتحنہ ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں کہا گیا کہ مکہ میں جو مسلمان عورتیں کفار کے نکاح میں ہیں وہ وہاں سے ہجرت کرکے مدینہ آجائیں تو انھیں دوبارہ مکہ نہ بھیجو اس لیے کہ ان کے ازدواجی رشتے ختم ہوگئے ہیں[۱]۔

ارشاد ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ (الممتحنہ: ۱۰)	نہ یہ مسلمان عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافر دان مسلمان عورتوں کے لیے۔

اس فقرہ کے تحت حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

هٰذه الآية هي التي حرمت	یہی آیت ہے جس نے مسلمان عورتوں

---

[۱] اس آیت کا ایک خاص پس منظر ہے اور اس سے متعلق بعض قانونی مباحث ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون 'مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات' تحقیقات اسلامی۔ اپریل۔ جون ۱۹۹۶ء

Marfat.com

المسلمات علی المشرکین	کے مشرکین سے نکاح کو حرام قرار دیا آغاز
وقد کان جائزاً فی ابتداء الاسلام	اسلام میں مشرک کا مومنہ سے شادی کرنا
أن یتزوج المشرک المومنة[1]	جائز تھا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں۔ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ عربی قواعد کے لحاظ سے اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جدائی ثابت ہے اور جو نکاح ہو چکے ہیں وہ ختم ہو گئے۔ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ، جملہ فعلیہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب مستقبل میں بھی ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تکرار حرمت اور قطع تعلق پر زور دینے اور اسے موکد کرنے کے لیے ہو۔[2]

اسی آیت میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ مسلمان اپنی کافر بیویوں کو (جو مکہ میں رہ رہی تھیں) چھوڑ دیں۔

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ	کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں مت
(الممتحنہ: ۱۰)	روکے رکھو۔

امام نخعی اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

وکان الکفار یتزوجون المسلمات	کفار مسلمان عورتوں سے اور مسلمان
والمسلمون یتزوجون المشرکات	مشرک عورتوں سے نکاح کرتے تھے۔
ثم نسخ ذلک فی هذه الآیة[3]	اس آیت میں اسے منسوخ کر دیا گیا۔

علامہ ابن جریر طبری آیت کے اس فقرہ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

هذا نهی من الله للمومنین	اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین
عن الاقدام علی نکاح النساء	کو مشرک عورتوں سے جو بت پرست ہیں

---

[1] ابن کثیر، تفسیر: ۴/۳۵۱

[2] آلوسی، روح المعانی جزء ۲۸/ص ۷۶

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۶۵

Marfat.com

المشرکات من اھل الاوثان — نکاح کا اقدام کرنے سے منع کیا گیا ہے

وامرنھن بفراقھن[1] — اور ان کو چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

دورِ صحابہ میں اس پر عمل درآمد کی مثالیں

اس حکم پر جس طرح عمل ہوا اس کا ذکر امام زہری ان الفاظ میں کرتے ہیں:

فطلق المومنون حین — جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں

انزلت ھٰذہ الآیۃ کل امراۃ کافرۃ — نے ہر اس کافر عورت کو جو ان میں سے

کانت تحت رجل منھم[2] — کسی کے عقد میں تھی، طلاق دے دی۔

اس حکم کے آنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکہ ہی میں مقیم تھیں طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک قریبہ بنت ابو امیہ تھی، جس کا نکاح حضرت معاویہؓ سے ہوا جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔ دوسری ام کلثوم بنت عمرو بن جرول الخزاعی تھی جس سے اسی کے خاندان کے ایک شخص ابوجہم بن حذیفہ بن غانم نے شادی کر لی[3]

حضرت عیاض بن غنمؓ نے اپنی بیوی ام الحکم بنت ابوسفیان کو طلاق دی۔ ان سے عبداللہ بن عثمان ثقفی نے شادی کر لی[4]

حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ نے اروی بنت ربیعہ کو طلاق دی، بعد میں یہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص سے ان کا نکاح ہوا[5]

جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور جن کے شوہر کافر تھے ان سے ان کا

---

[1] ابن جریر طبری، تفسیر: جزء ۲۸ ص ۴۷ — [2] حوالہ سابق

[3] بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۳/۳۴۷، طبری، تاریخ الرسل والملوک ۴/۶۴۰۔ اس سلسلہ کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ فتح الباری: ۹/ ۹

[4] بخاری، کتاب الطلاق، باب نکاح من اسلم من المشرکات وعدتھن۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب علی ہامش الاصابہ لابن حجر: ۴/۲۴۵

[5] ابن حجر، فتح الباری: ۹/۱۹ا۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/ ۶۶

Marfat.com

ازدواجی رشتہ ختم ہو گیا۔

۱۔ شبیعہ بنت الحارث الاسلمیہؓ۔ روایات میں آتا ہے کہ حدیبیہ میں معاہدہ صلح کی کتابت جیسے ہی مکمل ہوئی وہ خدمت میں پہونچیں تو ان کے شوہر بھی جن کا نام مسافر مخزومی یا صیفی بن الراہب تھا، پہونچ گئے اور کہا کہ میری بیوی کو واپس بھیجئے اس لیے کہ معاہدہ کی شرائط میں یہ داخل ہے اور ابھی کتابت کی روشنائی خشک بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس کے بعد سورۂ ممتحنہ کی آیت نازل ہوئی اور بقول زمخشری معاہدہ میں جو اجمال تھا اسے اس نے کھول دیا۔ آپ نے انھیں واپس نہیں بھیجا۔ مدینہ میں ان کی شادی حضرت عمرؓ سے ہوئی۔[1]

امیمہ بنت بشرؓ۔ اسلام لانے کے بعد یہ اپنے کافر شوہر حسان بن دحداح اور طبری کی روایت کے مطابق ثابت بن دحداح سے فرار ہو کر مدینہ پہونچیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رشتہ کو ختم کر کے سہل بن حنیف سے ان کا نکاح کر دیا جن سے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن سہل ہیں۔ روایت میں ہے کہ سورۂ ممتحنہ کی آیت ان کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔[2]

اس طرح کی بعض اور خواتین کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن ان سے متعلق تفصیلات میں اختلاف ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے۔[3]

---

[1] زمخشری، الکشاف: ۴/۹۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۶۱۔ ابن حجر، فتح الباری: ۵/۳۴۸۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۴/۳۲۵

[2] طبری، تفسیر، جز ۲۸ ص ۴۴۔ ابن حجر، فتح الباری: ۵/۳۴۸۔ علامہ ابن اثیر اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امیمہ بنت بشر کا تعلق انصار کے خاندان بنو عمرو بن عوف سے تھا اور آیت مہاجرین کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ اسد الغابہ: ۷/۲۵۔ حافظ ابن حجر نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے امیمہ بنت بشر کے شوہر انصار سے متعلق نہ ہوں، وہ ان کو مکہ منتقل کر کے لے گئے ہوں اور پھر وہ وہاں سے مدینہ آئی ہوں۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۴/۲۳۹

[3] ابن حجر، فتح الباری: ۵/۳۴۸

Marfat.com

کتابیات سے نکاح کا جواز[1]

یہاں ایک سوال یہ ہے کہ اسلام نے شادی بیاہ کے معاملہ میں تمام مذاہب کو ایک صف میں رکھا ہے یا ان میں فرق کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اس معاملہ میں اہل کتاب اور غیر اہلِ کتاب کے درمیان فرق کرتا ہے۔ چنانچہ جہاں اس نے مشرکین سے ازدواجی تعلقات رکھنے سے منع کیا ہے وہیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے۔

..... وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ	(تمہارے لیے حلال ہیں) اہلِ ایمان میں
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا	کی پاک دامن عورتیں[2] اور ان لوگوں کی پاک
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ	دامن عورتیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ	گئی، جب کہ تم انھیں ان کے مہر ادا کر دو انھیں
غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ	قید نکاح میں لاؤ، بدکاری نہ کرو اور چوری
اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ	چھپے دوستی نہ کرو۔ (یاد رکھو) جو شخص ایمان
فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ	کا انکار کر دے اس کا عمل رائیگاں گیا اور
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (المائدہ : ۵)	وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہوگا۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان جس طرح شریف مسلمان عورت سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح شریف کتابیہ سے بھی نکاح کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان عقائد کا بڑی حد تک اشتراک پایا جاتا ہے۔ وہ خدا کو مانتے ہیں، اصولاً توحید کے بھی قائل ہیں۔ وحی و رسالت کو تسلیم کرتے ہیں، آخرت اور وہاں کی جزا و سزا کا بھی تصور رکھتے ہیں۔ ان کے عقائد میں انحراف بھی ہے لیکن اس کے باوجود ان کی

---

[1] کتابیات سے نکاح کے مسئلہ پر راقم نے اپنے مقالہ "مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات" مطبوعہ سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی جولائی۔ستمبر ۱۹۹۶ء میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

[2] محصنات کا ترجمہ بالعموم پاک دامن عورتیں کیا گیا ہے۔ اس کے معنی آزاد عورتوں کے بھی لیے گئے ہیں

Marfat.com

کوئی عورت کسی مسلمان کے حبالۂ عقد میں آئے تو اس طرح کی دوری نہیں محسوس کریں گے جس طرح کی دوری کسی مشرک عورت سے مسلمان کے نکاح کی صورت میں پائی جاسکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اہل کتاب مشرکین کے زمرے میں نہیں آتے؟ کیا ان کے اندر کسی نہ کسی نوعیت کا شرک نہیں پایا جاتا یا یہ کہ وہ ہر طرح کے شرک سے پاک ہیں؟ اگر ان میں بھی شرک ہے تو پھر سورۂ مائدہ کے حکم کی نوعیت کیا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پہلے سورۂ بقرہ میں مشرکات سے نکاح کی ممانعت کی گئی پھر سورۂ مائدہ کی آیت کے ذریعہ اہل کتاب کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا۔[1]

یہی بات متعدد تابعین نے کہی ہے۔ علامہ ابن جریر طبری ان آراء کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں جن مشرکات کا ذکر ہے اس میں اہل کتاب کی عورتیں نہیں آتیں۔ ان سے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ یہی حضرت قتادہؒ سے منقول ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔[2]

قرآن مجید نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ کوئی مسلمان عورت اہل کتاب میں سے کسی کے عقد میں چلی جائے۔ یہ ہر حال میں ناجائز ہے۔

اس سلسلہ میں ایک مرفوع حدیث بھی حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نتزوج نساء اهل الكتب	ہم اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کریں گے لیکن
ولا يتزوجون نساءنا[3]	ہماری عورتوں سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی۔

ان دلائل کی بنا پر جمہور کے نزدیک کتابیہ سے نکاح جائز ہے بلکہ بعض اصحاب علم نے تو لکھا ہے کہ اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں۔

---

[1] طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن: ۴/۳۶۲ تحقیق محمود محمد شاکر

[2] حوالہ سابق ص ۳۶۵

[3] اس حدیث میں کسی قدر ضعف ہے لیکن قابل احتجاج ہے۔ طبری، جامع البیان: ۴/۳۶۷ حاشیہ ۲

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا شکر ہے کہ اہلِ علم کے درمیان اہل کتاب کی آزاد عورتوں سے نکاح کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن اصحاب سے اس کا جواز منقول ہے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ شامل ہیں۔ علامہ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ امت کے ابتدائی دور کے اصحاب میں سے کسی سے بھی اس کی حرمت منقول نہیں ہے۔ خلال کی روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ حضرت طلحہؓ، جارود بن المعلیٰ اور اذینۃ العبدی نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کیا ہے۔ یہی بات تمام اہلِ علم نے کہی ہے۔ البتہ شیعہ میں فرقہ امامیہ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور سورۂ بقرہ اور سورۂ ممتحنہ کی آیات سے اس پر استدلال کیا ہے[1]۔

صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک وہ بھی مشرکین میں شامل ہیں۔ چنانچہ جب ان سے یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کے متعلق دریافت کیا جاتا تو جواب دیتے۔

ان اللہ حرم المشرکات	اللہ تعالیٰ نے مشرکات کو مومنین کے
علی المومنین ولا اعلم من	لیے حرام ٹھہرایا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس
الاشراک شیئا اکبر من ان	سے بڑا شرک کوئی اور ہو سکتا ہے کہ عورت
تقول المرأۃ ربہا عیسیٰ وھو	کہے کہ عیسیٰؑ اس کے رب ہیں۔ حالانکہ وہ
عبد من عباد اللہ[2]	اللہ کے بندوں میں سے ایک ہیں۔

احتیاط پسندیدہ ہے

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیات سے نکاح پر حضرت عمرؓ نے سخت برہمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ مشہور تابعی حضرت شقیق کی (صحیح سند کے ساتھ) روایت ہے

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۹/۵۴۵۔

[2] بخاری، کتاب الطلاق، باب قول اللہ ولا تنکحوا المشرکات۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ تابعین میں محمد بن الحنفیہ

Marfat.com

کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اسے وہ طلاق دے دیں، حضرت حذیفہ نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ اسے حرام سمجھتے ہیں تو بتائیں میں اسے چھوڑ دوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا:

لا ازعم انہا حرام	میں نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن
ولکن اخاف ان تعاطوا	مجھے ڈر ہے کہ تم ان کی بدکار عورتوں
المومسات منھن [۱]	سے نکاح نہ کرنے لگو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس بات کے تو قائل تھے کہ کتابیات سے نکاح جائز ہے لیکن انھیں اندیشہ تھا کہ اس پر عمل ہو تو ان کی صالح عورتیں ہی نہیں ان کی غلط کار عورتیں بھی مسلمانوں کے گھروں میں پہنچنے لگیں گی۔ اس اندیشہ کی بنیادیں غالباً دو تھیں۔ ایک یہ کہ اس وقت یہود و نصاریٰ انتہائی اخلاقی گراوٹ میں مبتلا تھے۔ اس حالت میں ان سے ازدواجی رشتے مسلمانوں کے اخلاقی زوال کا سبب بن سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ قرآن مجید نے عفیف اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ حضرت عمرؓ شاید یہ محسوس فرما رہے تھے کہ اس کی معلومات کا کوئی اطمینان بخش ذریعہ نہیں ہے۔ بہرحال حضرت عمرؓ کے بارے میں یہی بات صحیح ہے کہ وہ اصولاً کتابیات سے نکاح کے جواز کے قائل تھے لیکن مسلم معاشرہ میں اس کے رواج کو ناپسند فرماتے تھے۔

= اور شیعوں میں فرقۂ زیدیہ کے امام ہادی نے بھی کتابیات سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ رازی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) اس رائے کی کمزوری کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مذکورہ بالا مضمون، 'مسلمانوں اور غیرمسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات'، تحقیقات اسلامی، جولائی۔ستمبر ۱۹۹۶ء

[۱] طبری، جامع البیان: ۴/ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ نیز ملاحظہ ہو قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/ ۶۸

Marfat.com

کاروباری تعلقات

اسلام نے انسان کی زندگی کے لیے حلال وحرام کے حدود مقرر کر دیے ہیں ان حدود کے دائرہ میں تجارت، کاروبار اور لین دین بھی آتا ہے۔ ایک مسلمان تو ان حدود کا لازماً پابند ہوگا لیکن غیر مسلم سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ ان سے آزاد ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شراب اسلام کے نزدیک حرام ہے، اس کے پینے، پلانے، کشید اور تیار کرنے، اس کی خرید و فروخت، اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے لے جانے ہر چیز کی اس نے ممانعت کی ہے۔ اسی طرح خنزیر کو وہ ناپاک قرار دیتا ہے اور اس کے گوشت ہی سے نہیں اس کی کسی بھی چیز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک مسلمان کے لیے اس طرح کے تمام محرمات کا کاروبار یا لین دین ناجائز ہے، وہ براہِ راست ہی نہیں بالواسطہ بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ سوال یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ نے حلال ٹھہرایا ہے ان کی تجارت یا مالی لین دین غیر مسلم سے ہو سکتا ہے یا نہیں جب کہ وہ جائز و ناجائز کی پابندی سے آزاد ہے اور اس کے ذرائع آمدنی حلال وحرام دونوں طرح کے ہیں؟ احادیث سے اس کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:-

آن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشتری طعاماً من یھودی الی اجل ورھنه درعه من حدید[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لیے غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی۔

---

[1] بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبیؐ بالنسیۃ۔ مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الرہن وجوازہ فی الحضر والسفر۔ اسی مفہوم کی روایت حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ بخاری حوالہ سابق۔

Marfat.com

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حیات مبارکہ کے آخری دور کا واقعہ ہے۔ فرماتی ہیں۔

توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودرعہ مرھونۃ عند یھودی بثلاثین صاعا من شعیر[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تیس صاع جو کے عوض رہن تھی۔

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے علامہ حافظ ابن دقیق العید 'احکام الاحکام' میں فرماتے ہیں :۔

(الحدیث) دلیل علی جواز معاملۃ الکفار وعدم اعتبار الفساد فی معاملتھم۔	یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے اور یہ کہ ان کے آپس کے معاملات کے فساد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اس کے محشی اور تعلیق نگار، صاحب عمدہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کفار سے اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ خنزیر کا کاروبار کرتے ہیں یا سود کھاتے ہیں یا یہ کہ ان کے پاس مال کیسے آیا؟ اسلامی ریاست ان سے جزیہ لے گی اس کے بعد ان سے بیع وشراء اور خرید وفروخت کا معاملہ اسی طرح کرے گی جیسے ان کے پاس حلال مال ہو۔ اِلّا یہ کہ اس کے خلاف کوئی ثبوت مل جائے[2]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے کئی باتیں نکلتی ہیں۔ ا۔ کفار سے

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب ماقیل فی درع النبی والقمیص فی الحرب۔ یہی بیان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودرعہ مرھونۃ عند رجل من یھود علی ثلاثین صاعا من شعیر اخذہ رزقا لعیالہ۔ مسند احمد مرویات ابن عباس حدیث نمبر ۲۱۰۹ ج ۳ ص ۳۵۵۔ نسائی، کتاب البیوع، مبایعۃ اہل الکتاب۔

[2] احکام الاحکام: ۳/۱۹۶-۱۹۷

Marfat.com

معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ جس چیز کا معاملہ کیا جا رہا ہے وہ حرام نہ ہو۔ اس میں ان کے عقائد کے فساد اور ان کے آپس کے معاملات کے غلط ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم اگر حربی نہیں ہے تو اسے ہتھیار فروخت کیے جا سکتے ہیں اور اس کے پاس رہن رکھا جا سکتا ہے۔ ۳۔ اس سے یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ ذمیوں کی املاک ان کے ہاتھ میں رہے گی۔ (اس پر قبضہ نہیں کیا جائے گا) [1]

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم لوگ موجود تھے کہ ایک مشرک جو پراگندہ بال اور دراز قد تھا کچھ بکریاں لے کر پہونچا آپ نے اس سے سوال کیا کہ کیا یہ فروخت کے لیے ہیں یا تحفہ ہیں؟ اس نے کہا فروخت کے لیے ہیں۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی [2]

اس حدیث سے بھی مشرکین سے خرید و فروخت کا ثبوت ملتا ہے۔ محدث ابن بطّال اس کے ذیل میں کہتے ہیں کہ کفار کے ساتھ معاملہ جائز ہے سوائے اس کے کہ ایسی بیع ہو جس سے اہل حرب مسلمانوں کے خلاف فائدہ اٹھائیں۔

حافظ ابن حجر اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی بیع جائز ہے دوسرے یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں ہے وہ اسی کے پاس باقی رہے گی [3]

علامہ ابن عربی مالکی نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں کہ ذمیوں سے شراب بطور جزیہ نہیں لی جائے گی لیکن اگر وہ اسے

---

[1] فتح الباری: ۵/۱۴۱۔ یہی استدلالات علامہ بدرالدین عینی کے ہاں بھی موجود ہیں۔ عمدۃ القاری: ۱۰/۲۹۴۔ ۲۹۵۔ نیز ملاحظہ ہو۔ نووی: شرح مسلم ج ۴ جز ۱۱ ص ۴۰۔

[2] بخاری، کتاب البیوع، باب الشراء والبیع مع المشرکین واہل الحرب۔

[3] فتح الباری: ۴/۴۱۰۔ نیز دیکھی جائے۔ عینی: ۱۰/۱۱

Marfat.com

اپنے لوگوں میں فروخت کرکے جزیہ ادا کریں تو قبول کرلیا جائے گا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

والحاسم لداء الشك و الخلاف اتفاق الائمة على جواز التجارة مع اهل الحرب [1]

شک کی بیماری اور اختلاف کو ختم کرنے والی بات یہ ہے کہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل حرب سے تجارت ہوسکتی ہے۔

غیر مسلم کے کاروباری حقوق۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو کیا کاروباری حقوق حاصل ہوں گے اور ان پر کتنی پابندیاں ہوں گی اس کا جواب فقہ میں یہ دیا گیا ہے۔

واهل الذمة فى البياعات كالمسلمين۔

تجارت اور کاروبار میں ذمی بھی مسلمانوں کی طرح ہیں (ان کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا)

اس کی تائید میں یہ حدیث پیش کی گئی ہے:

ان لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين [2]

ذمیوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ان پر وہ پابندیاں بھی ہوں گی جو مسلمانوں پر ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر وہ کوئی سودی کاروبار نہیں کرسکتے، اس لیے کہ اسلام کے نزدیک سود اور اس کی تمام شکلیں ناجائز ہیں۔ البتہ خنزیر اور شراب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ذمی آپس میں ان کی تجارت کرسکتے ہیں۔ اس کی دلیل میں حضرت عمرؓ کا وہ قول پیش کیا گیا ہے جس کا ابھی ذکر ہوا کہ جب انھیں معلوم ہوا کہ جزیہ میں ذمیوں سے شراب اور خنزیر بھی لیے جاتے ہیں اور پھر انھیں فروخت کردیا جاتا ہے تو آپ نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر ذمی اسے (دوسرے ذمیوں کو) فروخت کریں اور اس کی قیمت

---

[1] احکام القرآن: ۱/۴/۲۱

[2] ہدایہ: ۱۰۳/۳۔ امام زیلعی فرماتے ہیں ایسی کوئی حدیث میرے علم میں نہیں ہے۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۴/۵۵

Marfat.com

سے جزیہ ادا کریں تو یہ قبول کیا جا سکتا ہے[1] اس لیے کہ مسلمانوں کا خنزیر اور شراب فروخت کرنا، چاہے وہ ذمیوں ہی کو فروخت کریں ناجائز ہے، البتہ ذمی اپنے درمیان اس کا معاملہ کر سکتے ہیں۔

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ کافر شراب فروخت کر کے مسلمان کا قرض ادا کرتا ہے تو مسلمان کے لیے اس کا لینا جائز ہے، اس لیے کہ شراب اس کے نزدیک قیمت رکھتی ہے۔ اس کی بیع اس کے لیے صحیح ہے۔ اس کے برخلاف مسلمان اگر شراب فروخت کر کے کسی کا قرض ادا کرے تو یہ ناجائز ہوگا اس لیے کہ اس کے نقطۂ نظر سے شراب مال متقوم نہیں ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ سود کی ممانعت کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہوگی البتہ شراب کی یہ حیثیت نہ ہوگی۔ غیر مسلموں کو اس کے استعمال کی اجازت ہوگی اور وہ اپنے درمیان اس کی خرید و فروخت بھی کر سکیں گے۔ یہی معاملہ خنزیر کی فروخت اور اس سے بنی ہوئی اشیاء کا ہوگا۔ لیکن اگر اسلامی ریاست شراب کے استعمال کو ملکی قانون کی رو سے ممنوع قرار دینا چاہے تو ہمارے خیال میں اسے اس کا حق ہوگا۔ اس صورت میں غیر مسلموں کو بھی اس کے استعمال کی اجازت نہ ہوگی۔

کاروبار میں شرکت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مسلمان کی یہودی کے ساتھ کاروباری شرکت ہو۔ امام شافعیؒ نے یہودی یا نصرانی کے ساتھ مشارکت کو مطلقاً ناپسند کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ سودی کاروبار کرتے ہیں اسی طرح ان کے مال میں شراب اور خنزیر کی آمدنی بھی شامل ہوتی ہے۔ امام مالک

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہدایہ مع فتح القدیر: ۳۶۰/۵۔ حضرت عمرؓ کے قول کے حوالہ کے لیے دیکھی جائے۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۵۵/۴

[2] ہدایہ: ۴۵۶/۴

Marfat.com

اور امام احمد اور سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگر کاروبار میں مسلمان کی مؤثر شرکت ہو تو اسے سود سے پاک رکھا جا سکتا ہے، اس کے بغیر شرکت صحیح نہ ہو گی۔ جمہور کے نزدیک غیر مسلموں کے ساتھ کاروبار میں شرکت جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر (کی فتح کے بعد) یہود کو اس شرط کے ساتھ مقبوضہ زمین پر کاشت کی اجازت دی کہ انھیں پیداوار کا نصف ملے گا۔[1]

جب کھیتی باڑی اور کاشت کاری میں شرکت جائز ہے تو دوسرے معاملات میں بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان سے جزیہ لیا جاتا ہے جب کہ ان کے اموال شرعی نقطۂ نظر سے بالکل پاک نہیں ہوتے اس کا ایک حصہ ناپاک ہوتا ہے۔[2]
صحیح بات یہ ہے کہ لین دین اور کاروبار میں غیر مسلموں کے ساتھ شرکت کو اسلام نے روا رکھا ہے۔ کاروبار اگر ناجائز نہ ہو تو غیر مسلم اور مسلم کے درمیان مشارکت ہو سکتی ہے۔

اجرت پر غیر مسلم کی خدمت

جائز کاموں میں اجرت پر غیر مسلم کی خدمات شخصی طور پر بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔ آگے یہ بحث تفصیل سے آئے گی کہ اسلامی ریاست بھی ان کی خدمات سے بالمعاوضہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ یہاں اس کے بالکل برعکس پہلو کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی مسلمان اجرت پر کسی غیر مسلم کی خدمت کر سکتا ہے یا نہیں؟

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی خدمت کرنا اور اس پر اجرت حاصل کرنا صحیح ہے اور یہ ایک جائز اجرت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بخاری، کتاب الشرکۃ، باب مشارکۃ الذمی والمشرکین فی المزارعۃ۔

[2] ملاحظہ ہو۔ ابن قدامہ، المغنی: ۷/۱۰۹-۱۱۰، ابن حجر، فتح الباری: ۵/۱۳۵

Marfat.com

پر فاقہ کی کیفیت تھی۔حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ کسی کام کی تلاش میں نکلے تاکہ اس کی آمدنی سے آپ کے لیے کھانے کا سامان کرسکیں۔ ایک یہودی کے باغ میں پہونچے۔ اس کی سنچائی کی۔ سترہ ڈول کھینچے اور ہر ڈول پر ایک عمدہ کھجور ملی۔ اسے لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری نے آپ سے عرض کیا کہ (آج) میں آپ (کے چہرہ) کا رنگ متغیر دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔بھوک کی وجہ سے ہے۔ وہ گھر پہونچے لیکن وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ وہ باہر تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ ایک یہودی اپنے باغ میں آب پاشی کر رہا تھا۔ انصاری نے یہودی سے پوچھا کہ کیا میں اسے سیراب کر دوں؟ اس نے کہا، اچھا۔ انھوں نے کہا ہر ڈول پر ایک کھجور دینی ہوگی۔ نہ تو زیادہ پکی ہوگی نہ کچی بلکہ عمدہ ہوگی۔ اس نے مان لیا۔ انھوں نے اس طرح دو صاع کھجور حاصل کیے۔ اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔[2]

یہ مدنی دور کے واقعات ہیں۔ مکہ میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت خباب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک لوہار تھا۔ میں نے مکہ میں عاص بن وائل کا کام کیا۔ میری اجرت اس کے پاس جمع ہوگئی۔ میں نے اس کا تقاضا کیا تو اس نے کہا قسم خدا کی میں اس وقت تک ادا نہیں کروں گا جب تک کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت) کا انکار نہ کرو۔ میں نے کہا قسم خدا کی تمہارے مرکر دوبارہ زندہ ہونے تک بھی یہ نہیں ہوگا۔ اس نے سوال کیا کہ کیا مرنے کے بعد میں دوبارہ زندہ ہوکر اٹھوں گا؟ میں نے جواب دیا ہاں یہ ہوگا۔ اس نے کہا اگر ایسا ہوا تو اس وقت میرے پاس مال اور اولاد سب ہی کچھ ہوگا۔ تمہارا قرض بھی ادا کردوں گا۔[3]

---

[1] ابن ماجہ۔ کتاب الرہون، باب الرجل یستقی کل دلو بتمرۃ۔

[2] حوالہ سابق۔ ان دونوں احادیث میں کسی قدر ضعف ہے لیکن فقہاء نے ان سے استدلال کیا ہے۔

[3] بخاری کتاب الاجارہ، باب ہل یواجر الرجل نفسہ من مشرک فی ارض الحرب۔ فقہ حنفی میں اس کی بھی اجازت ہے کہ مسلمان کنیسہ کی تعمیر میں اجرت پر کام کرے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ۵/۳۴۴-۳۴۵) اس پر بعض دوسرے پہلوؤں سے گفتگو ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

اس حدیث کے ذیل میں محدث مہلّب کے حوالہ سے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

کرہ اھل العلم ذالك الا لضرورۃ بشرطین، احدھما ان یکون عملہ فی مایحل للمسلم فعلہ والآخران لا یعینہ علی مایعود ضررہ علی المسلمین[1]	اہل علم نے اجرت پر غیر مسلم کا کام کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ ہاں مجبوری ہو تو دو شرطوں کے ساتھ یہ جائز ہوگا۔ ایک یہ کہ غیر مسلم جو کام لے اس کا کرنا مسلمان کے لیے حلال ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی ایسے کام میں اس کی معاونت نہ کرے جس کا نقصان بالآخر مسلمانوں کو پہونچے۔

اس کے ناپسندیدہ ہونے کا جہاں تک تعلق ہے ایک خود دار قوم شاید دوسروں کی غلامی اور نوکری کو پسند نہیں کرے گی۔ جن شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ غیر مسلم کا جو بھی کام کیا جائے اسے اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز نہیں ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا مفاد پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس کے خلاف کوئی عمل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دونوں شرائط اس لیے رکھی گئی ہیں کہ غیر مسلم ان کی رعایت نہیں کرے گا۔ وہ ان کے خلاف بھی کوئی خدمت لینے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اس پہلو سے ان کی معقولیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا کسی غیر مسلم کی ملازمت یا نوکری مسلمان کے لیے عار اور ذلت کا باعث ہے؟ اس کا جواب فقہ کی روشنی میں علامہ ابن المنیرؒ نے یہ دیا ہے کہ مذاہب فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان کاریگروں کا اپنی دکانوں میں بیٹھ کر ذمیوں کے لیے کام کرنا جائز ہے اس میں ذلت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ایک مسلمان کا کسی ذمی کے گھر اس کی خدمت کرنا اور اس کی ماتحتی اختیار کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس میں ذلت ہے[2]

---

[1] فتح الباری: ۴/۴۵۲

[2] حوالہ سابق۔

Marfat.com

امام احمد کے نزدیک اجرت پر کسی ذمی (غیر مسلم) کی ذاتی خدمت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام شافعی سے اس کے جواز اور عدم جواز دونوں طرح کی روایات منقول ہیں۔ جواز کے حق میں یہ بات کہی گئی ہے کہ جب اجرت پر ذمی کا کوئی کام کرنا جائز ہے تو اس کی خدمت کو بھی جائز ہونا چاہیے۔ امام احمد کہتے ہیں اس کے اندر مسلمان کی تذلیل ہے اس لیے وہ ناجائز ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان اجرت پر ذمی کا کوئی کام انجام دے۔ جیسے کپڑے کی سلائی یا دھلائی۔ اسی طرح مدت متعین کے لیے کام کرنا بھی جائز ہے[۱]

اس میں ذمی کی بالواسطہ خدمت اور بلاواسطہ خدمت میں فرق کیا گیا ہے۔ پہلی صورت کو جائز اور دوسری کو ناجائز کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مسلمان درزی، لوہار، بڑھئی، نان بائی یا کسی بھی قسم کا کاریگر ہے تو اس کا اپنی دکان کے ذریعہ ذمیوں کی ضرورت پوری کرنا اور اس پر اجرت لینا صحیح ہے، البتہ ذمی کا شخصی ملازم اور خدمت گار بننا اس کے وقار کے منافی ہے۔

موجودہ دور میں معاشرہ کی اس طرح کی عمومی ضروریات بڑے بڑے اداروں، کارخانوں اور فیکٹریوں کے ذریعہ پوری کی جاتی ہیں۔ یہ ادارے بالکل نجی اور شخصی بھی ہوتے ہیں لیکن بالعموم انھیں کئی کئی افراد کے گروپ چلاتے ہیں اور بعض ادارے قومی ملکیت میں بھی ہوتے ہیں۔ ان میں فنی ماہرین ہوں یا عام محنت مزدوری کرنے والے سب ہی افراد ادارہ کے ملازم یا کارکن ہوتے ہیں۔ ادارہ اور کارکن دونوں کے حقوق بھی بڑی حد تک متعین ہوتے ہیں۔ اس میں شخصی خدمت میں ذلت کا جو تصور ہے وہ نہیں ہوتا۔ اس لیے ان اداروں کو چاہے مسلمان چلا رہے ہوں یا غیر مسلم ان میں کسی مسلمان کا ملازمت اختیار کرنا غلط یا ناپسندیدہ نہ ہوگا بشرطیکہ ادارے حرام چیز نہ پیدا کر رہے ہوں۔

---

[۱] ابن قدامہ، المغنی: ۸/ ۱۳۵-۱۳۶

Marfat.com

بعض مسائل کی تحقیق وتوضیح

۱۔ غیر مسلم کو سلام کا حکم

حدیث میں سلام کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے اور اسے عام کرنے کا حکم ہے[1] زیادہ تر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ انھیں آپس کے تعلقات میں جن باتوں کی ہدایت کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ملاقات کے وقت سلام کریں۔ بعض احادیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أولا أدلكم على شيء إذا فعلتموه تحاببتم، أفشوا السلام بينكم[2]	تم جنت میں نہیں داخل ہوگے تاآنکہ ایمان نہ لاؤ اور ایمان (کامل) نہ لاؤ گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اس پر عمل کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؛ وہ یہ ہے کہ اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ راقم کا مضمون "سلام کی اہمیت اور غیر مسلم کو سلام کا حکم"، مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ۔ اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۲ء

[2] مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ الا المومنون الخ۔ ابوداؤد، کتاب السلام، باب افشاء السلام۔ ترمذی، ابواب الاستیذان، باب ماجاء فی افشاء السلام

Marfat.com

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان سلام کا زیادہ سے زیادہ رواج ہونا چاہیے۔ اس سے اجنبیت اور دوری ختم ہوگی اور تعلقات مضبوط ہوں گے۔

غیر مسلم کو سلام کرنے کی ممانعت

سلام کو چونکہ مسلمانوں کے درمیان عام کرنے کا حکم ہے اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جائے گا۔ اس کی تائید میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا تبدءوا الیہود والنصاریٰ	یہود ونصاریٰ کو سلام کا آغاز تمہاری طرف
بالسلام فاذا لقیتم	سے نہ ہو ان میں سے کسی سے راستہ میں تمہاری
احدھم فی طریق فاضطروہ	ملاقات ہو جائے تو اسے اس کے تنگ حصہ
الی اضیقہ[1]	میں چلنے پر مجبور کرو۔

اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کو سلام کرنے میں پیش قدمی نہیں کی جائے گی اور انھیں راستہ کے کنارے چلنے پر مجبور کیا جائے گا۔[2]

---

[1] مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن اہل الکتاب بالسلام۔ ترمذی، ابواب الاستیذان، باب ما جاء فی کراہیۃ التسلیم علی الذمی۔ ابوداؤد، کتاب السلام، باب فی السلام علی اہل الذمہ۔ مسند احمد: ۱۹/۷۴، حدیث نمبر ۹۹۲۱ مسند کی ایک روایت میں یہود کی جگہ مشرکین کا لفظ آیا ہے ۱۹/۱۵ حدیث نمبر ۹۷۲۴

[2] راستہ سے متعلق اس ہدایت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انھیں راستہ سے دھکا دے کر کنارے کر دیا جائے تاکہ وہ آسانی سے نہ چل سکیں بلکہ بھیڑ بھاڑ اور اژدحام ہو تو ان کے احترام میں خود کنارے ہو کر انھیں درمیانی راستہ نہ دیا جائے بلکہ اسی زحمت اور تنگی سے گزرنے دیا جائے۔ اگر راستہ کشادہ ہو اور کسی کے گزرنے میں کوئی زحمت نہ ہو تو وہ سب کے ساتھ چل سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں انھیں کنارے چلنے کا پابند بنانا بلاوجہ کی اذیت رسانی ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔ فتح الباری: ۱۱/۴

Marfat.com

ممانعت کی نوعیت

سوال یہ ہے کہ یہ حکم کیا مستقل نوعیت کا ہے یا اس وقت کے مخصوص حالات کے تحت دیا گیا ہے؟ اس پر کسی قدر تفصیل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

رسول اللہؐ کے مدینہ منورہ پہونچنے کے فوراً بعد یہود کے ساتھ امن وامان، مذہبی آزادی اور باہمی تعاون کا معاہدہ ہوا[۱] لیکن انھوں نے کبھی اس کی پاس داری نہ کی۔ اسلام دشمنی، سازشیں اور خیانتیں روز بروز بڑھتی ہی چلی جارہی تھیں۔ سلام وکلام میں ان کے غیر شریفانہ رویہ کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ان کی ان تمام حرکتوں کے باوجود قرآن نے درگذر کا حکم دیا (البقرہ : ۱۰۹) جب یہ سازشیں آخری حد کو پہونچ گئیں تو ان سے جنگ بھی ہوئی اور انھیں جلاوطن بھی کیا گیا۔ (الحشر: ۱-۵) اس طرح حالات کے لحاظ سے ان کے سلسلہ میں اسلام کے رویہ میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ سلام میں پیش قدمی نہ کرنے اور راستہ میں ان کا احترام نہ کرنے کی ہدایت اسی طرح کے حالات میں دی گئی ہو۔ ظاہر ہے حالات کے بدل جانے کے بعد حکم بھی بدل جائے گا۔ اس کی تائید بعض صحابہ وتابعین کے عمل سے ہوتی ہے۔

غیر مسلم کو سلام کرنے کا ثبوت

روایت ہے کہ حضرت ابوامامہؓ کا راستہ چلتے ہوئے جس کسی کے پاس سے بھی گزر ہوتا، چاہے وہ مسلمان ہو یا نصرانی، چھوٹا ہو یا بڑا اسے سلام کرتے۔ جب ان سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ ہمیں سلام کے عام کرنے اور پھیلانے کا حکم ہے[۲]۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کے لیے

---

[۱] معاہدہ کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ابن ہشام: سیرۃ النبیؐ ۲/۱۱۹-۱۲۳۔ اس کی بعض دفعات کا حوالہ اسی کتاب میں موجود ہے۔

[۲] قال الحافظ اخرجہ الطبری بسند جید۔ فتح الباری: ۱۱/ ۴۱

Marfat.com

برکت کی دعا اور ذمیوں کے لیے امن و امان کا اظہار ہے[1]

امام ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ سلف سے مروی ہے کہ وہ اہلِ کتاب کو سلام کیا کرتے تھے[2]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابو درداؓ اور فضالہ بن عبیدؓ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اہلِ کتاب کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے[3]

عون بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ محمد بن کعب قرظی نے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے دریافت کیا کہ ذمیوں کو سلام کرنے میں پیش قدمی کی جا سکتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہماری طرف سے سلام کی ابتدا صحیح نہیں ہے البتہ ان کے سلام کا جواب دیا جائے گا۔ عون بن عبداللہ نے اس مسئلہ میں خود محمد بن کعب قرظی کی رائے دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ انھیں آگے بڑھ کر سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے[4]

امام اوزاعی سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے پاس سے گزرتے وقت اسے سلام کر سکتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا اگر تم نے سلام کیا تو اس سے پہلے صالحین نے سلام کیا ہے اور اگر تم نے سلام نہیں کیا تو صالحین نے سلام نہیں بھی کیا ہے۔ (یعنی سلف سے دونوں طرح کے عمل منقول ہیں[5])

سماجی تقاضوں کے تحت غیر مسلم کو سلام کا جواز

ایک خیال یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان تو سلام کو ہر موقع اور ملاقات پر عام کرنے

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۱۱/۳۹۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/۱۱۲

[2] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/۱۱۲

[3] عینی، عمدۃ القاری: ۱۲/۱۹

[4] ابن حجر، فتح الباری: ۱۱/۳۹

[5] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/۱۱۲۔ نووی، شرح مسلم ج ۵ جزء ۱۴ ص ۱۴۵۔

Marfat.com

کا حکم ہے، غیر مسلموں کے بارے میں اس طرح کی ہدایت نہیں ہے، البتہ سماجی ضروریات اس کا تقاضا کر رہی ہوں تو انھیں سلام کیا جا سکتا ہے۔

حضرت علقمہؒ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ بعض دہقان (ذمی) بھی شریک سفر تھے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ان کا راستہ الگ ہو گیا اور وہ اس پر چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے انھیں سلام کیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا ذمیوں کو سلام کرنا ناپسندیدہ نہیں ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا کہ یہ تو حقِ صحبت ہے[1]

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کا اپنی کسی حاجت اور ضرورت کے تحت غیر مسلم کو سلام کرنا جائز ہے۔ قاضی عیاض کے بقول یہ حضرت علقمہ اور امام نخعی کا قول ہے[2]

سلیمان الاعمش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم نخعی سے کہا کہ ایک نصرانی طبیب کے ہاں میری آمد و رفت رہتی ہے کیا میں اسے سلام کر سکتا ہوں؟ آپ نے جواب دیا کہ جب تمہاری اس سے کوئی حاجت ہے تو سلام کرو[3]

---

[1] قال الحافظ اخرجہ الطبری بسند صحیح، فتح الباری ۱۱/۴۱۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/۱۱۲۔ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں علقمہ کے سوال اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے جواب کا ذکر نہیں ہے۔ ۶/۱۲ امام محمد کی روایت ہے کہ ایک ذمی نے جو حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھ تھا، جدا ہوتے وقت، سلام کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جواب دیا تھا۔ کتاب الآثار ص ۱۲۸۔ (مطبع اسلامی لاہور ۱۹۱۱ء) علامہ ابوبکر جصاص حضرت علقمہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں 'ظاھرہ یدل علی ان عبد اللہ بدأھم بالسلام لان الرد لا یکرہ عند احد' احکام القرآن: ۳/۵۲۵ یعنی بظاہر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان لوگوں کو سلام کیا تھا، اس لیے کہ جہاں تک سلام کے جواب کا تعلق ہے وہ کسی کے بھی نزدیک ناپسندیدہ نہیں ہے۔

[2] نووی: شرح مسلم ج ۵ جز ۱۴/۱۴۵

[3] جصاص، احکام القرآن: ۳/۵۲۶

Marfat.com

حضرت ابراہیم نخعی کا قول علامہ قرطبی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے :

اذا كانت لك حاجة	جب تمہیں کسی یہودی یا نصرانی سے
عند يهودي او نصراني	کوئی حاجت درپیش ہو تو اس سے ملاقات
فابدأه بالسلام	کا آغاز سلام سے کرو۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :

فبان بهذا ان حديث	اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ
ابي هريرةؓ ..... اذا كان لغير	کی روایت (جس میں غیر مسلم کو سلام کرنے
سبب يدعوكم الى ان	سے منع کیا گیا ہے) کا تعلق بغیر کسی سبب
تبدوهم بالسلام من قضاء	کے سلام کرنے سے ہے، جیسے کسی حق
ذمام او حاجة تعرض لكم	کی ادائیگی یا کوئی حاجت جو تمہیں ان سے
قبلهم او حق صحبة	پیش آئے یا صحبت، ہمسائگی اور سفر کا
او جوار او سفر[1]	حق (اس طرح کا کوئی سبب ہو تو سلام
	کیا جا سکتا ہے)

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ ضرورت پر ذمی کو سلام کیا جا سکتا ہے۔ ہاں بغیر کسی ضرورت کے سلام کرنا ناپسندیدہ ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ ضرورت کے تحت مصافحہ بھی جائز ہے لیکن بے ضرورت ناپسندیدہ ہے۔ بطور مثال ایک ضرورت یہ بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان یہ محسوس کرے کہ سفر سے واپسی کے بعد وہ اپنے نصرانی پڑوسی سے مصافحہ نہ کرے تو اسے تکلیف پہونچے گی تو اسے مصافحہ کرنا چاہیے[2]۔

اس طرح کی سماجی، معاشرتی، معاشی، طبی، علمی اور عملی ضروریات کی کوئی متعین فہرست نہیں ہے، آدمی اپنے حالات اور ماحول کے لحاظ سے ان کا تعین کرے گا۔ جہاں

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن : ۱۱/۱۱۲

[2] ابن عابدین، ردالمحتار علی الدرالمختار : ۵/۲۶۳

Marfat.com

کسی ضرورت کا تقاضا ہو غیر مسلم سے ملاقات، سلام اور مصافحہ بلا کراہت جائز سمجھنا چاہیے۔

تالیفِ قلب کے لیے سلام کی گنجائش

ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں شاید تالیفِ قلب کے لیے غیر مسلموں کو سلام کرنے کی اجازت تھی لیکن جب اسلام کو اقتدار اور استحکام حاصل ہو گیا تو اس کی ضرورت نہیں رہی[1]

یہ بات اس وقت صحیح ہو گی جب کہ ہمیں یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ افشاءِ سلام کا حکم پہلے اور ممانعت کا بعد میں دیا گیا۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ تالیفِ قلب کا مقصد غیر مسلموں کے قلوب کو اپنی زبان اور اپنے حسن سلوک سے اسلام کی طرف مائل کرنا، بتایا گیا ہے[2] یہ کوئی وقتی اور ہنگامی مقصد نہیں ہے بلکہ مضبوط سے مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو بھی باقی رہے گا۔ اِلّا یہ کہ ریاست میں کوئی غیر مسلم ہی نہ ہو۔ صحیح بات یہ کہ اسلام نے جن اعلیٰ اخلاقیات کی تعلیم دی ہے سلام اسی کا ایک حصہ ہے۔ اس پر اسی پہلو سے غور کرنا چاہیے۔

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مشترک مجمع کو سلام

اگر مجلس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں موجود ہوں تو سلام کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ثبوت صراحتاً حدیث سے ملتا ہے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ بدر سے پہلے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ سواری گدھے کی تھی۔ اس پر زین اور فدک کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ پیچھے آپ نے حضرت اسامہؓ کو بٹھا لیا۔ راستہ میں ایک

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۱/۵۶۔ عینی۔ عمدۃ القاری: ۱/۱۵۷

[2] ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار: ۵/۳۶۴

Marfat.com

ایسی مجلس سے گزر ہوا جس میں مسلمان، بت پرست مشرکین اور یہود تھے۔ ان میں مشہور منافق عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی مجلس میں موجود تھے۔ جب آپ قریب پہونچے تو سواری کی گرد وغبار اڑنے لگی۔ عبداللہ بن ابی نے چادر سے اپنی ناک ڈھک لی اور کہا کہ ہم لوگوں پر گرد وغبار نہ اڑاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اور سواری سے اتر گئے۔ ان لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی اور قرآن کی تلاوت کی۔ عبداللہ بن ابی نے اس کے جواب میں کہا۔ اگر آپ کی بات حق ہے تو اس سے اچھی کون سی بات ہوسکتی ہے لیکن آپ ہمیں ہماری مجالس میں آکر پریشان نہ کریں۔ آپ اپنے مقام پر جائیں ہم میں سے جو آپ کے پاس پہونچیں انھیں اپنی باتیں سنائیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے فرمایا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنی باتیں ہماری مجالس میں پیش فرمائیں، ہم انھیں پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد مسلمان اور مشرکین اور یہود ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور مار پیٹ شروع ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خاموش اور پرسکون رہنے کی تلقین فرمائی۔ پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے پاس پہونچے۔ فرمایا۔ اے سعد! کیا تم نے ابوحباب (عبداللہ بن ابی) کی باتیں سنیں۔ اس نے یہ اور یہ کہا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ اے اللہ کے رسولؐ اسے معاف فرمائیے۔ قسم خدا کی! اللہ نے آپ کو بڑا اونچا مقام عطا کیا ہے۔ مدینہ کے لوگوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ اسے تاج پہنائیں گے (بادشاہ بنائیں گے) اللہ تعالیٰ نے اس حق کے ذریعہ جو اس نے آپ کو عطا کیا ہے، اس منصوبہ کو ختم کر دیا۔ اس وجہ سے اس کا دم گھٹنے لگا ہے اور یہ حرکت اس نے اسی وجہ سے کی ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے درگذر کر دیا۔[1]

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس سے آپ کی دعوتی جدوجہد، مخالفین تک اسے پہونچانے کی فکر، آپ کا صبر، حلم اور عفو ودرگذر اور چھوٹوں کی خبرگیری اور عیادت وغیرہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سے اس

---

[1] بخاری، کتاب الاستیذان، باب التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین، کتاب المرضیٰ، باب عیادۃ المریض راکبا وماشیا۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب ما لقی النبیؐ من اذی المشرکین والمنافقین۔

Marfat.com

بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ملی جلی مجلس کو سلام کیا جاسکتا ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ جب تمہارا گزر کسی ایسی مجلس پر ہو جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہوں تو سلام کردو[1]

اس حدیث کی بنیاد پر امام نووی فرماتے ہیں کہ جس مجلس میں مسلمان اور کافر دونوں ہوں یا ایک بھی مسلمان ہو تو اسے سلام کیا جاسکتا ہے لیکن سلام کرتے وقت مسلمانوں کو مخاطب سمجھا جائے[2]

حضرت اسامہؓ کی اس حدیث میں جس مجلس کا ذکر ہے اس میں مسلمانوں میں عبداللہ بن رواحہؓ کی موجودگی کا تو ثبوت ملتا ہے لیکن یہ صراحت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کو مخاطب سمجھ کر سلام کیا تھا۔ یہ بات ان احادیث کی بنیاد پر کہی گئی ہے جن میں یہود کو سلام کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا ان کا موقع و محل دوسرا ہے۔

اس سلسلہ کا ایک سوال یہ ہے کہ صرف غیر مسلموں کے مجمع میں دعوت وتبلیغ کے لیے جانا ہو تو کیا اسے سلام کیا جاسکتا ہے؟ میرے خیال میں اس کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لیے کہ جب انفرادی نوعیت کی سماجی، معاشرتی اور طبی ضروریات کے تحت غیر مسلم کو سلام کرنے کی فقہاء کے ہاں اجازت ملتی ہے تو دین کے عمومی مفاد اور دعوت وتبلیغ کے لیے بھی اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ اس سے تالیفِ قلب کا بھی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے، جس کی طرف بعض فقہاء نے اشارہ کیا ہے۔

غیر مسلم کے سلام کا جواب

قرآن مجید کا حکم ہے کہ سلام کا جواب بہتر طریقہ سے دیا جائے یا کم از کم اس طرح جواب دیا جائے جس طرح سلام کیا گیا ہے۔ (النساء: ۸۶) سوال یہ ہے کہ غیر مسلم کے

---

[1] عبدالرزاق، المصنف: ۱۶/۶ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱۲/۱۱

[2] نووی: شرح مسلم ج ۵ جز ۱۴ ص ۱۴۵

Marfat.com

سلام کا جواب دیا جائے گا یا نہیں؟ سورۂ نساء کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

ردوا السلام علی من کان — ہر ایک کے سلام کا جواب دو چاہے
یھودیا او نصرانیا او مجوسیا[1] — وہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہو۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ سلام کرنا نفل اور مستحب ہے لیکن اس کا جواب دینا فرض ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قتادہؒ اور ابن زیدؒ کے نزدیک مسلم اور کافر دونوں کے سلام کا جواب دینا فرض ہے، لیکن حضرت عطاؒ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کے سلام کا جواب دینا تو فرض ہے کافر کے سلام کا جواب دینا فرض نہیں ہے۔[2]

علامہ قرطبی فرماتے ہیں ذمیوں کے سلام کا جواب دینے یا نہ دینے کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ جس طرح مسلمان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے کیا اسی طرح ذمیوں کے سلام کا جواب دینا بھی واجب ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، شعبیؒ اور قتادہؒ سورۂ نساء کی آیت سے تمسک کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ذمیوں کے سلام کا جواب دینا بھی واجب ہے، لیکن امام مالکؒ، جیسا کہ اشہب اور ابن وہب نے ان سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ واجب نہیں ہے۔ اگر جواب دیا بھی جائے تو صرف 'علیك' کہا جائے۔[3]

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں مشرک کو سلام نہیں کیا جائے گا البتہ اس کے سلام کا جواب

---

[1] بخاری، الادب المفرد مع فضل اللہ الصمد: ۵۳۳/۲۔ اس کے ایک راوی ولید بن عبداللہ بن ثور پر بعض محدثین نے جرح کی ہے۔ لیکن یہی روایت کسی قدر اختصار کے ساتھ طبری میں ہے۔ اس کے راویوں میں مجروح راوی نہیں ہے۔ طبری کے الفاظ ہیں۔ من سلّم علیك من خلق اللہ فاردد علیه وان کان مجوسیا۔ تفسیر طبری طبع جدید: ۵۸۸/۸ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اس کی سند پر کوئی جرح نہیں کی ہے بلکہ اس کی توثیق کی ہے۔ فتح الباری: ۴۲/۱۱

[2] ماوردی، النکت والعیون: ۴۱۱/۱۔

[3] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳۰۵/۵۔ نیز ملاحظہ ہو ۲۹۳/۱۷

Marfat.com

دیا جائے گا۔ امام محمد کے بقول یہی ہمارے عام فقہاء کا قول ہے[1]

امام نووی فرماتے ہیں شوافع کا مسلک یہ ہے کہ غیر مسلموں کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرنا حرام ہے لیکن جواب دینا واجب ہے۔ البتہ جواب میں وعلیکم یا علیکم کہا جائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں یہی اکثر علماء اور عام سلف کی رائے ہے[2]

غیر مسلم کے سلام کا جواب کس طرح دیا جائے

سلف میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سورۂ نساء میں سلام کا جواب بہتر طریقے سے دینے یا سلام کے الفاظ دہرا دینے کا حکم ہے۔ ان میں سے پہلی صورت مسلمانوں سے اور دوسری صورت غیر مسلموں سے متعلق ہے۔

ابن زیدؒ کہتے ہیں :-

حق علی کل مسلم حیی بتحیة	جس کسی مسلمان کو بھی سلام کیا جائے
ان یحیی باحسن واذا حیاہ	اس پر واجب ہے کہ بہتر طریقہ سے جواب
غیر اھل اسلام ان یرد علیہ	دے اور جب اسے اہل اسلام کے علاوہ
مثل ما قال[3]	کوئی دوسرا سلام کرے تو اسی جیسا جواب دے۔

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ بہتر طریقہ سے جواب مسلمان کے لیے ہے اور سلام کرنے والے کے الفاظ ہی کو لوٹا دینا اہل کتاب کے لیے ہے[4]

آیت میں بظاہر مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے اس کے پیچھے یہ خیال ہو کہ ایک مسلمان کا اخلاقی حق غیر مسلم کے حق سے زیادہ ہے اس لیے غیر مسلم کے سلام کا جن

---

[1] جصاص، احکام القرآن : ۲/۳۲۵

[2] نووی : شرح مسلم ج ۵ جزء ۱۴ ص ۱۴۵

[3] طبری، جامع البیان : ۸/۵۸۸

[4] طبری، جامع البیان : ۸/۵۸۷

Marfat.com

الفاظ میں جواب دیا جاتا ہے ان سے بہتر الفاظ میں مسلمان کے سلام کا جواب دیا جانا چاہیے۔
یہ تفصیلات بتاتی ہیں کہ اس امر میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غیر مسلم کے سلام کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ بعض حضرات نے اسے ضروری بھی قرار دیا ہے البتہ یہ بحث ضرور ہے کہ جواب کن حدود میں ہو اور اس کے لیے کیا الفاظ استعمال کیے جائیں؟

سلام کرنے میں یہود کی شرارت اور اس کا جواب

ہمارے خیال میں اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایک غیر مسلم کا مجموعی رویہ کیا ہے اور کن الفاظ میں وہ سلام کرتا ہے۔ یہودِ مدینہ کی عداوت اور دشمنی بالکل نمایاں تھی جب بھی موقع ملتا ان کے بغض و عناد کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ سلام بھی کرتے تو نازیبا اور غیر شائستہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ قرآن مجید کا بیان ہے۔

وَإِذَا جَآءُوكَ حَيَّوْكَ	جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو
بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ ۙ وَ	آپ کو سلام اس طرح کرتے ہیں جس طرح
يَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا	اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام نہیں بھیجا ہے
يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ	اور اپنے جی میں کہتے ہیں کہ ہماری اس حرکت
حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا	پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ جہنم ان
فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○	کے لیے کافی ہے اس میں وہ داخل
(المجادلہ: ۸)	ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

یہود کے اس رویہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام کرنے سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ ان کے شرارت آمیز سلام کے جواب میں صرف یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہی کچھ کرے جو تم ہمارے ساتھ چاہتے ہو۔ احادیث میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ یہاں بعض احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا۔

Marfat.com

ان اهل الکتاب یسلمون علینا فکیف نرد علیہم قال قولوا و علیکم [1]

اہلِ کتاب ہمیں سلام کرتے ہیں ہم انھیں جواب کس طرح دیں۔ آپ نے فرمایا 'وعلیکم' کہو۔

حضرت انسؓ ہی کی ایک اور روایت ہے۔

اذا سلم علیکم اھل الکتاب فقولوا و علیکم [2]

جب اہلِ کتاب تمہیں سلام کریں تو تم 'وعلیکم' کہو۔

بعض دوسری روایات سے اس جواب کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا سلم علیکم الیہود فانما یقول احدھم السام علیکم فقل وعلیک [3]

یہود تمہیں جب سلام کرتے ہیں تو 'السام علیکم' کہتے ہیں، تم جواب میں 'وعلیک' کہہ دو۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے ایک یہودی نے 'السلام علیکم' کہا۔ خدمت میں جو صحابہؓ موجود تھے انھوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ اس نے کیا کہا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس نے سلام کیا تھا۔ آپ نے فرمایا نہیں! اس نے 'السام علیکم' کہا (تمہیں موت آئے یا تم اپنے دین سے اکتا جاؤ) اسے واپس بلاؤ تاکہ دریافت کیا جائے۔ اسے واپس بلایا گیا۔ دریافت کرنے پر اس نے اعتراف کیا کہ اس نے 'السام علیکم' ہی کہا تھا۔ آپ نے فرمایا جب اہلِ کتاب تمہیں سلام کریں تو تم 'علیکم ما قلتم' کہو۔ (یعنی تم پر وہ چیز طاری ہو جس کی تم نے ہمارے لیے دعا کی ہے)[4]

---

[1] مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام وکیف یرد علیہم۔ ابو داؤد، ابواب السلام، باب فی السلام علی اہل الذمہ۔

[2] بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف الرد علی اہل الذمہ۔ مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن ابتداء اہل الکتاب الخ

[3] بخاری و مسلم حوالۂ سابق

[4] رواہ البزار و ابن حبان۔ فتح الباری: ۱۱/۴۳ و رواہ البخاری فی الادب المفرد مختصراً۔ ۲/۵۳۲-۵۳۳

Marfat.com

ان روایات سے واضح ہے کہ یہود سلام کرنے میں بھی شرارت نفس اور خبث باطن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اس کا شریفانہ اور باوقار انداز میں جواب دینے کی ہدایت کی گئی کہ تمہارے یہ الفاظ تمہارے ہی لیے مبارک ہوں۔ تم ہماری تباہی اور بربادی کے آرزومند ہو۔ خدا تمہیں اسی سے دوچار کرے۔ اس سے آگے بڑھ کر جواب میں بدزبانی اور بدکلامی سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہود کے کچھ افراد آئے اور 'السام علیک' کہا میں سمجھ گئی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں میں نے جواب دیا 'علیکم السام واللعنۃ' (موت تمہیں آئے اور خدا کی لعنت تم پر ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ صبر سے کام لو، درشت کلامی سے احتراز کرو، اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں رفق و ملاطفت اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ انھوں نے جو کہا کیا وہ آپ نے نہیں سنا؟ آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے اور اس کے جواب میں 'وعلیکم' کہہ دیا ہے۔ (یعنی موت اور اکتاہٹ تم پر آئے) یہ جواب کافی ہے[1]۔

جواب میں نازیبا الفاظ کے استعمال کی ممانعت

اس سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی سازشوں اور ان کے طنز و تعریض سے اچھی طرح واقف تھے، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ سلام کرتے وقت غیر مہذب الفاظ استعمال کرتے ہیں لیکن زبان مبارک جواب میں نامناسب کلمات سے پاک رہی۔ اسی کی تعلیم آپ نے صحابہ کرامؓ کو دی اور فرمایا "ہم ان کے حق میں جو دعا کریں گے وہ تو قبول ہوگی لیکن وہ جو بد دعا کر رہے ہیں وہ قبول نہیں ہوگی"[2] اس لیے کہ ہم مظلوم

---

[1] بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف الرد علی اہل الذمۃ۔ مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام الخ۔

[2] بخاری، کتاب الدعوات، باب قول النبیؐ یستجاب لنا فی الیہود الخ۔ مسلم، کتاب السلام، باب النہی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام الخ

Marfat.com

اور وہ ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت مظلوم کو حاصل ہوتی ہے اور ظالم اس سے محروم رہتا ہے

بعض لوگوں نے کہا ہے یہود جس طرح 'السلام علیکم' کو زبان کی لوچ سے 'السام علیکم' کر دیتے ہیں اسی طرح ان کے جواب میں زبان کو گھما کر 'علیکم السام' کہنا چاہیے۔ اس کے معنی ہیں تم پر پتھر پڑیں یا 'علاکم السلام' کہا جائے یعنی تم سے سلامتی اٹھ جائے لیکن جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ ذمیوں کو برا بھلا کہنا اور ان کے ساتھ بد زبانی کرنا جائز نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے جب انھیں برا بھلا کہنا چاہا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا[1]

اوپر کی روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے بغض و عناد، ان کی شرارت اور ان کی بد زبانی اور بد کلامی کی وجہ سے انھیں سلام نہ کرنے یا ان کے سلام کا خاص طریقہ سے جواب دینے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن جہاں غیر مسلموں سے بہتر روابط ہوں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ عداوت اور مخاصمت کا رویہ نہ رکھتے ہوں وہاں اگر کوئی غیر مسلم، اسلامی تعلیمات یا اسلامی معاشرہ کے زیر اثر کسی مسلمان کو 'السلام علیکم' کے ذریعہ خطاب کرے تو جواب میں اس کا رویہ بھی بظاہر مختلف ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ حالات کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے بعض علماء نے ممانعت کے حکم کو ایسا حکم نہیں مانا ہے جو ابدی ہو اور جس پر عمل ہر حال میں لازم ہو۔ ان کے نزدیک غیر مسلم کے سلام کے جواب میں اسی طرح وعلیکم السلام کہا جا سکتا ہے جیسے مسلمان کے سلام کے جواب میں کہا جاتا ہے[2]

شوافع میں سے بعض کی یہ رائے ہے کہ وعلیکم السلام تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس سے آگے 'ورحمۃ اللہ' کا اضافہ غلط ہوگا[3]

---

[1] فتح الباری: ۱۱/۴۵

[2] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ وذهب جماعة من السلف الى انه يجوز ان يقال فى الرد عليهم وعليكم السلام كما يرد على المسلم. فتح الباری: ۱۱/۴۵ نیز ملاحظہ ہو عینی، عمدۃ القاری: ۳۰۶/۱۸

[3] نووی: شرح مسلم جلد ۵ جز ۱۴ ص ۱۴۵

Marfat.com

لیکن امام شعبی اسے غلط نہیں سمجھتے ایک نصرانی نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے جواب میں "وعلیک السلام ورحمۃ اللہ" کہا اس پر اعتراض کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جی نہیں رہا ہے؟[۱]

سلام کے معاملہ میں ذمی اور حربی کا فرق

بعض حضرات نے اس معاملہ میں ذمی اور حربی کا فرق کیا ہے[۲] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو غیر مسلم اسلامی مملکت کے شہری ہیں، جن کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اس کے ذمہ ہے اور جو اس کے امن وامان میں ہیں ان کے ساتھ سلام وکلام کا وہ انداز نہیں ہوگا جو ان لوگوں کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے جو اسلامی مملکت سے برسرپیکار ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک ذمی کو خط میں سلام لکھا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کیا آپ غیر مسلم کو سلام لکھ رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا اس نے اپنے خط میں مجھے سلام لکھا تھا میں نے اس کا جواب دیا ہے[۳]

مشہور محدث ابن عیینہؒ سے سوال کیا گیا۔

هل یجوز السلام علی الکافر؟ کیا کافر کو سلام کرنا جائز ہے؟

انھوں نے جواب دیا "نعم" ہاں دیا جا سکتا ہے اور پھر سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت پڑھی لاینھاکم اللہ الآیہ جس میں کہا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک سے منع نہیں کرتا جنھوں نے تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں اپنے وطن

۱؎ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۵۰

۲؎ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ وعن بعضھم التفرقة بین اھل الذمة واھل الحرب۔ فتح الباری ۱۱/۴۵۔ نیز ملاحظہ ہو۔ عینی، عمدۃ القاری: ۱۸/۳۰۶

۳؎ بخاری، الادب المفرد: ۲/۵۲۹

Marfat.com

سے نہیں نکالا۔ وہ تو ان لوگوں سے قریبی تعلق رکھنے سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے جنگ کی، تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور اس معاملہ میں دوسروں کی مدد کی" (ممتحنہ: ۸-۹) لہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حربی اور غیر حربی یا معاہد اور غیر معاہد کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن چونکہ غیر حربی کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کرتا اس لیے اسے سلام بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی حسن سلوک میں داخل ہے۔

غیر مسلم کو سلام کے لیے مناسب الفاظ

ایک خیال یہ بھی ہے کہ سلام اور اس کے جواب کے الفاظ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں غیر مسلموں کے لیے دوسرے الفاظ استعمال کیے جانے چاہئیں۔ اس کی تائید میں وہ خط پیش کیا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ روم، ہرقل کو لکھا تھا۔ وہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من	اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم
محمد عبد اللہ ورسولہ الی	ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے
ھرقل عظیم الروم، السلام	جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول
علی من اتبع الھدیٰ۔ اما	ہیں ہرقل کی طرف جو روم کا سربراہ ہے۔
بعد .... ؎	سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کی
	اتباع کرے۔ امابعد۔

محدث ابن بطال کہتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جن کے نزدیک

لہ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۱/ ۱۱۱

؎ بخاری، کتاب الاستیذان، باب کیف یکتب الی اہل الکتاب۔ گرامی نامہ کے پورے مضمون اور اس سلسلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری۔ کتاب بدء الوحی نیز کتاب الجہاد، باب دعاء النبیؐ الناس الی الاسلام والنبوۃ

Marfat.com

اہلِ کتاب سے مراسلت میں وقت ضرورت انھیں سلام لکھنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ والسلام علی من اتبع الھدیٰ کا سیاق و سباق دوسرا ہے۔ اس میں ایک اصولی بات کہی گئی ہے کہ جو حق اور ہدایت پر عمل کرے اس کے لیے سلامتی ہے۔ اس میں وہ شخص شامل نہ ہوگا جو حق کی اتباع نہ کرے۔ غیر مسلموں کو جو خطوط لکھے جائیں ان میں اس طرح کا عمومی انداز اختیار کیا جاسکتا ہے[1]

قتادہ کہتے ہیں اہل کتاب کے گھر جاؤ تو کہو 'السلام علی من اتبع الھدیٰ' (سلامتی ہے ہر اس شخص پر جو ہدایت کی اتباع کرے)[2] یہی بات امام ابو یوسف نے کہی ہے[3] 'السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین' (سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر) جیسے الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں[4]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو سلام کیا۔ اس نے جواب دیا۔ بعد میں آپ کو بتایا گیا کہ یہ شخص نصرانی ہے۔ آپ اس کے پاس گئے اور فرمایا کہ میرا سلام واپس کردو[5]

امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے[6] بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا بھی ایک فائدہ ہے۔ وہ یہ کہ غیر مسلم کے علم میں یہ بات آجائے گی کہ سلام کے مخصوص الفاظ غیر مسلموں کے لیے استعمال نہیں کیے جاتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خصوصاً جس شخص کے عمل کو لوگ نمونہ اور دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوں اسے ایسا نہ کرنا چاہیے تاکہ دوسرے اس سے احتراز کریں[7] حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل کی اس سے توجیہ

---

[1] فتح الباری: ۱۱/۴۷۔ نیز ۱/۳۸

[2] عبدالرزاق۔ المصنف: ۶/۱۲

[3] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۵۵۰

[4] فتح الباری: ۱۱/۴۰

[5] بخاری، الادب المفرد: ۲/۵۳۹

[6] موطا، کتاب السلام، باب ماجاء فی السلام علی الیہود والنصاریٰ۔

[7] فتح الباری: ۱۱/۴۶

Marfat.com

کی جاسکتی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کو ایک شخص نے جو صورت شکل سے مسلمان لگ رہا تھا، سلام کیا۔ انھوں نے جواب میں' وعليك ورحمة الله وبركاته ' کہا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص نصرانی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ اس کے پاس گئے اور کہا کہ اللہ کی رحمت مسلمان کے لیے ہے (لہٰذا یہ الفاظ اسی کے لیے استعمال ہوسکتے ہیں) پھر اسے دعا دی: 'اطال الله حياتك واكثر مالك وولدك' (اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے اور تمہارے مال و اولاد میں اضافہ فرمائے)[1]

علامہ زمخشری کہتے ہیں۔

ولا بأس بالدعاء له بما يصلحه في دنياه[2]

اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اسے دنیا کی صلاح اور بہتری کی دعا دی جائے۔

خلاصۂ بحث

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ سلام اسلامی تہذیب کا شعار ہے۔ زیادہ تر علماء سلف اس کے قائل ہیں کہ غیر مسلم کو سلام نہیں کیا جائے گا اور اس کے سلام کا جواب بھی وعليك یا وعليكم کی حد تک دیا جائے گا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ لیکن سلف ہی میں جن اصحاب نے اس سے اختلاف کیا ہے ان کے نزدیک سلام کو عام کرنے کا حکم ہے اس لیے غیر مسلم کو بھی سلام کیا جاسکتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق صحیح نہیں ہے۔ بعض حضرات نے اس مسئلہ میں سماجی و معاشرتی تعلقات کو بھی اہمیت دی ہے۔ بعض نے ذمی اور حربی کا فرق کیا ہے اس لیے کہ خود قرآن میں یہ فرق موجود ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں کے لیے' السلام علیکم ورحمۃ اللہ' کے مسنون الفاظ کی جگہ ان کی ہدایت اور فلاح و

---

[1] بخاری، الادب المفرد: ۵۳۸/۲

[2] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۵۵۰/۱

Marfat.com

کامیابی کی دعا کی جائے۔ ان سب رایوں کی روشنی میں ہمیں ایک ایسے معاشرہ کے بارے میں سوچنا چاہیے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ملا جلا اور مخلوط معاشرہ ہے، جہاں دونوں کے درمیان ثقافتی، سماجی، معاشی غرض مختلف نوعیت کے تعلقات موجود ہیں اور دونوں قانونی اور دستوری روابط میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس طرح کے معاشرہ میں غیر مسلموں کو مسنون طریقہ سے سلام کیا جائے تو یہ مخالفِ سلف عمل نہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ آہستہ آہستہ اسلامی آداب سے مانوس ہوتے چلے جائیں اور ان کی معنویت ان پر زیادہ بہتر طریقہ سے واضح ہو جائے۔ اس میں قباحت محسوس ہو تو ان کے لیے عزت و احترام اور محبت و خیر خواہی کے دوسرے الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ البتہ اس بات کا ضرور خیال رکھنا ہوگا کہ تعلقات کے اظہار میں ایسے طریقے نہ اختیار کیے جائیں جو کسی دوسرے مذہب یا تہذیب کے مخصوص شعار کی حیثیت رکھتے ہوں اور ایسے الفاظ نہ استعمال کیے جائیں جو اسلامی عقائد سے متصادم ہوں۔

Marfat.com

۲۔ مسجد میں غیر مسلم کا داخلہ

مسجد کی تعمیر خدا کی عبادت کے لیے ہوتی ہے۔ اس پہلو سے اس کی حیثیت مقدس مقام کی ہے۔ اس کی پاکی صفائی کا اہتمام ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی اس مقدس اور پاک جگہ میں کوئی غیر مسلم داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

مسجدِ حرام میں مشرکین کو داخلہ کی اجازت نہیں ہے

قرآن مجید میں مسجدِ حرام کے سلسلہ میں یہ ہدایت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ	اے ایمان والو بے شک مشرک نجس
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ	(ناپاک) ہیں لہٰذا اس سال کے بعد وہ مسجد
بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ	حرام کے قریب نہ آنے پائیں اگر تم تنگ
عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ	دستی سے ڈرتے ہو تو اللہ تعالیٰ جلد ہی تمہیں
فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ	اپنے فضل سے غنی کردے گا بے شک اللہ
حَكِيمٌ ۝ (التوبہ: ۲۸)	علم اور حکمت والا ہے۔

یہ اعلان ۹ھ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد مشرکین کو مسجدِ حرام میں حج، عمرہ اور زیارت کے لیے آنے سے منع کر دیا گیا۔

اس آیت کی روشنی میں علماء نے غیر مسلم کے حرم، حدودِ حرم اور عام مساجد میں داخلہ سے بحث کی ہے اور اس کے احکام بیان کیے ہیں۔

Marfat.com

کیا حدودِ حرم کا بھی یہی حکم ہے؟

اس مسئلہ میں ایک رائے یہ ہے کہ آیت میں مشرکین کے مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت ہے۔ حدودِ حرم میں وہ داخل ہو سکتے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ حدود حرم میں بھی انھیں داخلہ کی اجازت نہیں ہے۔[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں ذمی (غیر مسلم) کبھی داخل نہیں ہو سکتا۔ مسجد حرام ہی کے حکم میں حدود حرم بھی آتے ہیں۔

اس کی دلیل 'وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً' (اگر تم تنگ دستی سے ڈرتے ہو) کے الفاظ ہیں۔ انھیں اس کا اندیشہ نہیں تھا کہ مسجد حرام سے چیزیں پہونچ نہیں پائیں گی بلکہ یہ خطرہ تھا کہ حدودِ حرم سے نہیں پہونچ سکیں گی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حدود حرم کو بھی مسجد حرام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی	پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے
بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی....	مسجد اقصیٰ تک۔

(الاسراء: ۱)

اس آیت میں معراج کا ذکر ہے۔ معراج کا سفر حضرت ام ہانی کے گھر سے شروع ہوا تھا۔ جو حدودِ حرم میں تھا لیکن کہا گیا کہ یہ مسجد حرام سے شروع ہوا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حدودِ حرم بھی مسجدِ حرام ہی کے حکم میں آتے ہیں۔

فرماتے ہیں اس بنا پر غیر مسلم حدودِ حرم میں داخل ہونا چاہے تو اسلامی ریاست لسے

---

[1] شوکانی، فتح القدیر: ۲/ ۴۴۶

Marfat.com

منع کرے گی۔ تاجروں اور سفیروں کو بھی اس کی اجازت نہ ہوگی۔ اگر کسی غیر مسلم کے ساتھ سامانِ تجارت اور غلہ ہے تو وہ حرم سے باہر قیام کرے گا، جو لوگ خریدنا چاہیں گے وہاں پہونچ کر خریدیں گے۔ اسی طرح غیر مسلم سفیر اپنا پیغام مسلمان کے ذریعہ پہونچائے گا اور ضرورت ہو تو حاکم اس سے حرم سے باہر ملاقات کرے گا۔ وہ جانتے بوجھتے حدودِ حرم میں داخل ہو تو اس کی تعزیر ہوگی اور ناواقفیت سے داخل ہو تو تنبیہ ہوگی۔[1]

امام شافعی بھی حرم اور حدودِ حرم میں غیر مسلم کے داخلہ کو صحیح نہیں سمجھتے۔

عام مساجد میں غیر مسلم داخل ہو سکتا ہے

کیا دوسری مساجد کا بھی یہی حکم ہے یا اس سے مختلف ان کا حکم ہے۔ ایک رائے یہ ہے کہ دوسری مساجد کا بھی یہی حکم ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مسجد میں تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ان کے پاس پہونچے۔ ان کے ہاتھ میں رجسٹر تھا جس میں اپنے علاقہ کے امور و اعمال کی تفصیل تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جس نے یہ رجسٹر لکھا ہے اسے بلاؤ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ وہ نصرانی ہے۔ مسجد میں نہیں آسکتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ بات مشہور تھی اور اس پر اتفاق تھا کہ غیر مسلم مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ کہ جنابت، حیض و نفاس کی حالت میں مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے تو شرک کی گندگی تو اس سے بڑی ہے۔ لہٰذا مسجد میں مشرک کے قیام کو بدرجہ اولیٰ ممنوع ہونا چاہیے۔[2]

امام مالکؒ بھی حرم اور حدودِ حرم میں غیر مسلم کے داخلہ کو صحیح نہیں سمجھتے۔ انھوں نے مسجدِ حرام ہی پر دوسری مساجد کو قیاس کیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک غیر مسلم کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، اِلّا یہ کہ کوئی مجبوری اسے لاحق ہو۔ جیسے مسجد میں عدالت قائم ہو اور وہاں اسے

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/۲۲۵-۲۲۶

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/۲۲۶

Marfat.com

اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں جانا پڑے[1]

شوافع میں امام مزنی بھی مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کو جائز نہیں سمجھتے۔

فقہ حنبلی میں کہا گیا ہے کہ حرم کے علاوہ دوسری مساجد میں ذمی (غیر مسلم) مسلمانوں کی اجازت سے داخل ہو سکتے ہیں۔ بغیر اجازت داخلہ کا ان کو حق نہیں ہے۔ حضرت علیؓ خطبہ دے رہے تھے۔ کہ مسجد میں ایک مجوسی کو دیکھا۔ منبر سے اترے اور اسے مار کر باہر نکال دیا[2]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مسجد حرام اور حدود حرم میں تو غیر مسلم کو داخلہ کی اجازت نہیں ہے البتہ دیگر مساجد میں اس کی اجازت ہے۔ وہ وقت ضرورت ان میں جا سکتا ہے۔ بلا ضرورت اس کا مسجد میں جانا صحیح نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک حدودِ حرم میں غیر مسلم صرف ایامِ حج میں نہیں جا سکتا

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قرآن مجید کی اس ممانعت کا تعلق حج سے ہے۔ حج کے دنوں میں غیر مسلم کا خانۂ کعبہ اور مقاماتِ حج میں داخلہ ممنوع ہے۔ دوسرے ایام میں یہ ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ خانہ کعبہ میں اور مقامات حج پر جا سکتا ہے۔ ہاں وہ اسے حجاز کی طرح وطن نہیں بنا سکتا۔ ضرورت کے تحت آمد و رفت رکھ سکتا ہے۔ دیگر مساجد کے سلسلہ میں اس طرح کی پابندی بھی نہیں ہے۔ ہر زمانہ میں اسے ان میں داخلہ کی اجازت ہے[3]

---

[1] جصاص، احکام القرآن: ۱۰۹/۳

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۲۴۶/۱۳

[3] مختلف فقہی مسالک کی تفصیل کے لیے حسب ذیل تفسیریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل مع بغوی معالم التنزیل: ۶۳/۳۔ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱۸۳/۲۔ شوکانی، فتح القدیر: ۳۴۶/۲ - ۳۴۷

Marfat.com

پھر اس آیت کا کیا مفہوم ہے؟ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اس کی دو توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق خاص مشرکینِ عرب سے ہے، اس لیے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان سے جنگ کا حکم تھا۔ وہ ذمی نہیں بنائے جا سکتے تھے۔ یہ حکم دوسرے مشرکین کا نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس کا تعلق حج سے ہے۔ آیت کے الفاظ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (مسجدِ حرام کے قریب وہ نہ جائیں) اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس میں خانۂ کعبہ کے ساتھ حج سے متعلق مقامات بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ وہ خانۂ کعبہ سے قریب ہیں۔ جیسے عرفات اور مزدلفہ۔ ان مقامات پر ایامِ حج میں کسی مشرک کو داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی۔ جب آیت میں حرم اور مقاماتِ حج دونوں شامل ہیں لہٰذا دونوں کا حکم بھی ایک ہونا چاہیے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ایامِ حج کے علاوہ دوسرے ایام میں عرفات اور مزدلفہ میں ذمی کا داخلہ ممنوع نہیں ہے تو یہی حکم خانۂ کعبہ کا بھی ہوگا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً (اگر تم فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو) کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ آیت کا تعلق موسمِ حج سے ہے۔ اسی میں تجارتی میلے لگتے تھے اور کاروباری منافع حاصل ہوتے تھے۔ مشرکین کو منع کرنے سے یہ تجارتی فائدہ ختم ہو سکتا تھا، اس لیے فرمایا کہ اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسرے طریقہ سے تمہاری مدد کرے گا۔[1]

مشرک کے نجس ہونے کا مفہوم

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت میں مشرک کو 'نجس' (ناپاک) کہا گیا ہے اگر وہ نجس ہے تو مسجد میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جسمانی اور مادی نجاست کا نہیں عقیدہ کی نجاست کا ذکر ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھی جائے جصاص، احکام القرآن: ۳/۱۰۸-۱۱۱

Marfat.com

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں :۔

اطلاق اسم النجس علی المشرک	مشرک پر اسم نجس کا اطلاق اس پہلو
من جهة ان الشرك الذی	سے ہے کہ شرک سے جس پر کہ اس کا عقیدہ
یعتقده یجب اجتنابه كما یجب	ہے اسی طرح اجتناب ضروری ہے جس
اجتناب النجاسات والاقذار	طرح نجاسات اور گندگیوں سے پرہیز
فلذلك سماهم نجسا[1]	لازمی ہے اسی لیے انھیں نجس کہا گیا ہے۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کے نزدیک مشرک نجس الذات ہوتا ہے ۔بعض اہلِ ظاہر اور شیعوں میں فرقہ زیدیہ کی یہی رائے ہے ۔حضرت حسن بصری سے اسی طرح کی روایت کی جاتی ہے ۔حضرت عبداللہ بن عباس کی بھی یہی رائے بیان کی جاتی ہے ۔اس کے بعد فرماتے ہیں ۔

وذهب الجمهور من السلف	جمہور سلف وخلف، جس میں ائمہ اربعہ
والخلف ومنهم اهل المذاهب	بھی داخل ہیں اس طرف گئے ہیں کہ کافر
الاربعة الی ان الكافر ليس بنجس	اپنی ذات میں نجس نہیں ہوتا اس لیے کہ
الذات لان الله سبحانه احل	اللہ تعالیٰ نے ان کے کھانے حلال کیے
طعامهم وثبت عن النبی صلی الله	ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل
عليه وسلم فی ذلك من فعله	سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات
وقوله مايفيد عدم نجاسة	میں نجس نہیں ہیں۔ آپ نے ان کے برتنوں
ذواتهم فاكل فی آنيتهم وشرب	میں کھایا ہے ان میں پیا ہے ان سے
منها وتوضأ فيها وانزلهم فی مسجده[2]	وضو فرمایا ہے اور انھیں اپنی مسجد میں ٹھہرایا ہے۔

---

[1] جصاص، احکام القرآن : ۳/ ۱۰۸

[2] شوکانی، فتح القدیر : ۲/ ۳۴۶

Marfat.com

امام نووی نے غیر مسلم کی طہارت و عدم طہارت کے مسئلہ پر شوافع اور جمہور فقہاء کا مسلک کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں ان کے الفاظ پیش کیے جا رہے ہیں۔

...... اما الکافر فحکمہ فی الطہارۃ والنجاسۃ حکم المسلم ھذا مذھبنا ومذھب الجماھیر من السلف والخلف واما قول اللّٰہ عز وجل انما المشرکون نجس فالمراد نجاسۃ الاعتقاد والاستقذار ولیس المراد ان اعضاءھم نجسۃ کنجاسۃ البول والغائط ونحوھما فاذا ثبت طہارۃ الآدمی مسلما کان او کافرا فعرقہ ولعابہ ودمعہ طاھرات سواء کان محدثا او جنبا او حائضا او نفساء وھذا کلہ باجماع المسلمین[1]	...... کافر کا حکم بھی طہارت اور نجاست میں مسلمان ہی کا حکم ہے یہی ہمارا (شوافع) اور جمہور سلف و خلف کا مسلک ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد "انما المشرکون نجس" تو اس سے اعتقاد کی نجاست اور گندگی مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے اعضاء جسم پیشاب پاخانہ جیسی چیزوں کی طرح نجس ہیں۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ آدمی طاہر ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر تو اس کا پسینہ، لعاب اور آنسو بھی پاک ہیں چاہے وہ بے وضو ہو یا جنابت کی حالت میں عورت حیض اور نفاس کی حالت میں ہو تو بھی پاک ہے۔ ان سب باتوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

غیر مسلم کے مسجد میں داخلہ کا ثبوت

سب سے بڑی بات یہ کہ مسجد میں غیر مسلم کے داخلہ کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

---

[1] نووی، شرح مسلم ج ۲ جزء ۴ ص ۶۶

Marfat.com

جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے کہ عمیر بن وہب جو اس وقت مشرک تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے مدینہ پہونچے۔ مسجد نبوی کے سامنے اترے۔ آپ سے ملاقات ہوئی تو دریافت فرمایا کس لیے آئے ہو۔ کہا! میرا لڑکا جنگ بدر میں آپ کے ہاں قید ہے۔ اس کی رہائی کی درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا، صحیح کہو، تم تو میرے قتل کے ارادہ سے آئے ہو۔ صفوان بن امیہ سے حرم میں تمہاری بات چیت ہو چکی ہے۔ اس نے تمہارا قرض ادا کرنے اور تمہارے بال بچوں کے کفالت کی ذمہ داری لی ہے۔ یہ سن کر وہ ششدر رہ گئے اور بے اختیار کہا کہ بے شک آپ خدا کے رسول ہیں۔ ہم آپ کے اس دعوی کی وجہ سے آپ کی مخالفت کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ میرے اور صفوان کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کا علم ہم دونوں کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ جس خدا نے آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی یقیناً وہی آپ کے پاس اپنا پیغام بھیجتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام کو ہدایت فرمائی کہ انھیں دین کی تعلیم دی جائے اور ان کے قیدی کو رہا کر دیا جائے۔[1]

اس واقعہ کا حوالہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے ان الفاظ میں دیا ہے۔

وقدم عمیر بن وھب فدخل المسجد والنبیؐ فیہ لیفتک بہ فرزقہ اللہ الاسلام[2]	عمیر بن وہب مکہ سے مدینہ پہونچے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہوئے تاکہ آپ کو قتل کر دیں لیکن اللہ نے انھیں اسلام کی دولت سے نوازا۔

---

[1] واقعہ کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی ۲/ ۳۰۸ - ۳۰۹ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمیر بن وہبؓ نے مکہ جانے کی اجازت چاہی تاکہ وہاں دعوت کا کام کر سکیں۔ انھیں اس کی اجازت دی گئی۔ وہ مکہ گئے اور مخالفتوں کا سخت مقابلہ کیا۔ ان کے ذریعہ بہت سے لوگ اسلام لائے۔

[2] ابن قدامہ، المغنی : ۱۳/ ۲۴۶

Marfat.com

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوسفیان تجدید معاہدہ کے ارادہ سے مدینہ پہونچے۔ لیکن قریش کی بدعہدی کی وجہ سے تجدید سے انکار کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ کے مشورہ سے وہ مسجد نبوی میں پہونچے اور اعلان کیا کہ وہ لوگوں کو جنگ سے دور رکھیں گے اور پھر روانہ ہو گئے۔[1]

علامہ ابن قدامہ حضرت سعید بن مسیبؒ کے حوالہ سے کہتے ہیں۔

قد کان ابوسفیان یدخل مسجد المدینۃ وھو علی شرکہ[2]	حضرت ابوسفیانؓ اپنی شرک کی حالت میں مسجد نبوی میں جایا کرتے تھے۔

حضرت ثمامہ بن اثال جنگ میں گرفتار ہوئے تو انھیں مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ کر رکھا گیا (تاکہ فرار نہ ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حکم دیا کہ رسی کھول دی جائے اور انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آپ کے حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ دو تین روز بعد وہ اسلام لے آئے۔[3]

اس کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ غیر مسلم فرد ہی کو نہیں پورے غیر مسلم وفد کو مسجد میں ٹھہرایا گیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے حضرت عثمان بن ابوالعاصؓ بیان کرتے ہیں کہ قبیلۂ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے مسجد میں ٹھہرایا تاکہ (مسلمانوں کے طریقہ عبادت، ان کی اجتماعیت اور سیرت و اخلاق کو دیکھ کر) اس کے دل نرم پڑیں۔ چنانچہ وفد کے لوگ اسلام لے آئے۔ آپ نے ان کے ساتھ شروع میں بعض احکام شریعت کی رعایت بھی کی لیکن نماز کی پابندی کا حکم دیا۔[4]

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۴/۱۳-۱۴۔ قریش کی بدعہدی کا ذکر آگے آرہا ہے جس کی وجہ سے ان کے خلاف جنگ ہوئی اور مکہ فتح ہوا۔

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/۲۴۶

[3] اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ وحدیث ثمامۃ بن اثال۔

[4] ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ما جاء فی خبر الطائف۔

Marfat.com

ابوداؤد کی مراسیل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے وفد کے لیے مسجد میں خیمہ لگوایا تاکہ وہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھیں۔ آپ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ انھیں مسجد میں ٹھہرا رہے ہیں جب کہ وہ مشرک ہیں (اور مشرک نجس ہوتا ہے) آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی۔ نجس تو ابن آدم ہوتا ہے [۱]

حضرت عثمان بن ابوالعاص کی روایت کے ذیل میں علامہ خطابی لکھتے ہیں۔

وفی ھٰذا الحدیث من	اس حدیث میں دلیل ہے اس
العلم ان الکافر یجوز لہ دخول	بات کی کہ کافر کو اگر مسجد میں کوئی حاجت
المسجد لحاجۃ لہ فیہ او	ہو یا مسلمان کی اس سے کوئی حاجت
للمسلم الیہ [۲]	ہو تو وہ وہاں جا سکتا ہے۔

مسجد میں عدالت اور اس میں غیر مسلم کی حاضری

ایک مسئلہ ہمارے فقہاء کے ہاں یہ زیر بحث رہا ہے کہ فصلِ مقدمات کے لیے عدالت مسجد میں قائم ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو اس میں غیر مسلم کی شرکت کا کیا حکم ہے؟

امام شافعی فرماتے ہیں کہ عدالت میں مسلم اور غیر مسلم، پاک اور ناپاک سب ہی طرح کے لوگ پہونچتے ہیں اس لیے مسجد میں عدالت نہیں ہونی چاہیے۔ مسجد اصلاً عبادت کے لیے ہے۔ یہ اسی کے لیے مخصوص ہونی چاہیے۔

احناف کے نزدیک عدالت کے لیے قاضی کو مسجد میں، بہتر ہے جامع مسجد میں یا کسی ایسی جگہ بیٹھنا چاہیے جہاں آسانی سے لوگ مقدمات لے کر پہونچ سکیں اور انھیں اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ یہی امام احمد کی رائے ہے۔ امام مالک کے متعلق صحیح

---

[۱] زیلعی، نصب الرایہ: ۲۷۰/۴

[۲] خطابی، معالم السنن: ۳۵/۳

Marfat.com

یہی ہے کہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ قضاء یعنی شریعت کے مطابق معاملات کا فیصلہ کرنا خود عبادت ہے، اس لیے مسجد میں عدالت قائم ہو سکتی ہے۔ پھر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مسجد میں مقدمات کی سماعت فرماتے اور فیصلے کرتے تھے۔ رہا مساجد میں قائم ان عدالتوں میں مشرک کا پہونچنا یہ ناجائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ

نجاسة المشرك في اعتقاده	مشرک کی نجاست اس کے عقیدہ
لا في ظاهره[1]	میں ہے نہ کہ اس کے ظاہر میں۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے خیالات اوپر کسی قدر تفصیل سے پیش کر دیئے گئے ہیں۔ زیادہ تر فقہاء حرم میں اور ان میں سے بعض حدود حرم میں غیر مسلم کے داخلہ کو ناجائز تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ اس کا کوئی جواز نہیں ہے، اس لیے ان کے خیالات میں شدت بھی ہے۔ احناف بعض شرائط کے ساتھ اس میں قباحت نہیں سمجھتے۔ دوسری مساجد میں غیر مسلم کے داخلہ کو جمہور امت نے جائز قرار دیا ہے۔ وہ کفر و شرک کو تو ناپاک کہتے ہیں لیکن کافر و مشرک کو نہ تو سراسر ناپاک یا نجس مجسم ٹھہراتے ہیں اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے مسجد میں داخل ہونے سے وہ ناپاک ہو جائے گی۔ اس سے یہ خیال کتنا بے بنیاد اور مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ تعصب، نفرت، حقارت اور عدم رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ جب اس نے مسجد کے سلسلہ میں، جو مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے یہ وسعت اور گنجائش رکھی ہے تو مسجد سے باہر اس کے رویہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہدایہ مع فتح القدیر: ۵/ ۴۶۵-۴۶۶

Marfat.com

۲۔غیر مسلم سے تحائف کا تبادلہ

تحفے تحائف کا تبادلہ سماجی اور معاشرتی زندگی کا ایک خوش گوار تقاضا ہے۔اس سے تعلقات کو بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔بعض اوقات اس سے سیاسی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہانِ عجم سے تحائف کا تبادلہ

احادیث میں غیر مسلموں کو تحفے دینے اور ان کے تحفے قبول کرنے کا ثبوت موجود ہے۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم سلاطین اور سربراہانِ مملکت نے تحفے پیش کیے اور آپ نے قبول فرمائے۔بعض اوقات آپ نے خود بھی انھیں تحفے عنایت کیے[۱]

یہاں اس سلسلہ کے بعض واقعات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

ان کسریٰ اھدیٰ لہ فقبل	کسریٰ (شاہ ایران) نے آپ کو ہدیہ
وان الملوک اھدوا الیہ	پیش کیا آپ نے قبول کیا (اسی طرح)
فقبل منھم[۲]	بادشاہوں نے آپ کو ہدیے دیے آپ نے قبول کیے

---

[۱] مسلمانوں کو آپس میں تحفے دینے اور قبول کرنے کی احادیث میں بڑی ترغیب ہے اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ 'تحائف کی سیاسی وسماجی اہمیت' مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔جنوری۔مارچ ۱۹۹۶ء۔

[۲] ترمذی، ابواب السیر، باب ما جاء فی قبول ہدایا المشرکین۔

Marfat.com

حضرت علیؓ ہی کی ایک اور روایت میں کسریٰ کے ساتھ قیصر کا بھی ذکر ہے۔ اس کے الفاظ ہیں۔

اهدیٰ کسریٰ لرسول الله	کسریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی الله علیه وسلم فقبل منه	کو ہدیہ دیا۔ آپ نے قبول کیا قیصر نے
واهدیٰ له قیصر فقبل منه	ہدیہ دیا آپ نے قبول کیا اور (دوسرے)
واهدت له الملوك فقبل	بادشاہوں نے آپ کو ہدیے دئے آپ
منهم [1]	نے قبول فرمائے۔

غزوۂ تبوک ۹ھ میں ہوا تھا۔ حضرت ابو حُمَید ساعدیؓ اس کے واقعات کے ذیل میں بیان کرتے ہیں کہ اَیلہ کے بادشاہ[2] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ ایک سفید خچر پیش کیا اور ایک چادر پہنائی۔ اس نے آپ سے مصالحت کی اور

---

[1] مسند احمد: ۱۰۷/۲ حدیث نمبر ۷۴۷، تحقیق احمد محمد شاکر۔ ترمذی اور مسند دونوں ہی کی روایتوں میں ایک راوی ثویر بن فاختہ ہے۔ اسے محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن آگے کی روایات اور واقعات سے غیر مسلموں سے ہدایا کے قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔

[2] اَیلہ کے بارے میں حافظ ابن حجر کہتے ہیں ایلة بلدة قديمة بساحل البحر۔ فتح الباری: ۲۱۱/۳ (ایلہ ساحل سمندر پر ایک قدیم شہر ہے) عینی لکھتے ہیں بلدة معروفة بساحل البحر في طريق المصريين الى مكة وهي الآن خراب۔ عینی: ۷۵/۱۱ (وہ ایک معروف شہر تھا جو مصریوں کے مکہ جانے کے راستہ میں پڑتا تھا۔ اب وہ ویران ہو چکا ہے) امام نووی نے کچھ زیادہ تفصیل فراہم کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ایلہ شام کے کنارے ساحل سمندر پر ایک مشہور شہر ہے، جو مدینہ منورہ، دمشق اور مصر کے درمیان واقع ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ پانچ مراحل، دمشق سے بارہ مراحل اور مصر سے آٹھ مراحل کا ہے۔ ابو عبید نے اسے شام کا ایک شہر کہا ہے۔ حازمی اسے ایک ساحلی شہر کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ حجاز کا آخری اور شام کا ابتدائی حصہ ہے۔ نووی تہذیب الاسماء واللغات: ۱۹/۱۔ ایلہ کے بادشاہ کا نام یحنہ بن رؤبہ تھا۔ یہ اس صلح نامہ سے بھی واضح ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عطا کیا تھا۔ ابن ہشام: ۱۷۹/۴-۱۸۰۔ نیز ملاحظہ ہو فتح الباری: ۳۴۵/۳

Marfat.com

جزیہ ادا کیا) آپ نے اس کے علاقہ پر اس کا قبضہ باقی رکھا۔ لہ

لہ بخاری کے الفاظ ہیں واھدی ملك ايلة للنبي صلى الله عليه وسلم بغلة بيضاء وكساه بردا وكتب له ببحرهم (کتاب الزکوٰۃ، باب خرص التمر۔ مسلم۔ کتاب الفضائل، باب معجزات النبیؐ) مسلم کی ایک روایت میں ملک ایلہ کی جگہ فروہ بن نفاثہ الجذامی آیا ہے۔ (کتاب الجہاد، باب غزوۃ حنین) لیکن فروہ بن نفاثہ کا واقعہ دوسرا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال میں اس ایک سفید خچر کے علاوہ اور کوئی خچر نہ تھا۔ اسے دلدل کہا جاتا ہے۔ شرح مسلم ج ۴ جزء ۱۲ ص ۱۱۳۔ امام نووی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ حدیث کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خچر جو دلدل کے نام سے معروف تھا غزوہ تبوک میں پیش کیا گیا۔ غزوۂ تبوک ۹ھ میں ہوا تھا جبکہ یہ خچر آپ کے استعمال میں اس سے قبل بھی رہا چنانچہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ غزوۂ حنین میں آپ نے اس کی سواری کی تھی۔ غزوہ حنین ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد ہوا تھا۔ اسے اس بات پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ ملک ایلہ نے یہ خچر پہلے ہی ہدیہ کیا تھا لیکن راوی نے اس کا ذکر تبوک میں اس کی آمد کے ساتھ کیا ہے۔ اس میں کوئی زمانی ترتیب نہیں ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ آپ کی سواریوں میں دلدل کے علاوہ کسی اور خچر کا روایات میں ذکر نہیں ہے۔ نووی، شرح مسلم ج ۵ جزء ۱۵ ص ۴۲-۴۳۔ علامہ ابن کثیر نے بھی آپ کی سواریوں میں اسی ایک خچر کا ذکر کیا ہے، السیرۃ النبویۃ: ۴/۴۱۷ لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اور خچر بھی استعمال کیے ہیں۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ کسریٰ نے آپ کو ایک خچر ہدیہ کیا تھا۔ اس کے لیے بال سے بٹی ہوئی رسی آپ نے استعمال کی۔ آپ سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ یہ دلدل کے علاوہ ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ نجاشی اور دومۃ الجندل کے بادشاہ نے بھی آپ کو ایک ایک خچر پیش کیے۔ دلدل اس خچر کا نام ہے جو مقوقس نے دیا تھا۔ سہیلی نے کہا ہے کہ جنگ حنین میں آپ جس خچر پر سوار تھے اسے فِضّہ یا شہباء کہا جاتا تھا۔ اسے فروہ جذامی نے پیش کیا تھا۔ فتح الباری: ۴/۳۴۵-۳۴۶۔ علامہ ابن قیم نے آپ کی سواریوں میں چار خچروں کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے علاوہ ایک خچر نجاشی نے بھی ہدیہ کیا تھا۔ زاد المعاد: ۱/۱۳۴

Marfat.com

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ اکیدر دومہؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی کرتا بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ لوگ اسے تعجب سے دیکھنے لگے تو آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے جنت میں سعد بن معاذؓ کے رومال اس سے عمدہ ہیں ؎۲

؎۱ اکیدر بن عبدالملک الکندی۔ یہ دُومہ کا بادشاہ تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ لیکن علامہ ابن اثیر نے اس کی تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اصحاب سیرت کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھیجا۔ آپ سے صلح کی لیکن اسلام نہیں لایا۔ وہ نصرانی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کے بعد وہ واپس ہوا اور اپنے قلعہ میں رہا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت خالدؓ نے دومہ کا محاصرہ کیا اس سے جنگ ہوئی اور وہ مارا گیا۔ بلاذری کا بیان ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اسلام لے آیا لیکن بعد میں مرتد ہوگیا اور جو (زکوٰۃ) دیا کرتا تھا اس کے دینے سے انکار کر دیا۔ اگر اس بات کو مان بھی لیا جائے تو بہر حال ایک مرتد کا شمار صحابہ میں نہیں ہوگا۔ (اسد الغابہ: ۱/۱۳۵) ابن ہشام کی روایت ہے کہ حضرت خالدؓ اسے گرفتار کر کے لائے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرمایا، جزیہ کی بنیاد پر صلح کی اور رہا کر دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ سیرۃ ابن ہشام: ۴/۱۸۱) ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچا تو ایک ریشمی قبا جس پر سونے کا کام تھا ہدیتاً پیش کی۔ آپ نے اسے لوٹا دیا لیکن پھر آپ نے مناسب نہیں سمجھا تو کہا کہ اسے حضرت عمرؓ کے حوالہ کردو۔ فتح الباری: ۵/۲۳۱

دُومہ شہر جسے دومۃ الجندل بھی کہا جاتا ہے یہ حجاز اور شام کے درمیان تبوک کے قریب واقع ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ تیرہؒ اور دمشق سے دسؒ مراحل کا ہے۔ کوفہ سے بھی تقریباً دس مراحل کی دوری ہے۔ یہاں کھجور کے باغات تھے اور کھیتی ہوتی تھی۔ چشمے کم تھے، اونٹنیوں کے ذریعہ آب پاشی ہوتی تھی، زیادہ پیداوار گیہوں کی تھی۔ یہاں ایک قلعہ بھی تھا (نووی، شرح مسلم جلد ۵ جزء ۱۴ ص ۵۰۔ ابن حجر، فتح الباری: ۵/۲۳۱)

؎۲ بخاری، کتاب الھبہ، باب قبول الھدیۃ من المشرکین۔

Marfat.com

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اکیدر دومہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی جوڑا تحفہ میں بھیجا۔ یہ آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ میں نے اسے گھر کی خواتین میں تقسیم کر دیا[1]

ابن ابی شیبہ احمد اور بزار نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ اکیدر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو 'من' (شہد کی قسم کی ایک چیز جو شبنم کے جمع ہوتے سے بنتی ہے) کا ایک گھڑا تحفہ میں بھیجا۔ آپ نے قبول فرمایا اور صحابہ کے درمیان تقسیم کیا[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو اسکندریہ (مصر) کے حاکم مقوقس کے پاس اسلام کے پیغام کے ساتھ بھیجا۔ اس نے حضرت حاطب کو دربار میں بلایا اور آپ کی رسالت کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت حاطب کے جواب سے خوش ہو کر کہا کہ تم ایک دانا آدمی ہو اور ایک دانا شخص کے پاس سے آئے ہو۔ اس نے حضرت حاطبؓ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہدایا بھیجے۔ ان میں دو باندیاں بھی تھیں۔ حضرت حاطبؓ کی تبلیغ سے یہ دونوں اسلام لے آئیں۔ ان میں سے ایک ماریہ تھیں[3] حضرت حاطبؓ ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے تو حضرت ماریہؓ کو آپ نے اپنی ملکیت میں لے لیا ان سے ذی الحجہ ۸ھ میں آپ کے صاحب زادے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ آپ نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا، سر کے بال اتروائے اور اس کے وزن کی چاندی کا صدقہ کیا۔ اٹھارہ ماہ بعد حضرت ابراہیمؑ کا

---

[1] مسلم کتاب اللباس، باب تحریم الذہب والحریر علی الرجال واباحتہ للنساء۔

[2] عینی، عمدۃ القاری: ۱۱/۳۰۷

[3] سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ دوسری باندی حضرت ماریہ کی بہن سیرین تھیں۔ یہ حضرت حسان بن ثابت کو عطا کی گئیں۔ ان کے لڑکے عبدالرحمٰن ان ہی سے تھے۔ (طبری: ۳/۲۱، ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب ۴/۴۱۰-۴۱۳) ابن اثیر نے ایک اور باندی کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے ابوجہم بن حذیفہ کو عنایت کی۔ (اسد الغابہ: ۱/۴۲۲-۴۲۳) واقدی اور ابونعیم کے بقول مقوقس نے چار باندیاں بھجوائی تھیں۔ (اسد الغابہ: ۷/۲۶۱-ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۴/۶۰۰)

Marfat.com

انتقال ہوگیا[1]

حضرت ماریہؓ کی وفات عہد فاروقی میں سنہ ۱۶ھ میں ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے ان کے انتقال کا اعلان فرمایا اور خود نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں تدفین عمل میں آئی[2]

مقوقس نے ان کے علاوہ جو ہدیے بھجوائے وہ یہ تھے۔

ایک ہزار مثقال سونا، بیس عدد ملائم کپڑے، ایک خچر جس کا نام دلدل تھا[3]۔ ایک گدھا جسے عفیر یا یعفور کہا جاتا تھا اور مابور نامی ایک غلام کو جو حضرت ماریہ کا چچازاد بھائی تھا، مقوقس نے دونوں باندیوں کے ساتھ بھیجا تھا تاکہ وہ انھیں حفاظت کے ساتھ پہنچائے[4]

بزار کی ایک روایت میں ہے کہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیشہ کا پیالہ 'قدح قواریر' نذر کیا تھا۔ اسے آپ پینے کے لیے استعمال فرماتے تھے[5]

طبرانی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ مقوقس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکڑی کی شامی سرمہ دانی، آئینہ اور کنگھی تحفہ میں دی تھی[6]

---

[1] ابن اثیر، اسد الغابہ : ۱/ ۹۴

[2] ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب : ۴/ ۴۱۰ – ۴۱۳

[3] دلدل کے بارے میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ اسے سواری کے لیے استعمال کرتے تھے۔ پھر یہ حضرت حسنؓ اور ان کے بعد امام حسینؓ اور ان دونوں کے بعد محمد بن الحنفیہ کے استعمال میں رہا۔ اسد الغابہ ۱/ ۳۷۔ اس طرح وہ طویل عرصہ تک زندہ رہا۔ محمد بن الحنفیہ اسے گیہوں پیس کر کھلایا کرتے تھے۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ ۴/ ۶۰۔ طبری نے عفیر کا ذکر کیا ہے۔ دلدل کے بارے میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ وہ حضرت معاویہ کے زمانہ تک تھا۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک ۳/ ۱۷۴

[4] مابور مدینہ پہونچ کر اسلام لے آیا۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ : ۴/ ۴۰۴ – ۴۰۵۔ اس کے کردار کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار ہوا جو غلط ثابت ہوا۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک ۳/ ۱۷۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب: ۴/ ۴۱۰ — ۴۱۳

[5] عینی، عمدۃ القاری : ۱۱/ ۴۷   [6] حوالۂ سابق۔

Marfat.com

یہ بات واضح نہیں ہے کہ یہ ساری چیزیں حضرت حاطب ہی کے ذریعہ پہونچیں یا کوئی اور ذریعہ بھی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کا نظم حضرت بلالؓ کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں وقت ضرورت میں اس کے لیے قرض لیا کرتا تھا، ایک مرتبہ ایک مشرک نے پیش کش کی کہ تم مجھ سے قرض لے لیا کرو، میں بآسانی دے سکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اس سے قرض لے لیا۔ ایک دن اس نے مجھے دیکھا تو کہا کہ وعدہ پورا ہوتے میں صرف چار دن رہ گئے ہیں۔ اگر وقت پر تم نے قرض ادا نہ کیا تو پھر بکریاں چرانے میں لگا دوں گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا جاؤ فلاں قبائل جو مسلمان ہو گئے ہیں ان سے قرض لے کر اسے ادا کر دو۔ میں صبح سویرے اس مقصد سے نکلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلب کر رہے ہیں۔ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ خوش ہو جاؤ۔ یہ چار اونٹنیاں جو تم دیکھ رہے ہو، اور جو غلہ اور کپڑے سے لدی ہوئی ہیں۔ فدک کے حکمراں نے مجھے بطور ہدیہ بھجوائی ہیں[1]۔ اس سے تم پر جو قرض ہے اسے ادا کر سکتے ہو۔ چنانچہ میں نے اس

---

[1] فدک ایک یہودی بستی تھی۔ اس میں نخلستان اور پانی کا چشمہ تھا۔ مدینہ سے تین مراحل کی دوری پر تھا (یہاں جس واقعہ کا ذکر ہے وہ فدک کی فتح سے پہلے کا ہے) خیبر کی فتح کے بعد اہل فدک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اس طرح یہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ یہ مال فئی کے حصہ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا۔ اس سے آپ اپنے اہل و عیال کی ضروریات پوری کرتے اور سماجی کاموں میں صرف فرماتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت فاطمہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے آپ کی وراثت کا مطالبہ کیا تو انھوں نے آپؐ کا یہ ارشاد یاد دلایا لا نورث ما ترکنا صدقۃ" (ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوگا) البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن افراد کا خرچ برداشت کرتے تھے ان پر بیت المال سے خرچ ہوتا رہے گا حضرت عمرؓ کے دور میں بھی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے یہ مسئلہ چھیڑا۔ حضرت عمرؓ نے بھی

Marfat.com

سے آپ کا قرض ادا کیا۔ جو مال بچ گیا فرمایا کہ اسے مستحقین میں تقسیم کر دو۔ اسی سے مجھے راحت ملے گی۔ لیکن رات ہو گئی یہ تقسیم نہ ہو سکا تو آپ نے مسجد ہی میں قیام فرمایا۔ اس کے تقسیم ہونے کے بعد آپ مکان میں تشریف لے گئے۔[1]

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ملکِ ذی یزنؒ[2] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حلہ (جوڑا) کی سوغات بھیجی جو اس نے تین اونٹ کے بدلہ خریدا تھا۔ آپ نے یہ جوڑا قبول فرمایا۔[3]

اسحاق بن عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سے زیادہ اونٹوں کے عوض ایک جوڑا خریدا اور ذی یزن کو تحفہ میں بھیجا۔[4]

۔۔ وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا۔ حدیث کی کتابوں میں تفصیل سے اس کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس۔ کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر۔ مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب حکم الفیٔ۔ ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی صفایا رسول اللہ صلعم من الاموال۔ اس کی مزید تفصیلات اور شیعہ حضرات کے نقطۂ نظر اور اس کی کمزوری کے لیے دیکھی جائے فتح الباری: ۶/۱۹۸-۲۰۹۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۴/۵۶۶-۵۶۸

[1] ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

[2] قاموس میں ہے کہ یزن (یمن میں) ایک وادی کا نام ہے۔ ذو یزن قبیلہ حمیر کا ایک بادشاہ تھا۔ اس نے اس وادی کو گھیر کر قبضہ کیا تھا اس لیے اسے ذو یزن کہا جاتا ہے (مادہ ی، ز، ن) ابن منظور کہتے ہیں کہ ذو یزن قبیلۂ حمیر کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کی طرف منسوب نیزے رماح یزنیہ کہے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ابن کلبی کے بقول اسی نے سب سے پہلے یہ نیزے تیار کیے تھے۔ (لسان العرب، مادہ ی، ز، ن)

[3] ابوداؤد، کتاب اللباس، باب لبس المرتفع۔ اس کے راوی عمارہ بن زاذان پر کئی ایک محدثین نے جرح کی ہے۔ مولانا شمس الحق، عون المعبود: ۴/۷۹

[4] ابوداؤد، کتاب اللباس، باب لبس المرتفع۔ یہ روایت مرسل ہے۔ اس کا ایک راوی علی بن زید بن جدعان ناقابل احتجاج ہے۔ عون المعبود: ۴/۷۹

Marfat.com

حضرت دحیہ کلبیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صوف کا کرتا اور موزے تحفہ میں دیئے۔ آپ نے وہ استعمال فرمائے یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے آپ نے یہ نہیں دریافت فرمایا کہ موزے ذبیحہ جانور کے تھے یا نہیں[1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو تلواریں تھیں ان میں ایک کا نام ذوالفقار تھا[2]۔ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ حجاج بن علاط نے یہ آپ کو ہدیہ میں پیش کی تھی۔[3]

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ شاہ روم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونٹ کا گھڑا ہدیہ میں بھیجا، اسے آپ نے صحابہ کے درمیان تقسیم فرمایا[4]

نجاشی کے بارے میں روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر ہدیہ میں دیا تھا، جسے آپ سواری کے لیے استعمال فرماتے تھے[5]

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطر مجموعہ (غالیہ) کی شیشی کی سوغات بھیجی تھی۔ اس طرح کا عطر پہلی مرتبہ آپ کو اس کے ذریعہ ملا[6]

---

[1] حضرت دحیہ کلبیؓ مشہور صحابی ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جبرئیلؑ بعض اوقات ان کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ نے انھیں ۶ھ میں قیصر کے پاس سفیر کی حیثیت سے روانہ فرمایا (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ: ۲/۱۵۸) جس واقعہ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ جیسا کہ علامہ عینی نے کہا ہے ان کے اسلام لانے سے قبل کا ہے (عمدۃ القاری: ۱۱/۴۷)

[2] ابن اثیر، اسد الغابہ: ۱/۳۷

[3] ابن عدی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ عینی۔ عمدۃ القاری: ۱۱/۴۷۔ ابن سعد اور طبری کا بیان ہے کہ یہ تلوار منبہ بن الحجاج کی تھی جنگ بدر میں یہ آپ کو مال غنیمت میں ملی۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم: ۳/۱۷۷۔ علامہ ابن قیم کے بیان سے اسی کی تائید ہوتی ہے زاد المعاد ۱/۱۳۰

[4] عینی، عمدۃ القاری: ۱۱/۴۷ [5] ابن قیم، زاد المعاد: ۱/۱۳۴

[6] علامہ عینی کہتے ہیں کہ نجاشی اسلام لاچکا تھا۔ اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ واقعہ اس کے اسلام لانے سے قبل کا ہے

Marfat.com

یہودی عورت کی دعوت قبول کی

اوپر جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ان کا تعلق ملوک وسلاطین سے ہے۔ اس کا بھی ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی غیر مسلم خاتون کا ہدیہ قبول فرمایا جس کا تعلق دشمن قوم سے تھا اور جس نے خود بھی انتہائی مذموم اور ناپاک ارادہ سے یہ ہدیہ پیش کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جنگ خیبر کے بعد جب حالات پرسکون ہو گئے تو مشہور یہودی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے لوگوں سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے گوشت کا کون سا حصہ پسند ہے؟ اسے بتایا گیا کہ آپ بازو پسند کرتے ہیں۔ اس نے گوشت بھونا اور اس میں زہر ملا دیا اور بازو والے حصہ کو زیادہ زہر آلود کر دیا اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے جیسے ہی بھنا ہوا بازو چکھا فوراً تھوک دیا، اسے نوش نہیں فرمایا اور صحابہ کرام سے کہا کہ یہ ہڈی مجھے بتا رہی ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ لہٰذا اسے مت کھاؤ۔ آپ کے ایک ساتھی بشر بن براء بن معرورؓ نے جو لقمہ لیا تھا اسے وہ کھا گئے۔ چنانچہ اسی سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ آپ نے یہود کو جمع کر کے اس حرکت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے اس کا اعتراف کیا۔ اس یہودی عورت سے اس حرکت کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ نے میری قوم پر فتح و کامرانی حاصل کی ہے اور اسے مغلوب کیا ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپ محض بادشاہ ہوں گے تو اس سے مجھے قلبی راحت ملے گی لیکن اگر پیغمبر ہوں گے تو اس کی آپ کو خبر ہو جائے گی۔ ویسے اس زہر کا اثر آپ پر رہا۔ مرض الموت میں آپ نے اس کا ذکر فرمایا۔ اس کے باوجود ابن ہشام کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا[1]

= یا بعد کا۔ ایک اور امکان بھی ہے، وہ یہ کہ شاہان حبش کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے اس سے وہ نجاشی مراد ہو جو اسلام کی دولت سے بہرہ یاب نہیں ہوا۔ عمدۃ القاری: ۱۱/۴۳

[1] بخاری، کتاب الجزیہ والموادعہ، باب اذا غدر المشرکون بالمسلمین ہل یعفی عنہم؟ ابن ہشام، سیرت النبی: ۳/۳۸۹۔ ۳۹۰۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بشر بن براء بن معرور کے انتقال کے بعد ان کے رشتہ داروں نے قصاص میں اسے قتل کر دیا۔ فتح الباری: ۷/۴۹۷

Marfat.com

ایک حدیث کا صحیح مفہوم

ان واقعات کے برخلاف دو ایک روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کا تحفہ یا ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرمایا ہے۔

حضرت عیاض بن حمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے قبول اسلام سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اونٹ بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا تم اسلام لے آئے ہو؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ نُهِیْتُ عَنْ زبد المشرکین (مجھے مشرکین کے عطیات قبول کرنے سے منع کر دیا گیا ہے[1])

حضرت عامر بن مالک، جنھیں ملاعب الاسنہ کہا جاتا ہے، کی روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا[2]

اس حدیث میں سند کے لحاظ سے کچھ سقم ہے لیکن حضرت عیاض بن حمار کی روایت سندِ صحیح سے ثابت ہے۔ اوپر کے واقعات اور اس حدیث میں جو تضاد سا محسوس ہوتا ہے اسے کئی ایک پہلوؤں سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ جن احادیث سے غیر مسلموں سے تحفہ قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ انھیں وہ حدیث منسوخ کرتی ہے جن سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اس کے برعکس یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو احادیث جواز کا ثبوت فراہم کرتی ہیں وہ ناسخ ہیں اور جن سے عدم جواز کا اظہار ہو رہا ہے وہ منسوخ ہیں۔

دونوں باتیں مجرد دعویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کسی حکم کو ناسخ ماننے کے لیے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ منسوخ حکم کے بعد دیا گیا ہے اور یہاں یہ ثابت نہیں ہے۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔ ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین

[2] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اخرجہ موسیٰ بن عقبہ فی المغازی ..... رجالہ ثقات الا انہ مرسل وقد وصلہ بعضہم عن الزہری ولا یصح۔ فتح الباری: ۵/۲۳۰

Marfat.com

بعض حضرات نے کہا ہے کہ غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت تھی۔ کسی دوسرے کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ یہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ لیکن اس تخصیص کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے جب تک کسی معاملہ میں تخصیص ثابت نہ ہو آپ کا اسوہ سب کے لیے ہے۔

امام خطابی کہتے ہیں کہ حدیث میں مشرکین کے ہدایا قبول کرنے کی ممانعت ہے اور یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا ہدیہ قبول فرمایا۔ ان دونوں میں تضاد نہیں ہے۔ اس لیے کہ نجاشی نصرانی تھا۔ شریعت نے بعض احکام میں اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان فرق کیا ہے یہ ان ہی میں سے ہے[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہدایا تو قبول کیے جا سکتے ہیں لیکن مشرکین کے ہدایا قبول کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ بات اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اوپر کے واقعات صاف بتاتے ہیں کہ آپ نے مشرکین کے ہدایا بھی قبول فرمائے ہیں۔

اس معاملہ میں صحیح رائے یہ ہے اور یہی جمہور کی رائے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اسلام اور مسلمانوں کا مفاد رہا ہے۔ آپ نے جن لوگوں کے بارے میں دیکھا کہ ان کے ہدایا قبول کرنے سے ان کی تالیف قلب ہوگی اور وہ اسلام کی طرف مائل ہوں گے ان کے ہدیے قبول فرمائے اور انھیں جواباً ہدیے اور تحفے بھی دئے لیکن جہاں اس طرح کی مصلحت نہیں تھی وہاں آپ نے ہدیے رد بھی کر دیے[2]

---

[1] خطابی، معالم السنن: ۳/۲۱

[2] مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ نووی، شرح مسلم ج ۴ جزء ۱۲ ص ۱۱۴۔ فتح الباری: ۵/۲۳۱

Marfat.com

۴۔ غیر مسلم کی شہادت

مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم گواہی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا ان کی گواہی ہر طرح کے معاملات میں قبول کی جائے گی یا صرف بعض معاملات میں؟ جن امور میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی وہ کیا ہیں؟ کیا ہر حال میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی یا بعض مخصوص حالات ہی میں وہ قابل قبول ہوگی؟ ان سوالات کا غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات اور ان سے تعلقات سے گہرا تعلق ہے۔ اس لیے یہاں ان سوالات پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی کوشش کی جائے گی۔

سفر میں وصیت کا حکم

قرآن مجید میں ایک خاص پس منظر میں غیر مسلموں کی شہادت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ	اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی
بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ	کو موت آئے اور وہ وصیت کرے تو
الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ	اپنوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ
ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ	بنائے اور اگر تم سفر میں ہو اور موت کا
مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ	وقت آپہونچے تو دوسروں میں سے دو
فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيبَةُ	کو گواہ بنا سکتے ہو۔ اگر تمہیں گواہوں کے
الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِن	بارے میں شبہ ہو جائے تو تم ان کو نماز
بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ	کے بعد روکو۔ وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں گے

Marfat.com

إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ
شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ
الْآثِمِينَ ۝ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا
اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ
مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ
اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ
فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا
أَحَقُّ مِن شَهَادَتِهِمَا وَمَا
اعْتَدَيْنَا ۖ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ
الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن
يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ
وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَن
تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝
(المائدہ: ۱۰۶-۱۰۸)

کہ ہم اس کے بدلے کوئی مالی فائدہ نہیں
اٹھا رہے ہیں خواہ ہمارا کوئی رشتہ دار
ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپا
رہے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہ گار ہوں
گے۔ پھر اگر پتہ چل جائے کہ ان دونوں
نے (حقیقت کو چھپا کر) گناہ کا ارتکاب
کیا ہے تو ان کی جگہ دو گواہ جو میت سے
سب سے زیادہ قریب ہیں اور جن کا حق
مارا گیا ہے کھڑے ہوں گے اور اللہ کی
قسم کھائیں گے کہ ہماری گواہی ان کی گواہی
کے مقابلہ میں زیادہ سچی ہے۔ ہم نے کوئی
زیادتی نہیں کی ہے ورنہ ہم ظالم ہوں گے۔
اس طرح توقع ہے کہ لوگ شہادت صحیح
طریقہ سے ادا کریں یا اس بات سے ڈریں
کہ ان کی قسمیں دوسری قسموں کے بعد رد
ہو جائیں گی۔ اللہ سے ڈرو اور بات سنو۔
اللہ فاسقوں کی ہدایت نہیں کرتا۔

ان آیات میں جو حکم بیان ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان حالتِ سفر میں ہو، اسی حالت میں اس کا آخری وقت آن پہونچے اور وہ اپنے مال و اسباب یا کسی بھی چیز کی وصیت کرنا چاہے تو اپنے میں سے دو عادل افراد کو یا غیروں میں سے دو کو اپنی وصیت پر گواہ بنا دے۔ (اس پر وصیت کرنے والے کے ورثاء کو اعتراض نہ ہو تو وصیت نافذ ہو جائے گی) لیکن اگر انھیں گواہوں کے بیان پر اعتماد نہ ہو تو گواہ قسم کھائیں گے کہ ان کا بیان صحیح ہے اور کسی دنیوی مفاد کے لیے انھوں نے غلط بیانی سے کام نہیں

Marfat.com

لیا ہے (اس لیے کہ شریعت کا اصول ہے کہ مدعی کو دلیل فراہم کرنی ہوتی ہے اور وہ دلیل فراہم نہ کرسکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ یہاں ورثاء کی حیثیت مدعی کی اور گواہوں کی مدعا علیہ کی ہے) لیکن اگر ورثاء یہ دعویٰ کریں کہ گواہوں کے پاس وصیت کرنے والے کی فلاں چیز موجود ہے اور گواہ یہ کہیں کہ یہ اس سے خریدی گئی ہے۔ (تو اب گواہوں کی حیثیت مدعی کی ہو جائے گی اور انھیں اپنی خریداری کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا، اگر یہ ثبوت فراہم نہ کرسکے) تو دو قریب ترین ورثاء سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے دعویٰ پر قسم کھائیں۔ اس کے بعد اس چیز کا ان کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔[1]

کیا غیر مسلم گواہ ہو سکتا ہے؟

ان آیات سے متعلق مفسرین نے بہت سے سوالات چھیڑے ہیں۔

وصیت پر جو لوگ گواہ بنائے جائیں گے ان کے متعلق فرمایا۔ اِثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ (دو عادل گواہ تمہارے اندر کے ہوں یا دو تمہارے غیروں میں سے)

اس فقرہ کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ گواہ تمہارے گھر اور خاندان کے لوگ ہوں۔ اگر وہ نہ ہوں تو خاندان کے باہر کے لوگ گواہ بنائے جائیں۔ حضرت عکرمہؒ، ابن سیرین اور امام زہری وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں۔

اثنان ذو عدل منکم ای من عشیرته او آخران من غیرکم ای من غیر عشیرته	'دو عادل گواہ ہوں تم میں سے' یعنی وصیت کرنے والے کے قبیلہ سے 'یا دو گواہ تمہارے غیروں میں سے' یعنی وصیت کرنے والے کے قبیلہ کے باہر سے۔

ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ گواہ چاہے خاندان کے ہوں یا خاندان سے باہر

---

[1] جصاص، احکام القرآن: ۲/ ۶۰۱ - ۶۰۲

Marfat.com

کے وہ سب مسلمان ہوں گے۔ غیر مسلم کو گواہ نہیں بنایا جا سکتا۔[۱]

بعد کے مفسرین میں زمخشری بھی اسی کے قائل ہیں۔ کہتے ہیں کہ خاندان کے لوگ وصیت کرنے والے کے حالات اور وصیت کے پس منظر سے بہتر طور پر واقف اور اس کے خیر خواہ ہوتے ہیں اس لیے انھیں ترجیح دی گئی، ہاں ان کی عدم موجودگی میں دوسروں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔[۲]

یہی رائے علامہ ابو السعود کی بھی ہے۔[۳]

لیکن علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ان آیات کے آگے پیچھے خاندان اور قبیلہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لیے وہ مراد نہیں ہو سکتا۔[۴]

کیا صرف اہلِ کتاب کی گواہی معتبر ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، سعید بن مسیبؒ، قاضی شریحؒ، ابن سیرینؒ، امام اوزاعیؒ، ثوریؒ اور امام احمدؒ کی رائے یہ ہے کہ 'وَاٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِکُمْ' کے الفاظ یہاں اہلِ کتاب کے لیے ہیں۔ ان کے نزدیک سفر میں وصیت کی نوبت آجائے اور مسلمان موجود نہ ہوں تو اہلِ کتاب میں سے دو کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔[۵]

اس کی تائید اُس روایت سے ہوتی ہے جو اس کے شانِ نزول میں آئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ قبیلۂ بنو سہم کے ایک صاحب جو مسلمان

۱۔ طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن: ۱۱/۱۶۶–۱۶۸

۲۔ زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۶۵۰

۳۔ ابو السعود، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم علی ہامش الرازی: ۴/۲۰۲

۴۔ جصاص، احکام القرآن: ۲/۵۹۷

۵۔ ابن حجر، فتح الباری: ۵/۴۱۳۔ ان میں سے صحابہ و تابعین کی رایوں کے لیے دیکھی جائے، طبری: تفسیر ۱۱/۱۶۰ اور آگے کے صفحات۔

Marfat.com

تھے (جن کا نام بدیل یا بجیل بتایا گیا ہے) تمیم داری (جو اس وقت نصرانی تھے) اور عدی بن بدّا کے ساتھ سفر پر گئے۔ اس سفر میں ان کا ایک ایسی جگہ انتقال ہوگیا جہاں کوئی مسلمان نہ تھا۔ انتقال سے پہلے انھوں نے اپنا سامان ان دو اشخاص کے حوالہ کر دیا اور کہا کہ اسے ان کے گھر والوں کو پہونچا دیں۔ حضرت تمیم کہتے ہیں کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ہم نے اس کا کچھ سامان رکھ لیا۔ اس میں چاندی کا ایک پیالہ بھی تھا جس پر سونے کے نقش ونگار تھے۔ یہ اس کا سب سے قیمتی سامان تھا۔ اسے ہم نے ایک ہزار درہم میں فروخت کیا اور رقم آپس میں تقسیم کرلی۔ باقی سامان بدیل کے رشتہ داروں کے حوالہ کر دیا۔ انھوں نے اس میں وہ قیمتی پیالہ نہ دیکھا جو بدیل اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ سامان جو اس نے ان دونوں کے حوالہ کیا تھا اس کی فہرست اسی سامان میں موجود تھی۔ سامان اس کے مطابق نہیں تھا اس میں وہ پیالہ بھی غائب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا تو یہ آیات نازل ہوئیں تمیم اور عدی سے جب پیالہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے قسم کھا کر اپنی ناواقفیت ظاہر کردی۔ لیکن جلد ہی یہ پیالہ مکہ میں ایک شخص کے پاس دیکھا گیا۔ اس نے بتایا کہ یہ تمیم اور عدی سے خریدا گیا ہے۔ اس کے بعد بدیل سہمی کے رشتہ داروں نے قسم کھائی کہ پیالہ ان ہی کا ہے اور تمیم اور عدی نے غبن کیا ہے۔ چنانچہ ان آیات کی روشنی میں ان کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا۔[1]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی گورنری کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک مسلمان دقوقہ (عراق کا ایک شہر) میں تھے کہ ان کا آخری وقت آگیا۔ وہاں قریب میں کوئی مسلمان نہ تھا جسے وہ اپنی وصیت کے سلسلہ میں گواہ بناتے۔ چنانچہ انھوں نے اہل کتاب میں سے دو کو گواہ بنایا۔ یہ دونوں کوفہ آئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی خدمت میں پہونچے۔ اس مسلمان کے انتقال کی خبر دی، اس کی وصیت بیان کی اور اس نے جو چیزیں چھوڑی تھیں وہ

---

[1] بخاری، کتاب الوصایا، باب قول اللہ عزوجل یاایہا الذین آمنوا شہادۃ بینکم الخ مع فتح الباری ۵/۴۱۰-۴۱۱۔ ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ المائدہ۔ ابوداؤد، کتاب القضاء، باب شہادۃ اہل الذمہ والوصیۃ فی السفر۔

Marfat.com

واپس کیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا اسی طرح کا ایک واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آیا تھا۔ یہ دوسرا واقعہ ہے۔ پھر ان سے بعد عصر قسم لی کہ انھوں نے نہ تو کذب بیانی کی ہے اور نہ خیانت کی ہے اور نہ اس کی وصیت میں کوئی تبدیلی کی ہے۔ یہ اسی کی وصیت اور اسی کا ترکہ ہے۔ انھوں نے قسم کھائی اور آپ نے اس پر عمل کیا۔[1]

اہلِ کتاب کے علاوہ دیگر غیر مسلموں کی گواہی بھی معتبر ہے

اس مسئلہ میں ایک رائے یہ بھی رہی ہے کہ "اٰخَرَانِ مِنْ غَیْرِکُمْ" (تمہارے غیروں میں سے دو) کو اہلِ کتاب کے ساتھ مخصوص سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ الفاظ عام ہیں۔ ان میں سب ہی غیر مسلم آجاتے ہیں۔ یہ رائے سلف میں سعید بن جبیر، مجاہد، ابن سیرین، ابن زید، عبیدہ بن عمرو السلمانی وغیرہ کی ہے۔ انھوں نے 'من غیرکم' کی تشریح 'من غیر اھل دینکم' (جو تمہارے دین والے نہ ہوں) اور 'من غیر اہل ملتکم' (جو تمہاری ملت والے نہ ہوں) سے کی ہے۔[2]

علامہ ابن جریر طبری نے اسی کی تائید کی ہے۔ کہتے ہیں۔ "اٰخَرَانِ مِنْ غَیْرِکُمْ" میں اللہ تعالیٰ نے کسی گروہ کی تخصیص نہیں کی ہے۔ الفاظ عام ہیں۔ جو لوگ اسلام سے باہر ہیں چاہے وہ یہودی اور نصرانی ہوں یا مجوسی اور بت پرست، سب ہی اس میں آجاتے ہیں۔[3] یہی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔

کیا مسلمان کی عدم موجودگی میں غیر مسلم گواہ ہوں گے؟

قرآن مجید کے الفاظ سے ایک استدلال یہ کیا گیا ہے کہ سفر میں وصیت پر دو عادل مسلمانوں یا دو غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا اختیار ہے۔ وصیت کرنے والا ان میں سے جن کو گواہ

---

[1] ابوداؤد، کتاب القضاء، باب شہادۃ اہل الذمۃ والوصیۃ فی السفر

[2] ابن جریر، تفسیر، ۱۱/ ۱۶۳-۱۶۶

[3] ابن جریر، تفسیر جامع البیان: ۱۱/ ۱۶۹

Marfat.com

بنانا چاہے بنا سکتا ہے لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس میں یہ اختیار نہیں ہے بلکہ آیت کا منشا یہ ہے کہ سفر میں اگر مسلمان گواہ نہ ملیں تو غیر مسلموں کو گواہ بنایا جائے [1]

غیر مسلم کی شہادت صرف حالتِ سفر میں قابلِ قبول ہوگی

جن اصحاب نے وصیت کے معاملہ میں غیر مسلم کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس حکم کا تعلق خاص سفر سے ہے۔ حضر میں مسلمان کے معاملات میں غیر مسلم کی شہادت معتبر نہ ہوگی، اس لیے کہ ایک مسلمان کو اپنے وطن میں کسی غیر مسلم کو گواہ بنانے کی کوئی خاص مجبوری نہیں ہے۔ اسے آسانی سے مسلمان مل سکتے ہیں۔ البتہ سفر میں اس کا امکان ہے کہ وصیت پر گواہ بنانے کے لیے کوئی مسلمان نہ ملے۔ اس صورت میں غیر مسلم کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

قاضی شریح کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی کی شہادت صرف سفر میں جائز ہے اور وہ بھی وصیت کی حد تک [2]

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ وہ اس قسم کی شہادت کو جائز سمجھتے تھے۔ اس کے ذیل میں علامہ خطابی لکھتے ہیں۔

فیہ دلیل علی ان شہادۃ اھل الذمۃ مقبولۃ علی وصیۃ المسلم فی السفر خاصۃ۔	اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ خاص سفر کی حالت میں مسلمان کی وصیت پر ذمیوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔

فرماتے ہیں یہی قاضی شریح، ابراہیم نخعی اور امام اوزاعی کی رائے ہے [3]

---

[1] ماوردی: النکت والعیون: ۱/۴۹۶

[2] ابن جریر، جامع البیان: ۱۱/۱۶۳

[3] خطابی، معالم السنن: ۴/۱۷۱

Marfat.com

وصیت کے مفہوم کی وسعت

قرآن مجید نے وصیت کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں بیع کا اقرار، قرض کا اقرار، ہبہ اور صدقہ جیسے بہت سے امور شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابوبکر جصاص کے بقول اللہ تعالیٰ نے کسی خاص قسم کی وصیت کا حکم نہیں دیا ہے۔ اس لیے اسے محدود نہیں کیا جا سکتا۔[1]

قسم کس نماز کے بعد لی جائے گی؟

وصیت کے سلسلہ میں گواہوں یا میت کے وارثوں سے قسم لینے کی ضرورت پیش آئے تو قرآن مجید نے ہدایت کی ہے کہ بعد نماز قسم لی جائے۔ اس بارے میں دو رائیں ملتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے عصر کی نماز مراد ہے۔ گواہ چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم بعد عصر ان سے قسم لی جائے گی۔ (اس لیے کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے اور اس میں بڑا مجمع بھی ہو سکتا ہے) علامہ ابن جریر نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ لیکن ایک رائے یہ بھی ہے کہ مسلمان سے بعد عصر قسم لی جائے گی اور غیر مسلم سے اس کی نماز (عبادت) کے بعد۔ اسے سمجھایا جائے گا کہ اگر اس نے خیانت کی تو اسے سزا ملے گی اور وہ اپنی قوم میں رسوا ہو گا۔[2]

کیا سورۂ مائدہ کی یہ آیات منسوخ ہیں؟

فقہاء میں ابراہیم نخعی، امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ یہ آیات منسوخ ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے سورۂ بقرہ میں شہادت کا اصول قرض کے لین دین کے سلسلہ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

---

[1] جصاص، احکام القرآن : ۲/۵۹۸

[2] ابن جریر، جامع البیان : ۱۱/۱۷۵، ۱۷۶۔ نیز ملاحظہ ہو، رازی، التفسیر الکبیر: ۳/۴۷۷

Marfat.com

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ......	اور گواہ مقرر کرو اس پر دو گواہ.....
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ	..... ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند
(البقرہ: ۲۸۲)	کرتے ہو۔

اس میں صراحت ہے کہ مسلمانوں کے معاملات کے گواہ ان میں کے پسندیدہ افراد ہونے چاہئیں۔ کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے پسندیدہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لہٰذا اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہو گی۔ قرآن مجید کا ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ	اور اپنے میں سے دو عادل افراد
مِّنْكُمْ (الطلاق: ۲)	کو گواہ مقرر کرو۔

اس میں واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ گواہ مسلمانوں میں سے ہونے چاہئیں اور انھیں عادل ہونا چاہیے۔ امت کا اجماع ہے کہ مسلمانوں میں بھی جو فاسق ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جب فاسق مسلمان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تو کافر کی بدرجہ اولیٰ ناقابلِ قبول ہو گی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نزدیک یہ حکم منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ ان کے نزدیک حالت سفر میں مسلمان موجود نہ ہوں تو غیر مسلموں کو وصیت پر گواہ بنایا جا سکتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب، یحییٰ بن یعمر، سعید بن جبیر، ابومجلز، ابراہیم نخعی، قاضی شریح، عبیدہ سلمانی، ابن سیرین وغیرہ اسی کے قائل ہیں[1]۔ فقہاء میں حضرت سفیان ثوری کی یہی رائے ہے۔ ابوعبید قاسم بن سلام کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔ امام احمد نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

شهادة اهل الذمة جائزة	حالت سفر میں ذمیوں کی شہادت
على المسلمين فى السفر عند	مسلمانوں کے معاملہ میں جائز ہے جب کہ

---

[1] جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ان حضرات کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ اجازت صرف اہلِ کتاب کی حد تک ہے یا عام ہے؟

Marfat.com

عدم المسلمین [1] مسلمان موجود نہ ہوں۔

جن اصحاب نے اسے منسوخ مانا ہے ان کے استدلال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سورۂ مائدہ کا نزول نبوت کے آخری سال میں ہوا جب کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ طلاق اس سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لیے وہ سورۂ مائدہ کے کسی حکم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ علامہ ابوبکر جصاص اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے سورۂ مائدہ کو آخری سورت کہا ہے ان کا منشا یہ ہو سکتا ہے کہ فی الجملہ یہ آخر میں نازل ہوئی اس کے باوجود یہ ممکن ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیتِ دَین جس میں شہادت کا ذکر ہے بعد میں نازل ہوئی ہو، لیکن یہ بات کچھ زیادہ مضبوط نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ خود جصاص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام سے نقل کیا ہے کہ سورۂ مائدہ آخری سورہ ہے اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے۔ وہ روایات یہ ہیں۔

ضمرہ بن جندبؓ اور عطیہ بن قیسؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ مائدہ آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بیان کردہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو یہی بات حضرت عائشہؓ اور حضرت حسن بصری نے کہی ہے۔ ابومیسرہ کہتے ہیں کہ سورۂ مائدہ میں اٹھارہ فرائض (احکام) کا ذکر ہے۔ اس میں کوئی منسوخ نہیں ہے [2]

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ نسخ کے لیے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ ناسخ موجود ہو، دوسرے یہ کہ ناسخ و منسوخ میں جمع کرنا ممکن نہ ہو۔ جن آیات کو ناسخ کہا جاتا ہے ان

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶/ ۳۵۰-۳۴۹۔ علامہ خرقی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حنابلہ عدم مسلمین میں اہلِ کتاب ہی کی شہادت کو معتبر مانتے ہیں (ابن قدامہ: المغنی: ۹/ ۱۸۲) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ بجمعہ جماعۃ القبول باھل الکتاب، و بالوصیۃ وبفقد المسلم حینئذ منھم ابن عباس و ابوموسیٰ الاشعری وسعید بن المسیب وشریح وابن سیرین والاوزاعی والثوری وابو عبید واحمد۔ فتح الباری: ۵/ ۳۱۲

[2] جصاص: احکام القرآن: ۲/ ۵۹۸

Marfat.com

میں شہادت سے متعلق ایک عام حکم ہے اور سورۂ مائدہ ایک خاص صورتِ حال سے بحث کرتی ہے اس لیے ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی مائدہ کے ان احکام کو منسوخ نہیں کہا ہے، اس کے برخلاف تین صحابہ وہ ہیں جنھوں نے صراحت کی ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہیں۔ ان کی اس صراحت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس معاملہ میں ان کی رائے فیصلہ کن ہوگی۔ یہ آیات سفر میں جہاں مسلمان نہ ہوں وصیت پر غیر مسلم کی شہادت کا جواز فراہم کرتی ہیں۔ یہ ایک ضرورت ہے اور ضرورت کے وقت عام احکام بدل جاتے ہیں۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

ربما کان الکافر ثقة عند	بسا اوقات مسلمان کے نزدیک
المسلم ویرتضیه عند	کافر ثقہ اور قابل اعتماد ہو سکتا ہے اور اسے
الضرورة [1]	وہ ضرورت کے وقت پسند کر سکتا ہے۔

امام رازی بھی اس حکم کو منسوخ نہیں مانتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ایک ضرورت کے تحت دیا گیا ہے اور شریعت کا اصول ہے: الضرورات قد تبیح المحظورات۔ (ضرورتیں کبھی ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں) احکام شریعت میں ضرورت اور مجبوری کی رعایت کی گئی ہے۔ نماز کے لیے وضو کی جگہ تیمم، سفر میں نماز کے اتمام کی جگہ قصر، بعض حالات میں رمضان کے روزے قضا کرنے اور اضطرار میں مردار کھانے کی اجازت اس کی مثالیں ہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں بھی ضرورت موجود ہے۔ ایک مسلمان سفر کی حالت میں ہو اور وہاں کوئی مسلمان موجود نہ ہو جسے وہ اپنی وصیت پر گواہ بنا سکے تو غیر مسلم کو گواہ بنانا ایک ضرورت ہے ورنہ بعض اہم مقاصد کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ جیسے اس پر زکوٰۃ اور کفارے واجب ہوں، یا اس کے پاس امانتیں ہوں یا اس کے ذمہ قرض ہو۔ اگر غیر مسلم کی شہادت قبول نہ کی جائے تو مسلمان کی عدم موجودگی میں یہ تمام حقوق اور ذمہ داریاں پوری ہونے سے رہ جائیں گی۔ ان کی شہادت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے حیض، حمل، ولادت، بچہ کا مردہ یا

---

[1] قرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۶/ ۳۵۰-۳۴۹

Marfat.com

زندہ پیدا ہونا جیسے خواتین کے مخصوص معاملات میں ہم عورت کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں اس لیے کہ مردوں کا ان سے واقف ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس حکم کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امت کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ سورۂ مائدہ سب سے آخر میں نازل ہوئی اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے[1]

فقہاء احناف میں امام طحاوی بھی اس حکم کو منسوخ نہیں مانتے[2] صحیح بات یہ ہے کہ اسے منسوخ ماننے کی کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔

غیر مسلم کی شہادت غیر مسلم کے حق میں

اس بحث کا تعلق اس بات سے ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں غیر مسلموں کی شہادت کس معاملہ میں اور کب قبول کی جائے گی؟ اس سے ہٹ کر ایک سوال یہ ہے کہ غیر مسلم کی شہادت خود غیر مسلم کے معاملات میں قابل قبول ہوگی یا نہیں؟

امام شافعی کے نزدیک ذمی کی شہادت نہ مسلمان کے بارے میں قبول کی جائے گی اور نہ غیر مسلم کے بارے میں یہی امام مالک کی بھی رائے ہے۔

امام شعبی، ابن ابی لیلیٰ اور اسحٰق بن راہویہ کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلموں میں ایک مذہب کے ماننے والے کی شہادت اپنے ہم مذہب کے سلسلہ میں تو جائز ہے لیکن دوسرے مذہب کے ماننے والے کے سلسلہ میں قبول نہیں کی جائے گی۔ مثال کے طور پر یہودی کی شہادت یہودی کے معاملے میں تو جائز ہے لیکن نصرانی یا مجوسی کے معاملے میں ناجائز ہوگی۔ امام زہری کی بھی یہی رائے ہے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان عداوت اور دشمنی پائی جاتی ہے اس لیے ان سے عدل وانصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

---

[1] رازی، التفسیر الکبیر: ۳/۷۶ء

[2] عینی، عمدۃ القاری: ۱۱/۳۱۰

Marfat.com

احناف کی رائے یہ ہے کہ کفر اپنے تمام اختلافات کے باوجود ایک ہے اس لیے ایک مذہب کے ماننے والوں کی شہادت دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے سلسلہ میں قبول کی جائے گی۔ ان میں فرق نہیں کیا جائے گا۔[1]

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک ذمیوں کی شہادت مسلمانوں کے معاملات میں تسلیم نہیں کی جائے گی البتہ ان کے آپس کے معاملات میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی، چاہے ان کے درمیان مذاہب کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے نصاریٰ کی شہادت یہود کے سلسلہ میں یا یہود کی شہادت نصاریٰ کے سلسلہ میں۔[2]

علامہ ابوبکر جصاص نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ سورۂ مائدہ کی زیر بحث آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی وصیت پر ذمی گواہ ہو سکتے ہیں۔ جب مسلمان کی وصیت پر ان کی گواہی معتبر ہوگی تو غیر مسلم کی وصیت پر بدرجۂ اولیٰ ان کی گواہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن سورۂ بقرہ کی آیت بتاتی ہے کہ مسلمان کے معاملہ میں غیر مسلم کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی تو غیر مسلموں کی شہادت غیر مسلموں کے حق میں سورۂ مائدہ کی آیات کی روشنی میں اپنی اصل پر باقی رہے گی۔ یعنی ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ سفر میں وصیت کے سلسلہ میں جن فقہاء نے ان کی گواہی تسلیم کی ہے ان کے نزدیک دوسرے تمام حقوق میں بھی ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔[3]

---

[1] خطابی، معالم السنن: ۴/۱۷۲

[2] ہدایہ، کتاب الشہادات ۳/۱۲۷۔ نیز ملاحظہ ہو رد المحتار علی الدر المختار: ۴/۵۲۲

[3] جصاص، احکام القرآن: ۲/۶۰۰ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیات سے اصلاً جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی وصیت پر مجبوری میں ذمیوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اس سے ضمناً یہ نتیجہ بھی نکالا گیا ہے کہ ذمیوں کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں قابل قبول ہے۔ احناف جب اصل ہی کو منسوخ مانتے ہیں تو ایک ضمنی استدلال کو بھی جو اس کی فرع ہے منسوخ ہی سمجھا جائے گا۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶/۳۵۱

Marfat.com

اس کی ایک اور دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب
وسلم اجاز شہادۃ اھل الکتاب	میں سے بعض کی شہادت بعض کے حق میں
بعضھم علی بعض[1]	جائز قرار دی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہود ایک مرد اور عورت کو زنا کے جرم میں پکڑ کر لائے اور فیصلہ کی درخواست کی۔ آپ نے ان سے چار گواہ طلب کیے۔ گواہوں کے بیانات سے مطمئن ہونے کے بعد آپ نے دونوں مجرموں کو رجم کرادیا[2]

یہی رائے احناف کے علاوہ حضرت سفیان ثوریؒ اور بعض دیگر فقہاء کی ہے[3]

غیر مسلم کی شہادت کے معتبر ہونے کی شرط

اسلام نے شہادت کے قبول کرنے کے لیے عدل کی شرط رکھی ہے۔ گواہ اگر عادل نہ ہو تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ غیر مسلم عدل کی شرائط پوری کرتا ہے یا نہیں، اسے کسی معاملہ میں عادل مانا جائے گا یا اس کی شہادت کبھی قبول نہیں کی جائے گی؟

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

ان اتصاف الکافر	کافر کو عادل مانا جائے یا نہیں؟ اس
بالعدالۃ مختلف فیہ	میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف فرع ہے
وھو فرع قبول شہادۃ	اس اصل کی کہ اس کی شہادت قبول

---

[1] ابن ماجہ۔ ابواب الاحکام، باب شہادۃ اہل الکتاب بعضہم علی بعض۔ اس کے ایک راوی مجالد پر محدثین نے جرح کی ہے۔ نصب الرایہ: ۴/ ۸۵

[2] جصاص، احکام القرآن ۲/ ۶۰۱۔ اس کی سند پر بحث کے لیے دیکھی جائے نصب الرایہ: ۴/ ۸۵

[3] ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۱۸۴

Marfat.com

فمن قبلها وصفه بها	کی جائےگی یا نہیں؟ جس نے اسے قبول کیا
ومن لا فلا [1]	اس نے اسے عدل سے متصف قرار دیا اور
	جس نے اسے قبول نہیں کیا اس نے اسے
	اس وصف سے متصف نہیں مانا۔

سورۂ مائدہ کی زیر مطالعہ آیات کے ذیل میں امام رازی نے اس مسئلہ پر بڑی عمدہ بحث کی ہے۔ اسے ہم اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

قرآن مجید کا حکم ہے وَاَشْھِدُوْا ذَوِیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ (اپنے میں سے دو عادل افراد کو گواہ بناؤ) اس کا مطلب یہ ہے کہ شہادت عادل مسلمان کی ہونی چاہیے۔ اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کافر عادل نہیں ہو سکتا اس لیے اس کی شہادت قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں عدل کا مطلب عقیدہ کی صحت اور فکر کی سلامتی نہیں بلکہ جھوٹ اور غلط بیانی سے احتراز ہے۔ اسی وجہ سے اہل بدعت اور اہلِ اہوار کو گمراہ سمجھنے کے باوجود ان کی شہادت، اگر وہ جھوٹ سے بچیں تو، قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح جو غیر مسلم راست باز ہو، کذب بیانی اور مکر و فریب سے دامن کش رہتا ہو اس کی شہادت بھی قبول کی جانی چاہیے۔ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ غیر مسلم عادل نہیں ہوتا تو یہ ایک عمومی بات ہوگی۔ سورۂ مائدہ میں جس مخصوص صورت حال کا ذکر ہے وہ اس سے مستثنیٰ سمجھی جائے گی [2]

امام رازی کی یہ رائے اس پہلو سے اہم ہے کہ اس سے ایک وسیع دائرہ میں غیر مسلم کی شہادت کا جواز فراہم ہوتا ہے۔

بعض حالات میں غیر مسلم کی شہادت قبول کی جاتی ہے

قرآن مجید میں زیر بحث آیات کے علاوہ شہادت یا گواہی کا ذکر حسب ذیل مواقع

---

[1] فتح الباری: ۵/۲۱۶

[2] رازی، التفسیر الکبیر: ۳/۴۷۶

Marfat.com

پر آیا ہے۔

۱۔ مسلمانوں کے درمیان قرض کا لین دین ہو تو اس پر گواہ رکھے جائیں (البقرہ: ۲۸۲)

۲۔ یتیم جب سنِ بلوغ کو پہونچ جائے اور اس میں معاملات کی سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے تو سرپرست اس کا مال اس کے حوالے کر دے اور اس پر گواہ رکھے۔ (النساء: ۶)

۳۔ سورۂ نور میں زنا کے الزام اور بیوی پر زنا کی تہمت کے سلسلہ میں شہادت کا ذکر ہے۔ (النور: ۶، ۹)

۴۔ حکم ہے کہ طلاق کے بعد رجوع یا جدائی کی جو شکل بھی اختیار کی جائے اس پر اپنے میں سے دو عادل گواہ رکھے جائیں۔ (الطلاق: ۲)

ان آیات میں مسلمانوں کے لین دین، یتیموں کے حقوق، ان کے سرپرستوں کی ذمہ داریوں، بدکاری، اس کی تہمت اور طلاق کے احکام کا بیان ہے۔ یہ مسائل براہِ راست مسلم سماج سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان میں مسلمانوں کی شہادت کا ذکر ہے۔ جو مسائل خالص تعبدی نوعیت کے ہوں، جیسے عبادات یا جن کا تعلق نکاح و طلاق اور مسلمانوں کے معاشرتی امور سے ہو ان میں فطری بات یہی ہے کہ جہاں شہادت کی ضرورت پیش آئے مسلمان ہی کو گواہ بنایا جائے لیکن بعض حالات اور بعض مسائل ایسے ہو سکتے ہیں جن میں غیر مسلم کی شہادت قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔

ہمارے فقہاء نے شہادت کی بحث اسلامی ریاست کے پس منظر میں کی ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اسے ذمی کی شہادت کی حیثیت سے پیش کیا ہے[1]

اسلامی ریاست جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں اور جہاں اسلامی قانون نافذ ہو وہاں ممکن ہے کہ بہت سے معاملات میں غیر مسلموں کی شہادت کی ضرورت نہ پیش آئے

---

[1] شہادت کے مسئلہ اور اس کے احکام کے ذیل میں قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔ ھٰذا الحکم (ای حکم الشھادۃ) یختص بالکافر الذمی واما الکافر الذی لیس بذمی فقد حکی فی البحر الاجماع علی عدم قبول شھادتہ علی المسلم مطلقاً۔ نیل الاوطار: ۹/ ۲۰۸

Marfat.com

یا شاذو نادر پیش آئے، لیکن اس کے باوجود فقہاء نے حالات وضروریات کے تحت بعض معاملات میں غیر مسلم کی شہادت بھی قبول کی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وقد قبلت شہادۃ الکافر فی بعض المواضع کما فی الطب[1] — بعض مواقع پر کافر کی شہادت قبول کی گئی ہے، جیسے کہ طب کا معاملہ ہے۔

شہادت کی مخصوص نوعیت ہے۔ اس سے ہٹ کر فقہاء نے غیر مسلم کی خبر پر اعتماد کا بھی حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنے قول میں صادق مانا جا سکتا ہے۔ فقہ حنفی میں ہے کہ کوئی غیر مسلم چاہے وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو اگر یہ اطلاع دے کہ اس نے کسی کتابی سے گوشت خریدا ہے تو مسلمان کے لیے اس کا کھانا حلال ہے (اس لیے کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے) اسی طرح اگر وہ یہ اطلاع دے کہ اس نے گوشت مجوسی سے خریدا ہے تو مسلمان کے لیے اس کا کھانا حرام ہوگا۔ محض اس وجہ سے کہ ایک شخص نے (وہ بھی غیر مسلم نے) اس کی اطلاع دی ہے اس کی خبر کو غلط نہیں قرار دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں اصولی بات یہ کہی گئی ہے۔

ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات[2] — اس پر اجماع ہے کہ کافر کی خبر معاملات میں قبول کی جائے گی البتہ دینی امور میں قبول نہیں کی جائے گی۔

موجودہ حالات پر ایک نظر

موجودہ دور میں بیشتر مسلم ریاستوں میں غیر مسلم خاصی تعداد میں آباد ہیں اور ان ملکوں کے سیاسی، معاشی اور سماجی معاملات میں اس طرح ان کا عمل دخل ہے کہ مسلمان ان سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ ان کی ضروریات ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ سوال یہ

---

[1] فتح الباری : ۵/۱۳ا۲

[2] در المختار : ۵/۳۰۱-۳۰۲

Marfat.com

ہے کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان کی شہادت معتبر ہوگی یا نہیں؟ ہمارے خیال میں اوپر کے بیانات کی روشنی میں اس کی گنجائش نکلتی ہے۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی زیادہ تر آبادی ان ممالک میں بستی ہے جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہیں اور جہاں معاملات ہر ملک کے اپنے قوانین کے تحت طے ہوتے ہیں۔ ان ممالک میں مسلمان بیع و شرا، قرض کے لین دین، زمین اور جائیداد کی خرید و فروخت، باہمی نزاعات اور جرائم وغیرہ کے سلسلہ میں غیر مسلموں کی شہادت پر بسا اوقات مجبور ہیں۔ اسی بنیاد پر ان کے حقوق کا تحفظ اور ان کے نقصانات کی تلافی ہوسکتی ہے۔ اس صورت حال میں ان کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ بظاہر ان حالات اور مسلمانوں کی عمومی ضروریات کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے دنیوی معاملات میں قابل اعتماد اور راست باز غیر مسلم کی شہادت بھی مسلمان کی شہادت ہی کی طرح قبول کی جائے۔

Marfat.com

اسلامی ریاست

اوراس میں غیر مسلموں کے حقوق

Marfat.com

اسلامی ریاست

اسلامی ریاست کا تصور نیا نہیں ہے۔ اس کا خاکہ قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اسلامی علوم کے ماہرین نے اپنے اپنے دور میں اس کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ اصول ومبادی پر اتفاق کے باوجود بعض نکات پر ان کے درمیان اختلاف بھی رہا ہے اور دلائل کے ساتھ ان پر بحث ومباحثہ بھی ہوتا رہا ہے۔ یہ اس کا علمی پہلو ہے۔ عملی پہلو سے دنیا اسلامی ریاست کا کامیاب تجربہ کر چکی ہے اور اس کے برکات وثمرات سے صدیوں فائدہ اٹھاتی رہی ہے لیکن اس کے باوجود موجودہ دور میں اسلامی ریاست کا نام لیا جاتا ہے تو مخالفین اس طرح چونک پڑتے ہیں جیسے خطرہ کی گھنٹی بج رہی ہے اور کوئی زبردست بھونچال آنے والا ہے جس سے نوع انسانی کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ اعتراضات اور الزامات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک جابرانہ اور کلیت پسندانہ نظام کا داعی ہے، وہ کسی دوسرے فکر اور طرزِ حیات کو برداشت نہیں کرتا، اس میں رواداری اور وسعتِ نظر نہیں ہے، وہ حریّتِ فکر، آزادیٔ خیال اور اختلاف رائے کی اجازت نہیں دیتا، وہ جارحیت اور تشدد کا علمبردار ہے اور اپنے خیالات بزور پھیلانا چاہتا ہے، وہ عدل وانصاف کے معروف اصولوں کا پابند نہیں ہے، اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق محفوظ نہیں ہیں، وہ قدامت پرستی کا علم بردار ہے اور اس میں دورِ جدید کے تقاضوں کی رعایت نہیں ہے، وہ تہذیب، آرٹ اور فنونِ لطیفہ کا دشمن ہے اور معاشرہ کو ماضی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

اسلام کے ان مخالفین کو حکومت واقتدار اور ذرائع ابلاغ کی جدید ترین سہولتیں

Marfat.com

حاصل ہیں اور میڈیا کی زبردست قوت ان کے پاس ہے، اس کی مدد سے ایک طرف تو اس نوع کے اعتراضات کے ذریعہ مسلسل یہ ثابت کرنے کی کوشش جاری ہے کہ اسلام کا تصورِ ریاست دورِ جدید کے لیے ناقابل قبول ہے اور دوسری طرف اسلامی ملکوں میں جہاں کہیں اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد ہو رہی ہے اسے ناکام بنانے کی بدترین سازشیں کی جاتی ہیں۔ اس کے لیے کسی بھی خفیہ اور علانیہ تدبیر اختیار کرنے اور اپنی سیاسی قوت کو استعمال کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اس وقت جمہوریت، حریتِ فکر، رواداری اور عدل وانصاف کے سارے تقاضے اس طرح فراموش کر دیے جاتے ہیں جیسے اسلام کے 'بھیانک نتائج' سے دنیا کو بچانے کے لیے سب کچھ روا ہے۔

یہاں ان اعتراضات کی براہ راست تردید یا ان کے پیچھے کارفرما محرکات سے بحث کی جگہ اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں۔ یہ تعلیمات غیر مسلموں کے سلسلے میں اسلام کا اصولی موقف واضح کرتی ہیں۔ ان میں ان اعتراضات کا جواب بھی ہے جو اس موضوع پر کیے جاتے ہیں۔

Marfat.com

اسلامی ریاست کے بعض رہنما اصول

اسلامی ریاست جن مقاصد کے لیے وجود میں آتی ہے اور جن اصول وضوابط کی وہ پابند ہوتی ہے، یہاں ان میں سے بعض کا ذکر کیا جارہا ہے۔ اس سے ایک طرف تو اسلامی ریاست، جس کی اس قدر مخالفت ہو رہی ہے، اس کے سمجھنے میں مدد ملے گی اور اس کے نمایاں خدوخال سامنے آسکیں گے، دوسری طرف غیر مسلموں کے ساتھ اس کے رویہ کو بہتر طریقہ سے سمجھا سکے گا۔

عدل وانصاف کا قیام

ظلم وزیادتی کی کوئی ایک شکل نہیں ہے یہ سماجی، معاشی، معاشرتی، سیاسی ہر طرح کا ہوتا ہے۔ دنیا ان سب کا تجربہ کرچکی ہے اور کررہی ہے۔ اسلام ہر نوع کے جور وظلم کے خلاف ہے۔ وہ اس کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں دیتا اور اپنے ماننے والوں کو عدل وانصاف کا پابند بناتا ہے۔ وہ اس کی بنیاد پر پورے معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ (النحل: ۹۰)	بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل واحسان کا اور قرابت داروں کا حق ادا کرنے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے، منکر سے اور ظلم وزیادتی سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

Marfat.com

عدل کے ہم معنی لفظ 'قسط' ہے۔ فرمایا۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ (الاعراف: ۲۹)	کہہ دو میرے رب نے عدل وقسط کا حکم دیا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی .... (الانعام: ۱۵۲)	ناپ اور تول کو پورا کرو انصاف کے ساتھ، ہم کسی شخص پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتے ہیں جتنی اس میں طاقت ہے اور جب کوئی بات کہو تو عدل وانصاف کے ساتھ کہو، چاہے معاملہ قرابت دار ہی کا کیوں نہ ہو۔

اس میں اس بات کی تاکید ہے کہ عدل وانصاف کا دامن ہرگز نہ چھوڑا جائے، چاہے اس کی زد عزیزوں اور قرابت داروں ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔ یہی بات ایک اور جگہ زیادہ وضاحت اور پورے زور اور قوت کے ساتھ کہی گئی ہے۔ حکم ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء: ۱۳۵)	اے ایمان والو عدل وقسط کو لے کر کھڑے ہو جاؤ، اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو چاہے اس کی زد تمہاری ذات پر پڑے، یا والدین اور رشتہ داروں پر۔ اگر صاحب معاملہ مالدار یا غریب ہے تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ لہٰذا تم خواہش کی اتباع نہ کرو کہ عدل سے پھر جاؤ اگر تم زبان کو موڑ کر بات کرو یا اعراض کرو تو اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

Marfat.com

اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ ظلم کو ختم کر کے عدل و انصاف قائم کرے۔ اسلام اپنے حدودِ اقتدار میں کسی بھی قسم کی ناانصافی، حق تلفی اور ظلم و جور کا روادار نہیں ہے۔ اس کا صاف حکم ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ	بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ
تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا.	امانتیں اہل امانت کو پہنچاؤ اور جب
وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ.	لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف
اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ	کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ تمہیں اچھی نصیحت
نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ	کرتا ہے۔ بے شک اللہ سننے اور
سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ (النساء: ۵۸)	دیکھنے والا ہے۔

عدل و انصاف کے معاملے میں اس کے نزدیک دوست اور دشمن کا فرق صحیح نہیں ہے وہ دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی اس کی پابندی کو لازمی قرار دیتا ہے اور کسی حال میں اس سے انحراف کی اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے
کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ	لیے کھڑے ہونے والے اور انصاف
بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ	کی گواہی دینے والے بن کر رہو۔ کسی
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا	قوم کی دشمنی تمہیں اس قدر مشتعل کر دے
تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ	کہ تم انصاف نہ کرو یہی بات تقویٰ سے
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ج وَاتَّقُوا	زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے
اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا	رہو بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس
تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸)	سے باخبر ہے۔

عدل و قسط کے قیام کے لیے وقت ضرورت طاقت کا استعمال بھی اسلام کی رو سے ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ سورۂ حدید میں ارشاد ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ	ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیوں

Marfat.com

وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ‏﴿﴾

(الحدید: ۲۵)

اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہوں اور ہم نے لوہا نازل کیا اس میں سخت (سامان) جنگ ہے اور لوگوں کے لیے (دوسرے) منافع بھی ہیں تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس کو دیکھے بغیر اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ طاقت والا اور زبردست ہے۔

اس طرح اسلام ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کا حکم دیتا اور فرد اور ریاست دونوں کو اس کا پابند بناتا ہے۔ اس معاملے میں اس کی ہدایات اتنی واضح ہیں کہ کوئی ہوش مند انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا ریاست عدل کی راہ سے ہٹے تو یہ اسلام کی صریح خلاف ورزی ہوگی، اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔[1]

اسلام کے لیے جبر کی اجازت نہیں

ایک اعتراض یہ ہے کہ اسلام کے مزاج میں جبر و تشدد ہے۔ وہ دوسروں کو بزور اپنے عقیدہ اور فکر کا پابند بنانا چاہتا ہے اور طاقت کے ذریعہ مخالف افکار و نظریات پر غالب آنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے اقتدار اور حکومت کو بزور اسلام پھیلانے کے لیے استعمال کیا ہے۔

---

[1] اس موضوع سے متعلق مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ 'اسلام کمزور کی ظلم سے حفاظت کرتا ہے' مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ اپریل۔ جون ۱۹۸۲ء

Marfat.com

اس دنیا میں بہت سے مذاہب، مختلف فلسفے اور افکار و نظریات ماضی میں بھی رہے ہیں اور اب بھی پائے جاتے ہیں۔ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہی سب سے بہتر اور برتر ہے۔ اسے اس کا حق حاصل ہے۔ اسلام کا بھی دعویٰ ہے کہ وہی واحد دین حق ہے۔ اسے وہ بزور طاقت نہیں بلکہ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ عام کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے دلیل و برہان، وعظ و نصیحت اور بحث و گفتگو کا طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ	دعوت دو اپنے رب کے راستے کی
بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ	طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ
الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ	اور مباحثہ کرو ان سے اس طریقہ سے جو
هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ	بہترین ہے۔ بے شک تمہارا رب خوب
اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ	جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝	گیا ہے اور وہ ان لوگوں کو بھی اچھی طرح
(النحل: ۱۲۵)	جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔[1]

جو نظریہ دلیل و برہان سے بات کرنا چاہے اور افہام و تفہیم کی راہ اختیار کرے اس پر جبر و اکراہ کا الزام مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں میں تضاد ہے۔ جب کسی نظریہ میں دوسروں کو مطمئن کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو وہ موقع ملنے پر جبر و تشدد پر اتر آتا ہے لیکن اسلام اس یقین اور اطمینان کے ساتھ ہمارے سامنے آتا ہے کہ دلیل کے میدان میں اسے شکست نہیں دی جاسکتی اس لیے جبر کو وہ خارج از بحث سمجھتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ	دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون 'حکمت دعوت'، مطبوعہ ماہنامہ زندگی نو نئی دہلی۔ اپریل، مئی، جولائی اور اگست ۱۹۸۷ء کے شمارے۔

Marfat.com

تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ	نہیں ہے۔ بے شک ہدایت بالکل واضح
فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ	ہو گئی ہے گم راہی سے۔ پس جو شخص طاغوت
بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ	سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے
الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ	اس نے مضبوط رسی پکڑ لی، جو ٹوٹنے والی
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اَللّٰهُ وَلِيُّ	نہیں ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ	اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا	وہ انھیں ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی
اَوْلِيٰٓــُٔـهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ	طرف پہونچاتا ہے۔ جن لوگوں نے کفر
مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ	کیا ان کے اولیاء طاغوت ہیں۔ وہ انھیں
النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○	نور سے ظلمتوں کی طرف لے جاتے ہیں
(البقرہ: ۲۵۶-۲۵۷)	یہ جہنم والے ہیں۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا	بے شک ہم نے انسان کو راستہ
شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا	دکھایا ہے۔ اب وہ چاہے شکر گزار بنے
(الدہر: ۳)	یا (ناشکرا اور) کافر۔

سورۂ کہف میں ارشاد ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ	کہہ دو حق تمہارے رب کی طرف
فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ	سے آچکا ہے، پس جو چاہے اس پر
شَآءَ فَلْيَكْفُرْ	ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ
(الکہف: ۲۹)	اختیار کرے۔

ان آیات میں صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حق آیا ہے وہ بالکل واضح ہے جس کا جی چاہے قبول کرے اور جس کا جی چاہے انکار کردے۔ اس کے بعد اس اقرار و انکار کے انجام سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے تاکہ آدمی

Marfat.com

فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے کہ وہ کس انجام کو پسند کرتا ہے؟

اسلام ایک دعوتی اور تبلیغی دین ہے۔ جبر و اکراہ اس کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ وہ اس نقطۂ نظر کا حامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اختیار اور آزادی سے نوازا ہے، حالانکہ اللہ چاہتا تو ہر فرد بشر کو اپنا تابع فرمان بنائے رکھتا اور کسی میں اس کی نافرمانی کا یارا نہ ہوتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ حق و باطل کو واضح کیا اور انسان کو پوری آزادی دی کہ ان میں سے جو راہ چاہے اختیار کرے۔ اس آزادی کے صحیح استعمال پر ہی اس کی کامیابی کا انحصار ہے۔ اس کا غلط استعمال اس کو دنیا اور آخرت کی ناکامی سے دوچار کرے گا۔ یہ وہ زبردست مصلحت ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں جبر نہیں رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کے لیے جبر و تشدد کا طریقہ اپناتا ہے تو اس مصلحتِ خداوندی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس مضمون کی بعض آیات یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (یونس: ۹۹)	اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے (جب اس نے یہ نہیں چاہا) تو کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔
وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ (یوسف: ۱۰۳)	اکثر لوگ، آپ کتنا ہی چاہیں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا قانون اس طرح بیان ہوا ہے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝	اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ کر رہے تھے اس کے بارے

Marfat.com

(النحل: ۹۳) میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔

سورۂ شوریٰ میں یہی بات ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (الشوریٰ: ۸)

اگر اللہ چاہتا تو انھیں ایک امت بنادیتا لیکن وہ تو جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے اس سے محروم کر دیتا ہے) ظالموں کا کوئی سرپرست اور مددگار نہ ہوگا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے داعیِ اعظم تھے۔ آپ کے قلب مبارک میں یہ بے پناہ خواہش موجزن تھی کہ اللہ کے سارے بندے اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ ان آیات میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ایسی بنائی ہے کہ یہاں فکر و عمل کا اختلاف لازماً رہے گا اور لوگوں کے طرزِ فکر اور طریقہائے حیات جدا جدا ہوں گے، اس لیے آپ اپنی مقدس تمنا اور پاکیزہ خواہش کے باوجود انسانوں کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کو ختم کر کے، سب کو اللہ کے دین کا پابند نہیں بنا سکتے۔ آپ کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ حق واضح کردیں۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ضلالت میں بھٹکنے چھوڑ دیتا ہے۔

اسلام کے ماننے یا نہ ماننے کے سلسلہ میں یہ اس قدر منطقی اور معقول موقف ہے کہ حریتِ فکر کا کوئی بڑے سے بڑا علم بردار بھی آسانی سے اسے چیلنج نہیں کرسکتا۔ اس کی فقہی اور قانونی حیثیت کو مشہور فقیہہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس طرح واضح کیا ہے:

(اسلامی ریاست میں) کسی ذمی یا مستامن کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کسی کو مجبور کیا گیا اور اس نے مجبوری کی حالت میں اسلام کا اظہار کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ہاں اگر مجبوری کے ختم ہونے کے بعد وہ

Marfat.com

اسلام پر ثابت قدم رہے تو اس کے اسلام کو معتبر سمجھا جائے گا۔ اگر اس سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو جائے تو سمجھا جائے گا کہ اس نے درحقیقت اسلام قبول نہیں کیا اور حالتِ کفر میں اس کی موت واقع ہوئی۔ جبر کے ذریعہ اسلام لانے کے بعد اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے یا اپنے دین کی طرف لوٹ جائے تو اسے نہ تو ارتداد کی سزا (قتل) دی جائے گی اور نہ اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہی امام احمدؒ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی رائے ہے۔ اس کی دلیل قرآن مجید کی آیت لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ: ۲۵۶) ہے[1]

اس کے بعد کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اسلام کے لیے جبر و اکراہ کا طریقہ اختیار کیا گیا؟ اسلام کی طویل تاریخ میں اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ کسی نے یہ حرکت کی ہے، جس کا ثابت کرنا آسان نہیں ہے، یا آئندہ کسی سے یہ حرکت ہو تو کیا اسے قرآن کی سند حاصل ہو گی؟

اسلام اور دیگر مذاہب

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے ساتھ اسلام کا رویہ معاندانہ ہے۔ وہ اپنے مخالفین کے مذہبی جذبات کی رعایت نہیں کرتا اور ان کی قابلِ احترام شخصیتوں پر جارحانہ حملے کرتا ہے۔ اس کی تنقیدیں مذہبی دل آزاری کا سبب بنتی ہیں۔

یہ اعتراض بے بنیاد ہے۔ اسلام دینِ توحید ہے، اس نے شرک پر زبردست تنقید کی ہے اور اس کی کمزوریاں واضح کی ہیں۔ اس بنیاد پر مشرکینِ مکہ سے اس کی سخت کشمکش بھی رہی۔ ان حالات میں اس نے دو باتوں کا حکم دیا۔ ایک یہ کہ مشرکوں کے معبودوں کو، جنھیں وہ معبودانِ باطل

---

[1] ابن قدامہ: المغنی ۱۲/۲۹۱-۲۹۲

Marfat.com

سمجھتا ہے، برا بھلا نہ کہا جائے، اس لیے کہ اس کے ردعمل میں مشرکین اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔ یہ بات سخت نازیبا ہے کہ ہماری کسی حرکت سے مخالف طیش میں آئے اور اللہ تعالیٰ کی شان میں زبان درازی شروع کردے۔ ارشاد ہے:۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ	یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے
مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ	ہیں تم انھیں برا بھلا نہ کہو کہ وہ حد سے
عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ	آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو برا
زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ	بھلا کہنے لگیں۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ
إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ	کو اس کا عمل خوشنما بنا دیا ہے۔ پھر انھیں
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝	اپنے رب کے پاس لوٹنا ہے، وہ انھیں
(الانعام: ۱۰۸)	بتائے گا کہ وہ کیا کر رہے تھے۔

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ مخالفین کی طرف سے سب و شتم، لعن طعن اور تضحیک و تمسخر جاری ہے۔ اس کا جواب اسی زبان اور اسی لہجہ میں نہ دیا جائے، جواب ہو تو بطریق احسن ہو، گو تمہارے خلاف گندی زبان استعمال ہو رہی ہے لیکن تمہاری زبان ہر طرح کی آلائش سے پاک رہے، کسی کے اشتعال دلانے کی وجہ سے تہذیب و شائستگی کا دامن نہ چھوٹنے پائے اور حسن خلق سے دل جیتنے کی کوشش کی جائے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا	یکساں نہیں ہے نیکی اور نہ بدی۔ تم
السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ	بدی کو دفع کرو اس طریقہ سے جو احسن
أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ	ہو، پھر تم دیکھو گے کہ تمہارے اور جس شخص
وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ	کے درمیان دشمنی ہے گویا وہ جگری
حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ	دوست ہے۔ یہ خوبی ان ہی کو ملتی ہے
صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ	جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام اسی کو حاصل
عَظِيمٍ ۝ (فصلت: ۳۵)	ہوتا ہے جو بڑے نصیبے والا ہے۔

Marfat.com

وہ دین جو مخالفین کے معبودان باطل کو برا بھلا کہنے کی اجازت نہ دے اور جو کارِ دعوت کو اتنی بلند اخلاقی سطح سے انجام دینے کی تعلیم دے جس سے زیادہ بلندی ممکن نہیں ہے، اس کے بارے میں یہ الزام کتنا عجیب سا ہے کہ وہ دوسروں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتا ہے؟

اہل کتاب کے ساتھ اسلام کا رویہ

قرآن مجید نے مشرکین کے ساتھ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے بھی براہِ راست خطاب کیا۔ ان سے اسلام کا بنیادی عقائد میں بڑی حد تک اشتراک تھا۔ خدا، رسول اور آخرت کو وہ اصولی طور پر مانتے تھے۔ ان کے پاس گو کہ آسمانی کتابیں تھیں، لیکن ان میں بڑے پیمانے پر تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے سلسلہ میں اسلام نے حسب ذیل رویہ اختیار کیا۔

دنیا میں جتنے پیغمبر آئے ان سب پر ایمان کو ضروری قرار دیا اور کہا کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی صریح کفر ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ (البقرہ: ۲۸۵)	رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور اس کے ماننے والے بھی اس پر ایمان لائے ہیں۔ یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ	بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس

Marfat.com

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ	کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے
يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ	ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان
وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ	تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے
بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ	ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور کفر و ایمان
يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا	کے بیچ میں راستہ نکالنا چاہتے ہیں تو
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ	یہی لوگ پکے کافر ہیں اور کافروں کے
حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ	لیے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا
عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ	ہے (اس کے برعکس) جو لوگ اللہ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ	اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئے
يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ	اور ان کے درمیان تفریق نہیں کی وہ
اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ	ان کو ان کا اجر ضرور دے گا اور اللہ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء: ۱۵۰-۱۵۲)	غفور و رحیم ہے۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سارے پیغمبروں پر ایمان کو لازمی قرار دیا بلکہ ان کے پیغام، ان کی دعوت، اس راہ میں ان کی جدوجہد اور قربانی اور انسانوں کے ساتھ ان کی محبت اور ہمدردی کو تفصیل سے پیش کیا۔ ان کی سیرت پر بہت سے داغ دھبے مخالفین نے اور بعض اوقات ان کے ماننے والوں اور ان سے عقیدت کا دم بھرنے والوں نے ڈال رکھے تھے۔ اس نے ان کا ازالہ کیا اور ان کی پاکیزہ سیرت اور درخشاں کردار کو واضح کیا۔ ان کی نیکی اور تقویٰ کی گواہی دی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے واسطے سے اہل ایمان کو ان کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کا حکم دیا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى	یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے
اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۝	راہِ ہدایت دکھائی ہے۔ آپ ان
(الانعام: ۹۰)	کی راہ کی پیروی کیجئے۔

اسی طرح اس نے ان تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کی جو مختلف ادوار میں اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کی طرف سے نازل ہوتی رہی ہیں۔ ان پر ایمان اور یقین کو عقیدہ کا جزو قرار دیا۔ اسلام کے ماننے والے کسی شخص کا عقیدہ اس وقت تک معتبر نہ ہوگا جب تک کہ وہ سلسلۂ وحی و رسالت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق نہ کرے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ایمان
اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ	لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس
الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ	کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل
الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ	کی اور ہر اس کتاب پر جو اس نے اس
قَبْلُ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ	سے پہلے نازل کی۔ جو شخص انکار کرتا ہے
وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝	کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخرت
(النساء: ۱۳۶)	کے دن کا تو وہ گم راہی میں بہت دور نکل گیا۔

قرآن مجید کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس زمین پر جتنے پیغمبر آئے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب نے توحید کی تعلیم دی، شرک کی تردید کی اور غیر اللہ کی عبادت و اطاعت سے منع کیا۔ اس بنیاد پر اس نے اہل کتاب سے کہا کہ توحید تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک کلمہ ہے۔ آؤ ہم سب مل کر اس پر عمل کریں اور اس کے تقاضے پورے کریں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا	اے پیغمبر کہو۔ اے اہل کتاب آؤ
اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ	ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور
اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ	تمہارے درمیان یکساں (مشترک) ہے وہ
بِهٖ شَیْـًٔا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا	یہ کہ ہم بندگی نہیں کریں گے مگر صرف اللہ
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا	کریں گے اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝	کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ اسے قبول نہ
	کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم تو مسلم (اللہ کی

Marfat.com

(آل عمران: ٦۴) اطاعت کرنے والے ہیں۔

قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ اگر خدا ہے اور اس کی طرف سے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری رہا ہے تو اسلام کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ وہ اس سلسلہ کی آخری کڑی اور اس ہدایت و رہنمائی کی تکمیل ہے جو ہمیشہ سے نوع انسانی کو پیغمبروں کے ذریعہ ملتی رہی ہے۔ اس کے ساتھ اسلام نے اہلِ کتاب کی تحریفات کی نشاندہی کی، حق و باطل کو الگ کر کے دکھایا، توحید، رسالت اور آخرت کا صاف اور بے آمیز تصوّر پیش کیا، ان کی دنیا داری پر تنقید کی، ان کے نیک اور صالح افراد کی تعریف کی۔ ان تمام مسائل پر بطریقِ احسن گفتگو کا حکم دیا:-

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ	اور اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر
اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ اِلَّا	اس طریقہ سے جو بہتر ہے سوائے ان
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا	لوگوں کے جو ان میں ظالم اور بے انصاف
اٰمَنَّا بِالَّذِىْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا	ہیں اور کہو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر
وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا	جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اس کتاب پر
وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ	جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ہمارا معبود
مُسْلِمُوْنَ ٥	اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مطیع

(عنکبوت: ۴٦) و فرماں بردار ہیں۔

مذاہب کے بارے میں کیا اس سے زیادہ سنجیدہ اور معقول رویہ کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

Marfat.com

جہاد اور اس کے احکام

اسلامی ریاست کا تصور اس کے مخالفین کے نزدیک دورِ قدیم کی ایک جنگ جو ریاست کا تصور ہے جو بدترین جارحانہ عزائم رکھتی ہے۔ وہ دوسروں کے عقیدہ و عمل پر حملہ آور ہوگی اور اپنے عقیدہ و عمل کو ان پر زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کرے گی۔ وہ ایک جابر قوت بن کر ابھرے گی اور دنیا کے امن و امان کو غارت کر کے رکھ دے گی۔ آج کے مہذب انسان کے لیے وہ کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسلام ایک سخت گیر نظریاتی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ طاقت کے استعمال اور جہاد کا حکم دیتا ہے۔ جہاد ان حضرات کے نزدیک بہت ہی خطرناک اصطلاح ہے۔ یہ ہر مخالف کو بزورِ شمشیر اسلام پر مجبور کرنے اور نہ ماننے پر سر قلم کر دینے کا نام ہے۔

اسلامی ریاست کا یہ پورا تصور ہی ایک ذہنی اختراع ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلامی ریاست کوئی خیالی چیز نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات قرآن، حدیث اور سیرت میں موجود ہیں، تاریخ نے عملاً اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ دنیا اس کے احسانات دیکھ چکی ہے، اس کے برکات سے فائدہ اٹھا چکی ہے اور اب بھی فائدہ اٹھا رہی ہے۔

اب آئیے یہ دیکھیں کہ کیا اسلامی ریاست فی الواقع دنیا کے لیے خطرہ ہے؟ کیا وہ ایسی ریاست ہے جو اپنے نظریات کو طاقت کے بل پر منوائے گی؟ کیا جہاد کے نام پر وہ مستقل حالتِ جنگ جاری رکھے گی اور امن و امان کے لیے غارت گر ثابت ہوگی؟ اس نے جہاد کا حکم کیوں دیا ہے؟ کن حالات میں دیا ہے؟ کس کے ساتھ جہاد

Marfat.com

کرنے کا حکم دیا ہے؟

اسلام فساد اور خوں ریزی کے خلاف ہے

سب سے پہلے یہ بات ذہن میں تازہ رہنی چاہیے اور ہر دم تازہ رہنی چاہیے کہ اسلام خدا پرستی، خدا سے گہری وابستگی، اور اس کی عبادت و اطاعت کا نام ہے۔اس کے ساتھ جور و تعدی، خوں خواری اور وحشت و بربریت جیسی صفات کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ یہ متضاد اوصاف ہیں جو جمع نہیں ہو سکتیں۔ اسلام کی بنیادی دعوت ہی یہ ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ	سن لو پیدا کرنا اور حکم دینا سب
تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝	اللہ ہی کے لیے ہے۔ بڑا بابرکت ہے
اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۝	اللہ جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝	اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے۔
وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ	بیشک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں
اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ	کرتا۔ زمین میں اس کی اصلاح کا جب فیصلہ
طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ	ہو چکا ہے تو فساد نہ مچاؤ اور اللہ کو ڈر کر
مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝	اور امید سے پکارو۔ بے شک اللہ کی رحمت
(الاعراف: ۵۴-۵۶)	محسنوں سے قریب تر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی زمین میں قتل و خوں ریزی کا بازار گرم کرنا، فتنہ و فساد پھیلانا، امن و امان کو درہم برہم کرنا، ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کو آگ لگانا اور آبادیوں کو تہس نہس کرنا، خدا کے نافرمانوں اور دنیا پرستوں کا کام ہے۔ اس طرح کے کردار کا ایک جگہ ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ اللہ کے نزدیک یہ ایک ناپسندیدہ کردار ہے۔ اس سے انسان اللہ کی محبت سے محروم ہو جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ	انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے کہ جس

Marfat.com

قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ○

(البقرہ ۲: ۲۰۴ - ۲۰۶)

کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ سخت جھگڑالو ہے۔ جب وہ (تمہارے پاس سے) لوٹتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے، کھیتی اور نسلِ انسانی کو تباہ کرنے کے لیے تگ و دو کرنے لگتا ہے۔ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو اس کا غرورِ نفس اسے گناہ پر جما دیتا ہے۔ اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

قومیں جب تک صلاح و فلاح کے راستہ پر گامزن رہتی ہیں ان کی مہلتِ حیات دراز ہوتی رہتی ہے اور جب وہ اس سے انحراف کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تباہی کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ مٹا دی جاتی ہیں۔ نوعِ انسانی کی اس تاریخ کو قرآن مجید نے چند مختصر الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ○ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ

جو قومیں تم سے پہلے گزریں ان میں ایسے لوگ کیوں نہیں موجود رہے جن کے اندر خیر کے اثرات ہوتے اور جو فساد فی الارض سے منع کرتے۔ ایسے لوگ بہت ہی کم تھے جنہیں ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا تھا، ورنہ جن لوگوں نے ظلم کی راہ اختیار کی وہ اسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں حاصل تھا اور انھوں

Marfat.com

وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝	نے مجرمانہ زندگی گزاری۔ تمہارا رب ایسا
(ہود: ۱۱۶-۱۱۷)	نہیں ہے کہ وہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے
	جبکہ ان کے باشندے نیک رہے ہوں۔

جن قوموں نے سرکشی اور فساد کا راستہ اختیار کیا ان پر خدا کے عذاب کے تازیانے اس طرح برسے کہ وہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ گئیں اور دنیا کے لیے عبرت کا سامان بن کر رہ گئیں۔ عاد و ثمود اور فرعون جیسے جبابرہ اور ان کی شان و شوکت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:۔

اَلَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝	یہ سب وہ تھے جنھوں نے اپنے
فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ	ملکوں میں سرکشی کا رویہ اختیار کیا ان
عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝	میں بہت زیادہ فساد برپا کیا تو تمہارے
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝	رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔
(الفجر: ۱۱-۱۴)	بے شک تمہارا رب گھات میں لگا ہوا ہے۔

اسلام کے نزدیک قیادت و سیادت کے اہل وہ ہیں جن کے اندر تقویٰ اور خدا ترسی ہو، جو اس کے احکام کے پابند ہوں اور جن میں صلاح و فلاح کی طرف راہنمائی کی صلاحیت ہو۔ اس کے برخلاف جو لوگ ان صفات سے محروم ہیں۔ اس دنیا میں حدود نا آشنا زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کر رہے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی اتباع کی جائے اور فساد کو پھلنے پھولنے اور فروغ پانے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ یہی بات حضرت صالحؑ کی زبانی ان الفاظ میں کہی گئی ہے۔ وہ اپنی قوم سے کہتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝	اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو
وَلَا تُطِيْعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝	اور حد سے بڑھنے والوں کے حکم کے پیچھے
الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ	نہ چلو، جو کہ زمین میں فساد مچاتے ہیں اور
وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝ (الشعراء: ۱۵۰-۱۵۲)	اصلاح نہیں کرتے۔

Marfat.com

اسلام نے نوعِ انسانی کی صلاح وفلاح کا جس شدت سے حکم دیا اور فساد فی الارض سے جس زور اور قوت سے منع کیا ہے اس کی مثال دنیا کے کسی دستور میں ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ ملے۔ وہ فلاح کی کوششوں کو کامیابی اور فساد اور بگاڑ کی مساعی کو ناکامی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کے ذہن وفکر کو صلاح کا رخ دیا اور اس کے سعی وعمل کو خیر کی طرف موڑا ہے۔ اس کا جہاد بھی نوع انسانی کی فلاح وبہبود ہی کے لیے ہے۔ اس نے اس وقت تلوار اٹھائی جب کہ فساد کے تاریک بادل ہر طرف چھا گئے۔ عام انسانوں کو چند افراد اور چند طبقات نے اپنا غلام بنالیا، ان کا ہر طرح استحصال کیا، ان کو فکر ونظر کی آزادی سے محروم کیا، ان پر حق وصداقت کے دروازے بند کر دیے اور ظلم وعدوان سے صراطِ مستقیم پر چلنا دشوار کر دیا۔ اس جہاد کو دنیا کی دوسری جنگوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام کا تصوّرِ جنگ

دوسری چیز جسے سمجھنے کی ضرورت ہے وہ ہے اسلام کا تصورِ جنگ۔ اگر یہ پیشِ نظر نہ ہو تو آدمی جہاد کو اسی طرح کی ایک عام جنگ سمجھ سکتا ہے جو بالعموم دنیا میں ہوتی رہتی ہیں اور ہر بڑی جنگ اپنے پیچھے اتنے نقصانات چھوڑ جاتی ہے کہ عرصہ تک اس کی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔

جنگ ایک خوفناک مہم ہے، یہ خطرات سے گھری ہوئی زندگی ہے، اس میں جان ومال کا نقصان ہے، اہل وعیال، خویش واقارب اور وطن سے دوری ہے، محاذِ جنگ کی ہولناکی ہے، زخم، چوٹ، اعضاء وجوارح کی قطع وبرید اور خون کی ارزانی ہے، اس وجہ سے انسان جنگ کے تصور ہی سے گھبراتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود جنگیں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ سوال صرف ان کے مقاصد کا ہے۔ جنگیں ہوسِ اقتدار، ملک گیری اور فرماں روائی کی خواہش اور جذبۂ انتقام کے تحت بھی ہو سکتی ہیں اور ہوئی ہیں۔ ان سے فساد فی الارض پھیلتا اور تباہی وبربادی آتی ہے۔ اس طرح کی کسی

Marfat.com

بھی جنگ میں شرکت یا تعاون اسلام کے نزدیک انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کے لیے تباہ کن ہے۔

اسلام نے جنگ کے سلسلے میں دو اقدامات کیے ہیں۔ ایک یہ کہ جنگ کو ایک بہت ہی اعلیٰ وارفع مقصد کے تابع بنایا۔ اسے وہ 'جہاد فی سبیل اللہ' سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ جنگ جو اللہ کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے لڑی جائے۔ اس میں نقصانات برداشت کرنا، زخم اور چوٹ کھانا، جان دینا اور مال لٹانا سب کچھ کارِ ثواب ہے۔ اس میں جنگ کرنے والوں کی عزت وتوقیر ہے، یہ ان کے بقا کی ضمانت اور ان کے لیے باعثِ سربلندی ہے۔ خدا کے ہاں اس کا بے پایاں اجر وثواب ہے۔ قرآن مجید نے اسی 'جہاد فی سبیل اللہ' کا حکم دیا ہے۔ جگہ جگہ اس کا ذکر کیا ہے یہاں صرف ایک حوالہ دیا جارہا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو کیا میں
اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ	تمہیں ایسی تجارت کی نشاندہی کردوں جو تمہیں
مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ	دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ کہ
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ	تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ	اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور
وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ	اپنی جانوں کے ساتھ جنگ کرو۔ یہ تمہارے
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝	حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اللہ تمہارے
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ	گناہوں کو معاف کردے گا اور تمہیں ایسی
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	جنتوں میں داخل کردے گا جن کے
الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً	نیچے نہریں بہتی ہیں اور پاکیزہ مکانات عطا
فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ	کرے گا جو ہمیشہ رہنے والے باغات میں
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى	ہوں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ اور دوسری
تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ	وہ چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی دے گا یعنی اللہ

Marfat.com

وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ | کی طرف سے نصرت اور قریب میں حاصل ہونے والی فتح۔ اہل ایمان کو اس کی بشارت سنادو۔ (الصف: ۱۰-۱۳)

یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ۔ اس میں جان و مال کی بازی لگا کر آدمی اللہ کی طرف سے مغفرت اور اس کی نعمت بھری ابدی جنتوں کا مستحق ہوتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی اور فتح و نصرت عطا ہوتی ہے۔

جنگ کے نقصانات کو بھی اسلام نے نظرانداز نہیں کیا ہے لیکن اس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ان نقصانات کو انگیز کرنے اور اس راہ کی دشواریوں کو برداشت کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اس لیے کہ یہ جہاد مقاصدِ خیر کے لیے ہے۔ اس میں نوعِ انسانی کی بھلائی ہے۔ اس کے پیچھے کسی قسم کے محرکاتِ شر اور فاسد جذبات نہیں ہوتے۔ یہی حقیقت ان آیات میں بیان ہوئی ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۲۱۶)

تم پر قتال (جنگ) فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ شاید تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور (اسی طرح) شاید تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔ اللہ جانتا ہے کہ کیا تمہارے حق میں بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں ہے) اور تم نہیں جانتے۔

اس میں جنگ سے انسان کی طبعی گھبراہٹ اور خوف کا بھی ذکر ہے اور یہ وضاحت بھی کہ جنگ خیر کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ خیر کے لیے اس کی تلخیوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری نفس پر شاق گزرتی ہے لیکن اسی سے دنیا اور آخرت کی کامیابی کے دروازے کھلتے

Marfat.com

ہیں یہی حال جنگ کا ہے۔ اس میں جان و مال کے خطرات اور نقصانات تو ہیں لیکن اللہ کے دین کی سربلندی اور نوع انسانی کی فلاح کے لیے تلوار اٹھانا اور اس کے لیے جان و مال کے نذرانے پیش کرنا انسان کی سب سے بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

امن کو ترجیح حاصل ہے

اسلام نے جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ بنانے کے ساتھ دوسرا اقدام یہ کیا کہ جنگ پر امن کو ترجیح دی۔ جنگ کی اسی حالت میں اجازت دی جب کہ امن و امان کے راستے بند ہو جائیں اور سوائے جنگ کے کوئی دوسرا راستہ کھلا نہ ہو۔ اسلام ایک دینِ دعوت ہے۔ وہ اپنے فکر کو عام کرنا چاہتا ہے۔ امن و امان کے ماحول میں اس پر سنجیدہ غور کرنے اور اس کے پھیلنے کے جتنے امکانات ہیں حالت جنگ میں یہ امکانات کم تر ہو جائیں گے۔ اس لیے اسلام نے امن و امان اور صلح و آشتی کو بڑی اہمیت دی ہے۔ اس کی ہدایت ہے کہ دشمن مصالحت اور جنگ بندی کے لیے آمادہ ہو تو خدا کے بھروسہ پر مصالحت کر لی جائے تاکہ جنگ کی فضا ختم ہو اور اس کے نقصانات سے بچا جا سکے۔ احکامِ جنگ کے ذیل میں ارشاد ہے:۔

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ (الانفال: ۶۱)	اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس ذیل میں یہاں تک فرمایا کہ دشمن اگر صلح کے نام پر فریب دینا بھی چاہے تو گھبرانے اور ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ بہرحال صلح کی پیشکش ہو تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔

وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ	وہ اگر تمہیں دھوکا دینا چاہیں (تاکہ اس

Marfat.com

فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ○ (الانفال: ۶۲)

مدت میں مزید جنگ کی تیاری کر سکیں) تو اللہ تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔ اس نے اپنی مدد سے اور مومنین کے ذریعہ تمہیں تقویت پہنچائی ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی ہے۔ جہاں صلح کا امکان ہو وہاں وہ اسی کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے جنگ و صلح کی نزاکت کو بھی سامنے رکھا ہے اور تاکید کی ہے کہ ریاست اپنی خودداری اور وقار کا سودا نہ کرے۔ کمزوری کا اظہار کرنا اور ڈر کر اور دب کر صلح کی درخواست کرنا اور اس کے لیے ہاتھ پھیلانا ایک خود مختار ریاست کی عزت و آبرو کے منافی ہے۔ اسی پس منظر میں کہا گیا ہے:

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (محمد: ۳۵)

پس تم کمزوری نہ دکھاؤ کہ صلح کی درخواست کرنے لگو۔ تم ہی سربلند رہو گے اگر تم مومن ہو۔

اسلام خدا پرستی کے لیے آزادی چاہتا ہے

اسلام خدا پرستی کا نام ہے۔ اسے وہ نوع انسانی کی فلاح و کامرانی کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے۔ اسی کی وہ دنیا کو دعوت دیتا ہے۔ اس کے لیے وہ دعوت و تبلیغ اور افہام و تفہیم کے ذرائع اختیار کرتا ہے۔ زور زبردستی یا جبر کے ذریعہ اپنے خیالات کو مسلط نہیں کرتا، بلکہ اسے وہ ناروا اور غلط قرار دیتا ہے۔ البتہ وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص کو اسے قبول کرنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے اور عمل کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ اس راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس لیے کہ عقیدہ کی آزادی انسان کا بنیادی اور فطری حق ہے۔ اس کے اس حق سے اسے محروم کرنا بدترین قسم کا ظلم ہے۔ اسلام نے اسی وقت جہاد کیا جب کہ اس کے ماننے والوں سے اس حق کو

Marfat.com

تسلیم نہیں کیا گیا کہ وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی ہدایات پر عمل کریں۔

مشرکین عرب نے مسلمانوں کو عقیدہ کی آزادی نہیں دی

اسلام کی ابتدائی تاریخ ہی یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسے قبول کیا، اہل مکہ ان کے جانی دشمن ہو گئے اور ان پر ناقابل برداشت مظالم توڑے جانے لگے۔ اس سے بچنے کے لیے بہت سے افراد کو اپنا گھر بار اور وطن چھوڑنا پڑا اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ حالات اسی سمت میں تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ نعوذ باللہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے منصوبے تیار ہونے لگے۔ اسی اثنا میں اہل مدینہ کے نمائندوں نے خاموشی سے اسلام قبول کیا۔ ان کی دعوت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی جلد ہی مدینہ کی تقریباً پوری آبادی اسلام کے دائرے میں آگئی۔ اب آپ کے ساتھیوں نے بھی مدینہ کا رخ کیا اور مہاجرین کا بے سروسامان قافلہ مدینہ میں جمع ہونے لگا۔ یہ جن حالات سے گزر کر مدینہ پہونچے تاریخ نے اس کا ریکارڈ محفوظ کر رکھا ہے۔ یہاں اس کا حوالہ نہیں دیا جا رہا ہے۔ قرآن مجید نے بھی مختلف مواقع پر اس کی تصویر کشی کی ہے۔ یہ تاریخ سے زیادہ مستند ہے۔ اس سے زیادہ صحیح تصویر کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ یہاں بعض اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے جارحانہ رویہ اور ناپاک عزائم کا بیان ایک جگہ چند لفظوں میں ہوا ہے لیکن پوری تاریخ ان کے اندر سمٹ کر آگئی ہے۔

وَاِذْ یَمْکُرُبِکَ	یاد کرو اس وقت کو جب کہ وہ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ	لوگ جنھوں نے کفر کا راستہ اختیار
اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ	کیا تمہارے خلاف تدبیریں کر رہے
وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ	تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر دیں
اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ	یا تمہیں یہاں سے نکال دیں۔ وہ اپنی
الْمٰکِرِیْنَ ۝	چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر

Marfat.com

کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے
والا ہے۔ (الانفال: ۳۰)

ایک دوسرا بیان ملاحظہ ہو۔ خطاب منافقین سے ہے۔

[اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ٥

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو کوئی پروا نہیں، اللہ اس کی مدد کرے گا) اللہ نے اس کی اس وقت مدد کی ہے جب کہ کفر کرنے والوں نے اسے وطن سے نکال دیا تھا۔ جبکہ وہ دو میں سے ایک تھا، جبکہ دونوں غار میں پناہ لیے ہوئے تھے اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون نازل فرمایا اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور کفر کرنے والوں کے کلمہ کو پست کر دیا اور اللہ کا کلمہ تو ہمیشہ بلند ہی رہتا ہے۔ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ (التوبہ: ۴۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جن زہرہ گداز حالات سے گزرنا پڑا اس کا ذکر ہے:۔

..... يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ....

وہ اللہ کے رسول کو اور تمہیں (اے مسلمانو!) اپنے گھروں سے نکال رہے ہیں (محض) اس وجہ سے کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا رب ہے۔ (الممتحنہ: ۱)

Marfat.com

.....فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا	.....پس وہ لوگ جنھوں نے ہجرت
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ	کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے
سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا	اور جنھیں میرے راستے میں تکلیفیں پہنچائی
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ	گئیں، جو لڑے اور مارے گئے میں
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ	ضرور ان کی کوتاہیوں کو معاف
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا	کروں گا اور انھیں ایسی جنتوں میں
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ	داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں
حُسْنُ الثَّوَابِ ؀	بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ثواب ہے اللہ کی
	جانب سے اور اللہ کے پاس بہترین
(آل عمران: ۱۹۵)	اجر و ثواب ہے۔

اموالِ فے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

.....لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ	.....ان اموال میں ان محتاج اور
الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ	نادار مہاجرین کا حصہ ہے جو اپنے
وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا	گھروں سے اور اموال سے نکال
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ	دیئے گئے۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ	اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ اور
هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ؀	اس کے رسول کی نصرت کر رہے ہیں۔
(الحشر: ۸)	یہ ہیں اپنے ایمان میں صادق۔

قرآن مجید کے ان بیانات سے ان حالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جن سے اہلِ ایمان مکہ میں گزر رہے تھے۔

مدینہ کی اسلامی ریاست پر جارحانہ حملوں کا جواب دیا گیا

ہجرت کے بعد مدینہ کی چھوٹی سی بستی نے ایک ریاست کی شکل اختیار کر لی اور

Marfat.com

اسلام کی تعلیمات پر عمل ہونے لگا۔ محض اس بنیاد پر کہ یہ چھوٹی سی ریاست اسلام کی بنیادوں پر قائم ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت ہو رہی ہے، مشرکین مکہ اس کے درپے آزار ہو گئے اور اسے ختم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ ہے وہ پس منظر جس میں اہل مکہ سے جہاد کی اجازت دی گئی اور کہا گیا کہ مسلمانوں کو اب یہ حق حاصل ہے کہ وہ اِس جورِ مسلسل کا جواب دیں اور اپنا دفاع کریں۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ	اجازت دے دی گئی (جہاد کی)
بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی	ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی
نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ	جا رہی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا
اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ	ہے اور بے شک اللہ ان کی مدد پر
بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا	قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق
رَبُّنَا اللّٰهُ	اپنے گھروں سے نکال دیے گئے
(الحج: ۳۹-۴۰)	محض اس وجہ سے کہ وہ کہتے تھے
	کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

اس ظلم کے خلاف اقدامات کے نتیجہ میں جنگ بدر ہوئی اور جنگ احد ہوئی۔ جنگ بدر میں مسلمان غالب رہے اور جنگِ احد میں انھیں شکست کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ اس کے دو ہی سال بعد جنگ احزاب ہوئی، جس میں یہود کے اکسانے پر آس پاس کے عرب قبائل کو ساتھ لے کر مشرکین مکہ مدینہ پر حملہ آور ہو گئے۔ اس ہمہ جہت یورش کا سماں قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ	یاد کرو اس وقت کو جب دشمن
وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ	تم پر چڑھ آئے تمہارے اوپر سے بھی
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ	اور نیچے سے بھی اور جب نگاہیں پتھرانے
الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا	لگیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم اللہ
هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ	کے بارے میں طرح طرح کے خیال کرنے

Marfat.com

وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ○

لگے۔ اس وقت ایمان والے سخت آزمائش سے گزرے اور بری طرح ہلا مارے گئے۔ یہی وقت تھا جب کہ منافقوں نے اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ تھا کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سب محض ایک فریب تھا

(الاحزاب: ۱۰-۱۲)

خانۂ کعبہ پر مشرکین کا ناجائز قبضہ

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم روا رکھا وہ انسانیت کے چہرہ پر بدنما داغ ہے۔ اسے دنیا کا کوئی قانون جائز نہیں قرار دے سکتا۔ دوسری طرف کعبۃ اللہ پر ان کا قبضہ غاصبانہ تھا۔ قرآن مجید نے تفصیل سے بتایا کہ حضرت ابراہیمؑ جو کعبہ کے بانی تھے، جن کے ہاتھوں اس کی تعمیر ہوئی تھی وہ خدائے واحد کے پرستار اور توحید کے علمبردار تھے، وہ زندگی بھر شرک سے لڑتے رہے، اس کے لیے سخت اذیتیں برداشت کیں اور تکلیفیں اٹھائیں، وطن سے دور اپنی اولاد کو لاکر اس بے آب و گیاہ وادی میں آباد کیا، کعبۃ اللہ کو توحید کا مرکز بنایا لیکن اہل مکہ نے جن کا حضرت ابراہیمؑ سے براہِ راست نسلی تعلق تھا ان کے درسِ توحید کو بھلا دیا، ان کی تعلیمات فراموش کر دیں اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ کعبۃ اللہ کو بت خانہ میں تبدیل کر دیا اور اس پر اپنا قبضہ اور تسلط قائم کر لیا۔

سنہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کرنی چاہی تو انھوں نے روک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے صلح کی اور دس سال کے لیے ان سے ناجنگ معاہدہ کیا۔ لیکن جلد ہی اسے انھوں نے توڑ دیا۔ ان کے اس پورے رویہ نے اس بات کا جواز فراہم کر دیا کہ کعبۃ اللہ پر سے

Marfat.com

ان کا ناجائز قبضہ ختم کر دیا جائے۔ فتحِ مکہ نے اس کی راہ ہموار کر دی اور وہ ازسرِ نو سارے عالم کا مرکزِ توحید بن گیا۔

مشرکینِ عرب کا حکم

قرآن مجید نے مشرکینِ عرب اور دوسروں کے درمیان فرق کیا ہے۔ مشرکین سے اس نے براہِ راست خطاب کیا، شرک کا بے بنیاد ہونا ان پر ثابت کر دیا، انھیں توحید کی دعوت دی اور اس کے حق میں ناقابلِ تردید دلائل فراہم کیے۔ ان کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ آپ نے ہر پہلو سے ان پر حجت تمام کر دی۔ جب اس پر بائیس (۲۲) برس کی طویل مدت گزر گئی تو کہا گیا کہ اب مرکزِ اسلام لازماً شرک سے پاک ہوگا، اس میں کسی کو شرک پر قائم رہنے کی اجازت نہ ہوگی وہ دعوتِ توحید کو قبول کرے یا اسلامی ریاست اس سے جہاد کرے گی۔ اس کے لیے کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے۔

مشرکینِ عرب سے جنگ سے پہلے ان کے معاہدے منسوخ کیے گئے، باقاعدہ اعلانِ جنگ کیا گیا، انھیں چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ اس کے بعد جنگ ہوئی۔[۱] اس سلسلہ کے بعض احکام یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ انھیں اسی پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔ حکم ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ	تم اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے
یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا	لڑو جو تم سے لڑ رہے ہیں اور زیادتی نہ
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ	کرو۔ بے شک اللہ زیادتی کرنے
وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ	والوں کو پسند نہیں کرتا۔ انھیں قتل
وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ	کرو جہاں بھی انھیں پاؤ۔ انھیں وہاں
اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ	سے (مکہ سے) نکال دو جہاں سے

[۱] اس کی تفصیل سورہ توبہ میں موجود ہے۔

Marfat.com

مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ	انھوں نے تمہیں نکالا تھا۔ فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید چیز ہے۔ مسجد حرام
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	کے پاس ان سے جنگ نہ کرو جب
حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ	تک کہ وہ خود تم سے جنگ نہ کریں۔
فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ	اگر وہ تم سے لڑائی چھیڑ دیں تو تم انھیں
كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ	قتل کرسکتے ہو۔ ایسے کافروں کا یہی
فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ	بدلہ ہے۔ اگر وہ جنگ سے باز آجائیں
رَّحِيْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى	تو تم بھی ہاتھ روک لو۔ بے شک اللہ
لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ	بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا
الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا	ہے۔ ان سے جنگ جاری رکھو یہاں
فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى	تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے
الظّٰلِمِيْنَ ۝	لیے ہو جائے۔ اگر وہ باز آجائیں تو یاد
(البقرۃ: ۱۹۰-۱۹۳)	رکھو کہ ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی روا نہیں ہے۔

یہ آیات ایک ایسی صورت حال سے بحث کرتی ہیں جب کہ اسلامی ریاست حالتِ جنگ سے دوچار ہے اور میدان جنگ میں اسے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ یہاں جو ہدایات دی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ ان سے کی جائے جو عملاً جنگ کر رہے ہیں۔ جب جنگ چھڑی ہوئی ہے تو دشمن پر وار کرنے میں کوئی پس وپیش اور تامل نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں کہیں بھی اس پر قابو حاصل ہو اسے تہ تیغ کر دیا جائے، اس لیے کہ اس کے بغیر جنگ جیتی نہیں جاسکتی۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی جان بڑی قیمتی ہے۔ کسی کی جان لینا بہت بری چیز ہے لیکن اس سے بدتر چیز 'فتنہ' ہے۔ یہ جنگ اسی فتنہ کے خلاف لڑی جارہی ہے۔ 'فتنہ' یہ ہے کہ آدمی کو اس کے عقیدہ پر قائم رہنے نہ دیا جائے اور محض اس کے عقیدہ کی وجہ سے اسے ظلم وستم کا نشانہ بنالیا جائے۔ یہ مشرکین اسی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اب

Marfat.com

تمہارے لیے روا ہے کہ جس طرح انھوں نے تمھیں مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا اسی طرح تم بھی انھیں وہاں سے نکال دو، تاکہ یہ سرزمین خدائے واحد کی اطاعت کے لیے خالص ہوجائے اور خانہ کعبہ کی تعمیر جس پاک مقصد کے لیے ہوئی تھی وہ پورا ہو۔ یہ خدا کا گھر ہے، اس کا احترام ضروری ہے۔ حالت جنگ میں بھی یہ احترام باقی رہنا چاہیے۔ جب تک دشمن اس کے حدود میں جنگ نہ شروع کرے اس وقت تک تم بھی جنگ سے کنارہ کش رہو۔ تمہاری طرف سے سبقت نہ ہو۔ ہاں اگر وہ حدودِ حرم کا بھی پاس ولحاظ نہ کرے اور اس میں جنگ چھیڑ دے تو تمھیں جواب دینے کا حق حاصل ہے۔ یہ جنگ اس وقت تک جاری رکھو جب تک کہ فتنہ کی بیخ کنی نہ ہوجائے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ ہونے لگے۔

ان احکام کا تعلق خاص مشرکین عرب سے ہے۔ اس سلسلے کے اور احکام بھی ہیں۔ اسلام کے قوانین جنگ وصلح پر غور کرتے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ ان میں سے کن امور کا تعلق خاص مشرکین عرب سے ہے اور وہ کون سے احکام وہدایات ہیں جو عمومی نوعیت کے حامل ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس طرح کے عمومی احکام مشرکین عرب سے جنگ کے سلسلے میں بھی موجود ہیں۔ انھیں بھی سامنے رکھنا ہوگا۔

اسلامی ریاست کا دفاع اور تحفظ ضروری ہے

دنیا کی ہر ریاست کی طرح اسلامی ریاست کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دفاع اور تحفظ کی طرف توجہ دے اور اس کا اہتمام کرے۔ اسلامی ریاست پر اگر جنگ مسلط کردی جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کے احکام وقوانین کے تحت زندگی بسر کرنے سے روکنے کی کوشش ہونے لگے تو اسلامی ریاست اس کا مقابلہ کرے گی۔ مخالف قوتیں ایک ہوکر اسے مٹانے پر تل جائیں تو وہ بھی متحد ہوکر اس کا جواب دے گی۔ حکم ہے۔

Marfat.com

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً	مشرکین سے تم سب مل کر لڑو جیسا
كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً	کہ وہ سب مل کر تم سے لڑ رہے ہیں
وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ	اور جان لو کہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے
(التوبہ: ۳۶)	والوں کے ساتھ ہے۔

اسلامی ریاست مخالف قوتوں سے بے خبر غفلت کی نیند نہیں سوئے گی۔ بلکہ اپنی حفاظت کا سامان کرے گی۔ دشمن ساز و سامان سے لیس ہے تو وہ بھی اپنی تیاری جاری رکھے گی۔ وہ جنگی لحاظ سے مضبوط ہوگی تو مخالف قوتیں جو سامنے ہیں ان پر بھی اور جو پس پردہ ہیں ان پر بھی دھاک بیٹھے گی اور وہ اس پر حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کر سکیں گے۔ اس پر جو سرمایہ اور دولت صرف ہوگی اس کا پورا اجر و ثواب کل قیامت کے روز خدا کے ہاں ملے گا۔

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ	ان کے مقابلے کے لیے، جہاں تک
مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ	تم سے ہو سکے (جنگی) قوت (فراہم کرو)
تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ	اور سدھائے ہوئے گھوڑے تیار کرو
وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ	جس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمن کو اور
دُوْنِھِمْ ج لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ	اپنے دشمن کو خوف زدہ کرو۔ اس کے
اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا	علاوہ دوسروں پر بھی جنھیں تم نہیں
مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ	جانتے اور اللہ جانتا ہے، تمہارا
اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ	رعب قائم رہے۔ تم اللہ کی راہ میں
	جو کچھ بھی خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ
(الانفال: ۶۰)	اس کا پورا پورا بدلہ دے گا اور تم پر
	کوئی ظلم نہ ہوگا۔

اس مقدس جنگ کے لیے وجہ جواز یہ تھی کہ باطل قوتیں طاغوت کا پرچم اٹھائے پھر رہی ہیں اور حق کو صفحۂ زمین سے مٹا دینا چاہتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اہل ایمان

Marfat.com

کی جنگ حق و صداقت کی راہ میں ہے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس میں اللہ کے بندے کسی ذاتی مفاد کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جان دے رہے ہیں اس لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ کامیاب ہوں گے اور باطل کی ساری تدبیریں ناکام ہوں گی۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ	جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا	راستہ میں لڑ رہے ہیں اور جنھوں نے
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ	کفر کی راہ اختیار کی وہ طاغوت کے
فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ	راستہ میں لڑ رہے ہیں تم شیطان کے
اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ	ساتھیوں سے لڑو۔ بے شک شیطان
ضَعِیْفًا (النساء: ۷۶)	کی تدبیر کمزور ہے۔

جنگ کے آداب

اسلام نے جنگ کے جو ضابطے بیان کیے ہیں، حالتِ جنگ میں جب کہ دنیا حق و ناحق کو بھول جاتی ہے، جن اصول و قوانین کا پابند بنایا ہے اور عین محاذِ جنگ پر جن اخلاقی اقدار کی نگہداشت کی ہدایت کی ہے، وہ دنیا کے قوانین میں ایک بے نظیر اضافہ ہے۔ ذیل میں ان اصول و آداب کی کسی قدر وضاحت کی کوشش ہو گی۔

جنگ ان سے کی جائے جو عملاً جنگ میں حصہ لے رہے ہیں اور ہر طرح کے ظلم و تعدی سے احتراز کیا جائے۔ جو لوگ جنگ میں ملوث نہیں ہیں ان سے تعرض نہ کیا جائے اور شہری آبادیوں پر حملے نہ ہوں، غیر فوجی علاقوں کو نشانہ بنانا، عورتوں بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو ہدف بنانا صحیح نہیں ہے۔ جنگ خدا کی رضا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے ہو اور اس کے ساتھ کوئی دنیوی غرض وابستہ نہ ہو۔ یہ ساری باتیں ان چند الفاظ میں کہی گئی ہیں۔

Marfat.com

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ	اور اللہ کے راستہ میں لڑو ان لوگوں
یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ	سے جو تم سے لڑ رہے ہیں اور ظلم و زیادتی
اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝	نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے
(البقرہ: ۱۹۰)	والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

علامہ ابوالسعود اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "اللہ کے راستے میں جنگ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو سربلند کرنے اور اس کے کلمہ کو اونچا کرنے کے لیے جہاد کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ "زیادتی نہ کرو" سے مراد یہ ہے کہ جنگ خود سے نہ شروع کرو، جو شخص تمہارے عہد و پیمان میں ہے اس سے جنگ نہ کرو، دین کی دعوت دئے بغیر ہی اچانک حملہ نہ کر دو، مقتولین کا مثلہ اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کرو، عورتیں، بچے اور ان جیسے کم زور انسانوں کے قتل سے تمہیں منع کیا گیا ہے اس کا ارتکاب نہ کرو[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

نھی عن قتل النساء و الصبیان[2]	آپؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

اس کا پس منظر حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں دیکھا گیا کہ مخالف کیمپ کی ایک عورت قتل ہوگئی ہے۔ آپ نے اس حرکت کو ناپسند کیا اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا[3]

---

[1] ابوالسعود: تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم علی ہامش الرازی: ۲/۸۵

[2] بخاری کتاب الجہاد، باب قتل النساء فی الحرب۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ عورت باقاعدہ جنگ میں شریک نہ ہو لیکن اگر وہ قیادت کر رہی ہے یا حملہ آور ہے تو اس کا جواب دیا جائے گا۔ (ہدایہ ۲/۵۴۲)

[3] مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب تحریم قتل النساء والصبیان۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء۔ ترمذی کتاب السیر، باب ما جاء فی النہی عن قتل النساء والصبیان۔

Marfat.com

حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لشکر روانہ فرماتے تو اس کے امیر کو خاص طور پر تقویٰ کی اور ان مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کی نصیحت فرماتے جو جنگ میں شریک اور اس کے ماتحت ہیں۔ اس کے بعد فرماتے۔

اغزوا باسم اللہ فی	اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں
سبیل اللہ قاتلوا من کفر	جنگ کرو، لڑو ان لوگوں سے جنھوں
باللہ اغزوا ولا تغلوا ولا	نے اللہ کا انکار کیا ہے۔ لڑو، خیانت
تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا	نہ کرو، دھوکا اور فریب نہ دو، کسی لاش
ولیدا [1]	کا مثلہ نہ کرو اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت میں آپؐ کی ہدایات ان الفاظ میں نقل ہوئی ہیں۔

انطلقوا باسم اللہ وباللہ	جاؤ اللہ کا نام لے کر، اللہ کی مدد
وعلی ملۃ رسول اللہ ولا	چاہتے ہوئے اور اللہ کے رسول کے طریقہ
تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا	پر عمل کرتے ہوئے۔ قتل نہ کرو کسی شیخ
ولا صغیرا ولا امرأۃ ولا	فانی کو، کسی بچہ کو، کسی کم سن کو اور کسی عورت
تغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا	کو۔ خیانت نہ کرو، اپنی غنیمتیں جمع کرو،
واحسنوا ان اللہ یحب	اپنے معاملات ٹھیک رکھو اور حسن سلوک کرو۔ اللہ
المحسنین [2]	احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت یزید بن ابوسفیانؓ کی قیادت میں لشکر روانہ فرمایا تو انھیں ہدایت فرمائی۔

انک ستجد قوما زعموا	تمہیں ایسے لوگ ملیں گے جو کہیں گے

---

[1] مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب تأمیر الامام الامراء علی البعوث الخ۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین۔ ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی وصیۃ فی القتال۔

[2] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین۔

Marfat.com

أَنَّهُمْ حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ لِلّٰهِ	کہ انھوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کی عبادت
فَذَرْهُمْ وَمَا زَعَمُوا مِنْ	میں لگا رکھا ہے۔ ان (راہبوں) سے تعرض
أنهم حبسوا أنفسهم	مت کرو۔ ان کے اس دعوی کو مان
له وستجد قوما فحصوا	لو کہ وہ اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے
عن أوساط رؤوسهم من	ہیں۔ تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو
الشعر فاضرب ما	اپنے سر کے درمیانی حصے منڈوا رکھے
فحصوا عنه بالسيف	ہوں گے۔ ان کے سر قلم کردو۔ میں تمہیں
وإني موصيك بعشر	دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ ہرگز
لا تقتلن امرأةً ولا	کسی عورت کو کسی بچہ کو اور کسی بوڑھے
صبيًا ولا كبيرًا هرمًا	کھوسٹ کو قتل نہ کرو، کسی پھل والے
ولا تقطعن شجرًا مثمرًا	درخت کو ہرگز مت کاٹو، اور کسی
ولا تخربن عامرًا ولا	قابل کاشت زمین کو خراب مت کرو،
تعقرن شاةً ولا بعيرًا	کسی بکری یا اونٹ کو سوائے کسی غذائی
إلا لمأكلة ولا تحرقن	ضرورت کے ذبح نہ کرو۔ ہرگز شہد
نحلًا ولا تفرقنه ولا	کی مکھیوں کو جلا مت ڈالو۔ انھیں منتشر نہ کرو۔
تغلل ولا تجبن[1]	خیانت نہ کرو اور بزدلی نہ دکھاؤ۔

---

[1] مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد، باب النہی عن قتل النساء والولدان فی الغزو۔ نصاریٰ کے جو سردار اس زمانہ میں سر کا درمیانی حصہ صاف رکھتے تھے انھیں شماسہ کہا جاتا تھا۔ زرقانی علی الموطا: ۲/۲۹۵ غالبًا یہ وہ دنیا دار سردار تھے جو مذہب کا لبادہ اوڑھے رہتے تھے۔ کہا گیا کہ راہبوں سے تو تعرض مت کرو البتہ ان دنیا پرستوں کو مت چھوڑو۔ ان تعلیمات کے پیش نظر فقہاء نے کہا ہے کہ عورت، شیخ فانی، اپاہج، اندھے اور راہب پر میدانِ جنگ میں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ ہاں اگر وہ جنگ میں براہِ راست حصہ لیں یا معاونت کریں تو مارے جا سکتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/۱۴۰-۱۴۱۔ اگر دشمن ان کم زور

Marfat.com

یہاں اس سے بحث نہیں ہے کہ جنگ کن لوگوں سے کی گئی اور اس کے اسباب کیا تھے۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے حالتِ جنگ میں بھی کس قدر اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی ہے اور محاذ جنگ پر بھی انسانیت کا کتنا احترام باقی رکھا ہے؟

موجودہ دور میں بم بار طیاروں، راکٹوں اور جدید ترین ہلاکت خیز اسلحہ کی ایجاد نے جنگ کا نقشہ بدل دیا ہے۔ اب جنگ صرف محاذ جنگ تک محدود نہیں ہوتی بلکہ دُور دُور تک پھیل جاتی ہے۔ جنگ چھڑتے ہی اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ دشمن کو معاشی لحاظ سے تباہ کر دیا جائے، کارخانے اور فیکٹریاں ختم کر دی جائیں، دفاعی صنعتوں کو ہدف بنایا جائے، حمل ونقل اور مواصلات کے ذرائع ناکارہ کر دیے جائیں۔ یہ ساری چیزیں بالعموم محاذ جنگ سے دور اور شہری آبادیوں سے قریب ہوتی ہیں۔ ان حملوں کی زد میں جب یہ آبادیاں آتی ہیں تو مرد، عورتیں، جوان، بوڑھے، بچے سب بغیر کسی امتیاز کے ان کا نشانہ بنتے ہیں اور موت کی نیند سو جاتے ہیں اور جو بچ جاتے ہیں وہ زہریلے ہتھیاروں کے استعمال کے اثرات سے محفوظ نہیں رہتے۔ جسمانی، دماغی اور نفسیاتی امراض کا بعض اوقات اس طرح شکار ہو جاتے ہیں کہ ان کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔

اگر نوعِ انسانی کے ساتھ ہمدردی ہو اور جنگ کا بھی کوئی ضابطہ ہو تو اس سے ممکنہ حد تک بچا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض بین الاقوامی قوانین بھی ہیں، آئندہ اس طرح کے اور قوانین بھی وضع کیے جا سکتے ہیں۔ عام انسانی آبادی کی حفاظت کے لیے جو بھی قوانین وضع کیے جائیں وہ اسلام کے قوانینِ جنگ کے عین مطابق ہوں گے اور انھیں اسلام کی تائید حاصل ہوگی۔

= طبقات کو ڈھال بنا کر حتیٰ کہ کسی مسلمان کو آگے کر کے کوئی جنگی چال چلنا چاہے تو اس کا جواب ضرور دیا جائے گا۔ اس طرح عورتیں اور بچے وغیرہ کسی عمومی حملہ کی زد میں آجائیں تو یہ جنگی مجبوری ہوگی۔ (ابن قدامہ، المغنی: ۱۲/ ۱۷۷-۱۸۰)

Marfat.com

ذمیوں کے حقوق

اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کو 'ذمی' کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کو اس قدر مسخ کیا گیا اور بھیانک بنا دیا گیا ہے کہ اس کے زبان پر آتے ہی مظلومی اور محکومی محرومی اور مجبوری اور ذلت و رسوائی کا تصور ابھرنے لگتا ہے۔ یہاں اس کی براہ راست تردید کی جگہ اسلامی ریاست میں ذمی کی صحیح حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے خود بخود یہ بات نکھر کر سامنے آجائے گی کہ یہ ایک مسخ شدہ تصور ہے جو اسلامی تعلیمات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ذمی اور دوسرے معاہد۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ یہاں پہلے اس کی وضاحت کی کوشش کی جائے گی۔

جو ممالک جنگ کے بعد فتح ہوئے اسلامی ریاست نے ان کے باشندوں کی جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی انھیں مذہبی آزادی عطا کی۔ ان کے مفتوح اور مغلوب ہونے کے باوجود ان کے قانونی حقوق متعین کیے۔ ان سے لازمی فوجی خدمات نہیں لی گئیں اصطلاح میں انھیں 'ذمی' کہا جاتا ہے۔ ان کو جو حقوق حاصل ہیں اس کے عوض ان سے جزیہ لیا جاتا ہے۔

جزیہ کے سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے ارشادات اور تعامل کی روشنی میں حسب ذیل اصول فقہاء نے بیان کئے ہیں۔

۱۔ بیشتر فقہاء کے نزدیک جزیہ آدمی کی مالی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ سماج میں کم آمدنی والے بھی ہوتے ہیں، وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی آمدنی اوسط درجہ کی ہوتی ہے اور خوش حال افراد بھی ہوتے ہیں۔ کم آمدنی والے کا جزیہ اوسط آمدنی

Marfat.com

والے سے کم ہوگا اور خوش حال آدمی کا جزیہ اس شخص سے زیادہ ہوگا جو متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔[1]

۲ جزیہ نقدی کی شکل میں وصول کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس مد میں زرعی پیداوار اور مویشی بھی لیے جاسکتے ہیں۔ موجودہ دور میں صنعتی پیداوار سے بھی جزیہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

۳ نابالغ بچہ، عورت، فاتر العقل (پاگل) فقیر، نادار، شیخ فانی، جسمانی طور پر معذور جیسے نابینا اور اپاہج وغیرہ سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح پادریوں اور راہبوں سے بھی نہیں لیا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ خود ہی دوسروں کی اعانت پر گزر بسر کرتے ہیں۔ جزیہ ادا نہیں کرسکتے۔[2]

معاہد وہ غیر مسلم ہیں جن کے علاقے جنگ کے ذریعہ فتح نہیں ہوئے بلکہ وہ بعض شرائط کے ساتھ اسلامی ریاست میں شامل ہوگئے۔ یہ شرائط چونکہ ریاست کے بنیادی اصول، مفاد اور اس کی سالمیت کے خلاف نہیں تھے اس لیے ان کی بنیاد پر ان سے معاہدہ ہوگیا۔ جن شرائط کے تحت معاہدہ ہوا ان کی پابندی کی گئی۔[3]

ذمی اور معاہد میں اس پہلو سے فرق ہے کہ ذمی کو اسلامی ریاست اپنی طرف سے حقوق دیتی ہے اور معاہد ریاست سے معاہدہ کے تحت اپنے حقوق کا تعین کرتا ہے۔ ہمارے علماء جب ذمی کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو یہ دونوں

---

[1] جزیہ کی مقدار فقہ حنفی میں متعین ہے۔ اس میں حالات کے لحاظ سے تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ وہ یہ کہ جو غریب اور محنت کش ہے اس کے جزیے کی مقدار سالانہ بارہ درہم ہوگی اور متوسط طبقے کے فرد کا جزیہ چوبیس درہم اور خوشحال شخص کا اڑتالیس درہم ہوگا۔ درالمختار مع ردالمحتار: ۳/ ۳۶۶۔ یہ حقیری اور معمولی رقم کسی بھی طبقے کے لیے کسی حال میں بار نہیں بن سکتی۔ اس سے بڑی بڑی رقم ٹیکس میں خوش دلی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ صاحب حیثیت مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے جو نقدین پر ۲½ فی صد اور زرعی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ ہے۔ جو جزیہ کی رقم سے بہت زیادہ ہے۔ زکوٰۃ غیر مسلم پر نہیں ہے۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھئے ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/ ۲۱۶-۲۲۱

[3] امام مالک فرماتے ہیں کہ جو ممالک جنگ کے ذریعہ فتح ہوئے وہاں کی زمین اور اموال مسلمانوں کی ملکیت ہوں گے۔ وہ ان کے لیے مال غنیمت ہیں۔ اس کے برخلاف جن قوموں سے صلح ہوئی ان کے ساتھ صلح کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ ان میں سے کوئی شخص مسلمان ہوجائے تو وہ حسب سابق اپنی زمین اور جائداد کا مالک ہوگا۔ (موطا، کتاب الجہاد، باب احراز من اسلم من اہل الذمہ)

Marfat.com

طرح کے لوگ اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر معاہد کے متعلق لکھتے ہیں۔

المعاهد من كان بينك	معاہد وہ ہے کہ تمہارے اور اس کے
وبينه عهد واكثر ما يطلق	درمیان عہد و پیمان ہو۔ حدیث میں اس
في الحديث على اهل الذمة	کا زیادہ تر اطلاق ذمیوں پر ہوتا ہے۔
وقد يطلق على غيرهم	کبھی ان کے علاوہ یہ ان غیر مسلموں کے
من الكفار اذا صولحوا	لیے بھی بولا جاتا ہے جن سے کسی مدت
على ترك الحرب مدة ما	تک کے لیے جنگ بندی کی صلح ہو جائے۔

ذمی کی طرح معاہد پر کسی بھی نوع کی دست درازی کا کسی کو حق نہ ہوگا۔ علامہ ابن اثیر اس کے مال کی حیثیت بیان کرتے ہیں۔

لانه معصوم المال	اس لیے کہ اس کے مال کو عصمت اور
يجري حكمه مجرى حكم	حفاظت حاصل ہے۔ اس پر وہی حکم
الذمي [1]	نافذ ہوگا جو ذمی پر نافذ ہوتا ہے۔

علامہ ابن اثیر نے معاہد کی تعریف اور اس سے جو عہد و پیمان ہوتا ہے اس کے بعض پہلوؤں کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ معاہد کی اصطلاح حدیث میں زیادہ تر ذمی کے لیے استعمال ہوئی ہے۔

ذمی کی تعریف

ذمی کے حقوق بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی متعین ہو جائیں اور اس کی روشنی میں اہل علم نے اس کی جو تعریف کی ہے وہ بھی واضح ہو جائے۔ اس سے خود بخود ثابت ہو جائے گا کہ یہ اصطلاح غیر مسلم رعایا کی تذلیل و تحقیر کے لیے وجود میں نہیں آئی ہے بلکہ اس سے ان کے سلسلہ میں اسلامی

---

[1] ابن اثیر، النہایہ فی غریب الحدیث ۳/۱۴۱۔ مادہ عہد

Marfat.com

ریاست کی ذمہ داری واضح ہوتی ہے۔

ذمہ کے معنی عہد و پیمان، ضمانت، قابلِ احترام قول و قرار اور حق کے ہیں اسی سے ذمی یا اہل ذمہ ماخوذ ہے۔ لسان العرب میں ہے۔

سمی اھل الذمۃ ذمۃ لدخولھم فی عھد المسلمین وامانھم [۱]	اہل ذمہ کو ذمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد و پیمان اور امان میں وہ داخل ہیں۔

اسی ذیل میں کہا گیا ہے۔

الذمۃ ھی الامان، لھذا سمی المعاھد ذمیا لانہ اعطی الامان علی ذمۃ الجزیۃ التی توخذ منہ [۲]	ذمہ کے معنی امان کے ہیں۔ اسی وجہ سے معاہد کو ذمی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جو جزیہ اس سے لیا جاتا ہے اس کی بنیاد پر اسے امان دی گئی ہے۔

اسی کے مادہ سے 'ذمام' کا لفظ آتا ہے۔ اس کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

الذمام کل حرمۃ تلزمك اذا ضیعتھا المذمۃ ومن ذلك یسمی اھل العھد اھل الذمۃ [۳]	'ذمام' ہر محترم چیز کو کہا جاتا ہے کہ اسے تم ضائع کر دو تو قابل مذمت قرار پاؤ، اسی وجہ سے اہل عہد کو اہل ذمہ کہا جاتا ہے (کہ ان کے حقوق کی عدم ادائیگی بھی قابل مذمت ہے)

---

[۱] ابن منظور، لسان العرب مادہ 'ذمم'

[۲] حوالہ سابق

[۳] حوالہ سابق

Marfat.com

دورِ جدید کے ایک مستند عربی لغت میں ہے۔

الذمی المعاھد الذی	ذمی وہ شخص ہے جسے عہد پیمان
أعطی عہدا یأمن بہ علی	دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مال'
مالہ وعرضہ ودینہ [1]	اپنی عزت و آبرو اور دین کے بارے
	میں محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

اس سے واضح ہے کہ ذمی اسلامی ریاست کا وہ غیر مسلم شہری ہے جس کی جان' مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا وہ اس سے عہد کرتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس سے جزیہ یا ایک متعین ٹیکس لیا جاتا ہے۔

اس عہد و پیمان کی اہمیت کا اندازہ حضرت عمرؓ کے ایک بیان سے ہوتا ہے۔ جب آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ نے انتقال سے پہلے اپنے بعد منتخب ہونے والے امیر کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک ذمیوں سے متعلق تھی۔ فرمایا۔

واوصیہ بذمۃ اللہ	میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں
وذمۃ رسولہ صلی اللہ علیہ	کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے
وسلم ان یوفی لھم بعھدھم	جو ذمہ دیا گیا ہے اس کی حفاظت کرے'
وان یقاتل من ورائھم	ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کرے
ولا یکلفوا الا طاقتھم [2]	ان پر حملہ ہو تو ان کے دفاع میں جنگ
	کرے اور ان پر اتنا ہی (جزیہ کا) بوجھ ڈالے
	جتنا کہ وہ اٹھا سکیں۔

یہ اس بات کی ہدایت ہے کہ اسلامی ریاست کا ذمیوں سے خدا و رسول کے نام پر ایک معاہدہ ہوتا ہے اس معاہدہ کا پورا کرنا اس کے لیے ضروری

---

[1] المعجم الوسیط مادہ ذمم

[2] بخاری، کتاب المناقب، باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمانؓ الخ مع عینی، عمدۃ القاری ۱۲/۱۲۰

Marfat.com

ہے۔ وہ ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ اس ذمہ داری کو اسے ہر قیمت پر ادا کرنا ہوگا۔ حتیٰ کہ ان کے تحفظ کے لیے اسے دشمن سے جنگ بھی کرنی پڑے تو اسے اس کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

ذمی کے حقوق

اسلامی ریاست میں ذمیوں کو جو حقوق حاصل ہوں گے ان میں سے بعض بنیادی حقوق کا یہاں ذکر کیا جائے گا اور ان کے سلسلہ میں جو فقہی اور قانونی بحثیں ماہرین شریعت کے درمیان رہی ہیں ان کا بھی کسی قدر تفصیل سے جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

ذمی کی جان کی حفاظت

اسلام کے نزدیک ہر انسان کی جان محترم ہے۔ ناحق کسی کی جان لینا اس کے نزدیک سنگین جرم ہے۔ ذمی کی جان کا احترام بھی لازم ہے۔ وہ شخص سخت گناہ گار ہے جس کے ہاتھ کسی ذمی کے خون سے رنگین ہوں۔ اسے جنت سے محرومی کی وعید سنائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة وان ريحها ليوجد من مسيرة اربعين عاماً[1]	جو کسی معاہد کو قتل کرے وہ جنت کی خوشبو (بھی) نہیں پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک موجود ہوگی۔
من قتل معاهداً في غير كنهه حرم الله عليه الجنة[2]	جو شخص کسی معاہد کو بے بنیاد قتل کرے اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیگا۔

---

[1] بخاری، کتاب الدیات، باب من قتل ذمیا بغیر جرم۔

[2] ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الوفاء للمعاہد وحرمۃ ذمتہ۔ نسائی، قسامۃ، باب تعظیم قتل المعاہد۔

Marfat.com

یہ وعیدیں ذمی پر دست درازی سے باز رکھنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلامی ریاست اس کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری لیتی ہے۔ کوئی بھی شخص اس پر ہاتھ اٹھاتا ہے تو قانون کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ البتہ ایک سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کے نزدیک مسلمان اور ذمی کا خون ازروئے قانون برابر ہے؟ کیا کوئی مسلمان ذمی کو قتل کر دے تو وہ بھی اس کا مستحق ہوگا کہ اسے بھی قتل کر دیا جائے یا اس معاملہ میں دونوں کے درمیان فرق ہے؟ قرآن مجید نے اس سلسلہ میں صرف اصولی ہدایات دی ہیں، ان ہی سے اس مسئلہ میں راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس نے قتلِ ناحق کی صریح ممانعت کی ہے اور مظلوم کی دادرسی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ	اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ	نے حرام قرار دیا ہے مگر یہ کہ حق کا تقاضا
قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا	ہو۔ جس شخص کا مظلومانہ قتل ہو ہم نے
لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ	اس کے ولی کو قصاص کا حق دیا ہے۔
فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿	پس وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے
(بنی اسرائیل: ۳۳)	اس کی مدد ہوگی۔

اسلام نے قاتل سے 'قصاص' کا حکم دیا ہے۔ 'قصاص' میں برابری اور مساوات کا تصور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک انسان اور دوسرے انسان کی جان برابر ہے۔ ان کے درمیان فرق نہیں ہوگا۔ مقتول چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب، باحیثیت ہو یا بے حیثیت، اس کے عوض قاتل کی جان لی جائے گی، قطع نظر اس کے کہ وہ سماج کا ایک عام فرد ہے یا اس کی کوئی با اثر اور معزز شخصیت ہے اس لیے کہ اس نے قتل کے ارتکاب کی وجہ سے اپنی جان کی عصمت کھو دی ہے[1]۔

---

[1] یہاں قصاص پر گفتگو کو زیرِ بحث موضوع کی حد تک محدود رکھا گیا ہے۔ تفصیلات کے لیے کتبِ فقہ کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

قرآن مجید کا حکم ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ..... (البقرہ: ۱۷۸)	اے ایمان والو مقتولین کے سلسلہ میں تم پر قصاص، (مساوات) فرض کر دیا گیا ہے۔

اس حکم کی علت اور حکمت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۷۹)	اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے۔ تاکہ تم (اس طرح) قتل سے بچتے رہو۔

مطلب یہ کہ قانونِ قصاص پر عمل ہو تو قتل کا اقدام کرنے سے پہلے آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہوگا کہ اس کے بعد اس کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔ اس سے دونوں کی زندگی بچ سکتی ہے۔ کسی قوم میں قتلِ ناحق کی راہ کا مسدود ہونا اس کی حیات کا ذریعہ ہے۔ اس سے بے شمار انسانوں کی زندگی محفوظ رہ سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں اصول یہ بیان ہوا ہے۔

إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ..... (المائدہ: ۴۵)	بے شک جان کے بدلہ جان ہے اور آنکھ کے بدلہ آنکھ .....

ذمی کا قصاص مسلمان سے

اس حکم کے دائرہ میں ذمی بھی آتے ہیں یا نہیں اس کے معلوم کرنے کے لیے احادیث کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے۔

لا يقتل مسلم بكافر [1]	مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

---

[1] بخاری، کتاب الدیات، باب لا یقتل مسلم بکافر

Marfat.com

لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ [1]	مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے اور نہ کسی معاہد کو جب تک اس سے معاہدہ ہے قتل کیا جائے گا۔

علامہ خطابی اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

فیہ البیان الواضح المسلم لا یقتل باحد من الکفار کان المقتول منھم ذمیا او معاھدا او مستأمنا او ما کان [2]	اس میں واضح بیان ہے کہ مسلمان کسی بھی کافر کو قتل کردے تو اس کے بدلے میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ چاہے مقتول ذمی ہو یا اس کا تعلق معاہد قوم سے ہو یا وہ دارالحرب سے امان لے کر آیا ہو یا اور کوئی ہو۔

ان احادیث کی بنیاد پر حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام اوزاعی، ثوری، ابن شبرمہ، امام شافعی، امام احمد، اسحٰق بن راہویہ اور ابو ثور وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا [3]

امام مالک کی رائے اس سے تھوڑی سی مختلف ہے۔ وہ یہ کہ ذمی کو مسلمان قتل کرے تو قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ دھوکہ اور فریب سے اسے قتل کرتا ہے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے گا [4]

دھوکہ سے قتل کی صورت یہ ہے کہ کسی بہانہ سے اسے کہیں لے جائے اور خاموشی سے قتل کردے۔ یہ فساد فی الارض (یا نقضِ امن وامان) ہے، اس وجہ

---

[1] ابوداؤد، کتاب الدیات، باب ایقاد المسلم بالکافر۔ نسائی، ابواب القسامہ، باب سقوط القود من المسلم للکافر۔ مسند احمد ج ۲ حدیث نمبر ۹۵۹ - ۹۹۳۔ ابوداؤد میں یہ روایت ایک اور سلسلہ سند سے بھی مروی ہے دونوں حدیثیں حسن ہیں۔ فتح الباری ۱۲/۲۶۱۔ [2] خطابی، معالم السنن: ۴/۱۷

[3] عینی، عمدۃ القاری: ۱۹/۳۲۹۔ ابن قدامہ، المغنی: ۷/۶۵۲ [4] مؤطا کتاب العقول، باب ما جاء فی دیۃ اہل الذمۃ

Marfat.com

سے مقتول کے اولیاء قاتل کو معاف بھی کر دیں تو اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔[1]

ذمی کے مسلمان قاتل سے قصاص نہ لینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے کوئی دوسری سزا بھی نہیں دی جائے گی بلکہ جیسا کہ علامہ ابن حزم نے کہا ہے قتل، خاص طور پر قتل عمد ہو تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی ہوگی۔ قاتل کو قید و بند کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔[2]

امام شعبی، ابراہیم نخعی، محمد بن ابی لیلی، عثمان بتی، امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ: امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کی رائے یہ ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے گا۔ اگر وہ اسے قتل کر دے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ صحابہ کرام میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی یہی رائے تھی۔[3]

ان حضرات کی ایک دلیل تو قرآن مجید کے یہ الفاظ ہیں اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ (جان کے بدلہ جان) ان میں مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہو یا ذمی دونوں کے لیے قصاص کا ایک ہی حکم ہے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کافر کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے تو اس سے ذمی نہیں بلکہ حربی کافر مراد ہے۔ یہی مطلب دوسری حدیث کا ہے کہ کسی مومن کو اور اسی طرح کسی معاہد کو جب تک اس کا عہد باقی ہے حربی کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہاں معاہد کے مقابلہ میں کافر کا لفظ حربی کافر کے لیے آیا ہے۔ ظاہر ہے جس سے جنگ ہے اس کا خون ایک مسلمان یا ذمی یا معاہد کے خون کے برابر نہیں ہو سکتا۔ حربی مباح الدم ہوتا ہے اور ذمی کو ریاست کا تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ اس معاملے میں وہ مسلمان کے برابر ہے۔[4]

---

[1] شرح زرقانی علی المؤطا: ۴/۴۲

[2] عینی، عمدۃ القاری: ۱۹/۳۴۹

[3] حوالہ سابق

[4] فقہ حنفی کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کے لیے دیکھی جائے۔ ہدایہ: ۴/۵۵۹۔ فریقین کے دلائل اور ان کے:

Marfat.com

دوسری بات یہ کہ ان روایات کے بالمقابل بعض اور روایات بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا گیا۔ یہ روایات سند کے اعتبار سے گو مقدم الذکر روایات کے پایہ کی نہیں ہیں لیکن مجموعی طور پر استدلال کے قابل ہیں۔

دارقطنی وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کے قصاص میں ایک مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا:

انا اکرم من وفی بذمتہ[1] — میں ان لوگوں میں سب سے زیادہ شریف ہوں جنھوں نے اپنا عہد و پیمان پورا کیا۔

حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے اہل حیرہ کے ایک ذمی کو قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے قصاص میں اسے بھی قتل کر دیا۔[2]

ایک اور روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل کو مقتول کے اولیاء کے حوالہ کر دیا جائے چاہے وہ اسے قتل کریں یا معاف کر دیں۔ چنانچہ اسے مقتول کے ولی کے حوالہ کر دیا گیا جسے حنین کہا جاتا تھا۔ اس نے قاتل کو قتل کر دیا۔ بعد میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا کہ اگر وہ قتل نہیں ہوا ہے تو اسے قتل مت کرو۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ مقتول کے اولیاء کو دیت پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے ایک مسلمان کو پیش کیا

= ضعف و قوت کے جاننے کے لیے ملاحظہ ہو۔ خطابی معالم السنن: ۴/۱۶-۱۹۔ فتح الباری: ۱۲/۲۶۱-۲۶۲۔ شوکانی، نیل الاوطار: ۷/۱۵۲، ۱۵۵

[1] یہ حدیث کمزور ہے۔ ملاحظہ ہو۔ زیلعی، نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ: ۴/۳۳۵-۳۳۶۔ نیز دیکھی جائے ابن حجر۔ فتح الباری: ۱۲/۲۶۲

[2] عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۱۰۱۔ زیلعی نصب الرایہ: ۴/۳۳۶

[3] المصنف ۱۰/۱۰۲۔ نصب الرایہ: ۴/۳۳۷

Marfat.com

گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا۔ جب قتل ثابت ہو گیا تو آپ نے قاتل سے قصاص کا حکم دیا۔ اتنے میں مقتول کا بھائی حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میں نے اسے معاف کر دیا۔ حضرت علیؓ نے اس سے کہا کہ شاید ان لوگوں نے تمہیں ڈرایا دھمکایا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس کے قتل کرنے سے میرا بھائی تو نہیں مل جائے گا پھر یہ کہ انھوں نے مجھے اس کا معاوضہ بھی پیش کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ تم خود اپنے معاملہ کو سمجھ سکتے ہو۔ اس کے بعد حکم شریعت بیان کیا۔

من کان له ذمتنا فدمه کدمنا ودیته کدیتنا[1]	جسے ہمارا ذمہ ہے اس کا خون ہمارے خون کے برابر اور اس کی دیت ہماری دیت کے برابر ہے۔

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ایک تحریر دیکھی جو حیرہ کے گورنر کے نام تھی۔ اس کا تعلق اس معاملہ سے تھا کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی تحریر میں لکھا کہ قاتل کو تم مقتول کے اولیاء کے حوالہ کر دو۔ وہ چاہے اسے قتل کر دیں یا معاف کر دیں[2]

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ اسلامی ریاست اگر یہ موقف اختیار کرتی ہے کہ مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا جائے گا اور ذمی کے بدلہ مسلمان کو قتل کیا جائے گا تو یہ کمزور موقف نہ ہوگا۔ اس کے حق میں بھی اتنے ہی دلائل ہیں جتنے مخالف نقطۂ نظر کے حق میں ہیں۔

---

[1] اس کی سند میں ضعف ہے۔ امام شافعی نے معنوی لحاظ سے بھی اس پر تنقید کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ سے خود حضرت علیؓ نے اس کے خلاف روایت بیان کی ہے کہ مسلمان سے کافر کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ یہ بالکل صحیح حدیث ہے۔ کیا وہ آپؐ کے ارشاد کے خلاف فیصلہ کر سکتے ہیں؟ نصب الرایہ: ۴/۳۳۷۔ لیکن جیسا کہ احناف نے توجیہ کی ہے روایت کو حربیوں سے متعلق مان لیا جائے تو روایت اور عمل میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

[2] زیلعی، نصب الرایہ: ۴/۳۳۷

Marfat.com

ذمی کی دیت

اسی طرح کی بحث ذمی کی دیت کے بارے میں بھی فقہاء کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں تین نقطۂ نظر ملتے ہیں [۱]

امام شافعی کے نزدیک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی تہائی (⅓) ہے۔ ان کی دلیل حضرت عبادہ بن صامتؓ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے [۲]

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمان کی دیت بارہ ہزار اور یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار مقرر کی تھی۔ مجوسی کی دیت اس سے بھی کم آٹھ سو درہم رکھی [۳]

امام احمد اور بعض دوسرے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف (½) ہے۔ اس کی دلیل عمرو بن شعیب کی روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دیۃ المعاھد نصف دیۃ الحر [۴]	معاہد کی دیت آزاد (مسلمان) کی دیت کی نصف ہے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو خطابی، معالم السنن: ۴/۳۷-۳۸۔ ابن ہبیرہ، الافصاح: ۲/۲۱۱۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۲/۶۶

[۲] ابن قدامہ، المغنی: ۱۲/۵۵

[۳] ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء لایقتل مسلم بکافر۔ بیہقی، السنن الکبری: ۱۰/۱۰۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے جائے زیلعی، نصب الرایہ: ۴/۳۶۵۔ شوکانی۔ نیل الاوطار: ۷/۲۲۱-۲۲۲۔ حضرت عثمانؓ سے بھی یہودی اور نصرانی کی یہی دیت منقول ہے۔

[۴] ابو داؤد، کتاب الدیات، باب فی دیۃ الذمی۔ خطابی کہتے ہیں لیس فی دیۃ اہل الکتاب شئی ابین من ہذا۔ معالم السنن ۴/۳۷۔ یعنی اہل کتاب کی دیت کے سلسلہ میں اس سے زیادہ واضح اور کوئی روایت نہیں ہے۔

Marfat.com

یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے۔

دیۃ عقل الکافر نصف دیۃ عقل المومن[1]	کافر کی دیت مومن کی دیت کی نصف ہے۔

سنن نسائی کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

عقل الکافر نصف عقل المومن[2]	کافر کی دیت مومن کی دیت کی نصف ہے۔

امام مالک اور بعض دوسرے اصحاب ان روایات کو ذمی اہل کتاب کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں، اس لیے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے۔

عقل اهل الذمۃ نصف عقل المسلمین وهم الیهود والنصاری[3]	اہل ذمہ کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہے۔ اہل ذمہ یہود و نصاریٰ ہیں۔

ان حضرات کے نزدیک جن روایات میں کافر کا لفظ آیا ہے یہ روایات بتاتی ہیں کہ اس سے اہل کتاب مراد ہیں۔ غیر اہل کتاب اس میں شامل نہیں ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ مجھ تک حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے متعلق یہ روایت پہونچی ہے۔

قضٰی ان دیۃ الیهودی و النصرانی اذا قتل احدهما مثل نصف دیۃ الحر المسلم[4]	انھوں نے فیصلہ فرمایا کہ یہودی اور نصرانی میں سے کوئی قتل ہو جائے تو اس کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کی نصف ہوگی۔

---

[1] ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء لا یقتل مسلم بکافر۔

[2] نسائی ابواب القسامۃ باب کم دیۃ الکافر۔

[3] حوالہ سابق، مصنف عبد الرزاق کی روایت ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل عقل اهل الکتاب من الیهود والنصاری نصف عقل المسلم ۱۰۰/۹۲۔ ایک اور روایت میں ہے قضٰی ان عقل اهل الکتابین نصف المسلمین وهم الیهود والنصاری۔ دارقطنی مطبوعہ ہند ۳۶۰۔

[4] موطا، کتاب العقول، باب ماجاء فی دیۃ اهل الذمۃ، ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء لا یقتل مسلم بکافر۔

Marfat.com

مجوس کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ ان کی دیت آٹھ سو درہم ہوگی[۱] یہ اہل کتاب کی دیت سے بہت کم ہے۔ اسی کو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے اختیار کیا ہے[۲]

مشہور تابعی حضرت سلیمان بن یسار کہا کرتے تھے۔

دیة المجوس ثمانمأة درهم — مجوس کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔

امام مالک اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ہمارے ہاں اسی پر عمل ہے[۳]

مجوس ہی کے حکم میں دوسری بت پرست قومیں بھی داخل ہیں[۴]

اس نقطۂ نظر پر تنقید کرتے ہوئے امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ خیال کہ عمرو بن شعیب کی سند سے مروی حدیث میں اہل کتاب کا ذکر ہے اس لیے ان ہی کی دیت نصف ہوگی، صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ کسی گروہ کا خاص طور پر ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے گروہ اس میں شامل نہیں ہیں۔ حدیث کے الفاظ مختلف راویوں نے نقل کیے ہیں ان میں سے کئی ایک کے الفاظ عام ہیں۔ اس لیے اس میں اہل کتاب ہو یا مجوسی اسلامی ریاست کا ہر ذمی شامل ہے۔ سب کی دیت نصف ہوگی[۵]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اس رائے کا ذکر آچکا ہے کہ ذمیوں میں جو اہل کتاب ہیں ان کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہوگی۔ ایک روایت ان سے مجوس کے متعلق بھی مروی ہے۔

---

[۱] دارقطنی ص۳۴۳

[۲] احمد الدردیر مالکی فرماتے ہیں کہ کتابی ذمی ہو یا امان یافتہ حربی دونوں کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف ہے مجوسی اور مرتد کی دیت ۱/۱۵ ہے۔ سونا ۶۲/۳ دینار یا چاندی آٹھ سو درہم یا اونٹ ۶۲/۳۔ الشرح الصغیر علی اقرب المسالک: ۴/۳۷۶

[۳] مؤطا، کتاب العقول، باب ماجاء فی دیۃ اہل الذمہ۔

[۴] ابن قدامہ، المغنی: ۱۲/۵۵-۵۶ [۵] شوکانی، نیل الاوطار: ۷/۲۲۳

Marfat.com

جعل دية المجوسی نصف — انھوں نے مجوس کی دیت مسلمان کی
دية المسلم [1] — دیت کی نصف رکھی۔

ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں:

دية الذمی خمس مائة دینار [2] — ذمی کی دیت پانچ سو دینار ہے۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ اور امام ثوری کے نزدیک ذمی کی دیت وہی ہے جو مسلمان کی دیت ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح کی رائے حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی ملتی ہے۔[3]

ہدایہ میں فقہ حنفی کا مسلک ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

دية المسلم والذمی سواء [4] — مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔

اس نقطۂ نظر کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔

.... وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ .... (النساء: ۹۲) — .... اگر مقتول کسی ایسی قوم کا فرد ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو پوری دیت دینی ہوگی۔

اس سے واضح ہے کہ جس قوم سے میثاق اور عہد و پیمان ہے اس کے مقتول کی اسی طرح پوری دیت دی جائے گی جس طرح ایک مسلمان مقتول کی دی جاتی ہے۔ بعض احادیث و آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ عمرو بن امیہ ضمریؓ نے دو افراد کو جن کے نام عامر تھے قتل کر دیا۔ ان افراد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ

---

[1] عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۹۵

[2] حوالہ سابق

[3] المغنی: ۱۲/۵۱

[4] ہدایہ: ۴/۵۸۲

Marfat.com

تھا چنانچہ آپ نے ان کی وہی دیت ادا کی جو مسلمانوں کی دیت ہے[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ادا کی[2]

یعقوب بن عتبہ، اسماعیل بن محمد اور صالح فرماتے ہیں۔

عقل کل معاھد من اھل الکفر	اہل کفر میں سے ہر معاہد کی دیت مسلمانوں
کعقل المسلمین جرت بذلک	کی دیت جیسی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ
السنة فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3]	علیہ وسلم کے عہد میں یہی سنت رہی ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں:

دیة الیھودی والنصرانی	یہودی، نصرانی اور مجوس کی اور ہر ذمی
والمجوس وکل ذمی مثل دیة	کی دیت مسلمان کی دیت کے مثل ہے۔
المسلم قال وکذلک کانت	فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
علی عھد النبی صلی اللہ علیہ	حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے عہد میں
وسلم وابی بکر وعمر......	یہی معمول تھا۔

مزید فرماتے ہیں اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے ذمی کی دیت نصف کردی[3]

امام زہری کی ایک اور روایت ہے۔

ان ابا بکر وعمر کانا یجعلان	حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ یہودی اور نصرانی کی
دیة الیھودی والنصرانی اذا	دیت، اگر وہ معاہد ہیں تو آزاد مسلمان کی
کانا معاھدین دیة الحر المسلم[4]	دیت کے برابر قرار دیتے تھے۔

---

[1] ترمذی، ابواب الدیات، باب.... دارقطنی، کتاب الحدود والدیات وغیرہا ص ۳۶۰

[2] دار قطنی ص ۳۴۳

[3] عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۹۷، ۹۸ زیلعی، نصب الرایہ: ۴/۳۶۸

[4] عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۹۵-۹۶

Marfat.com

مصنف عبدالرزاق میں حضرت علیؓ سے منقول ہے۔

دیۃ الیھودی والنصرانی — یہودی اور نصرانی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان
وکل ذمی مثل دیۃ المسلم — کی دیت کے برابر ہے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں' وھو قولی (یہی میری رائے ہے[1])

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے:۔

دیۃ المعاھد مثل دیۃ — معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے
المسلم[2] — مثل ہے۔

یہ وہی بات ہے جو حضرت علیؓ نے کہی ہے[3]

جن روایات سے مسلمان اور ذمی کی دیت کے یکساں ہونے کا ثبوت ملتا ہے ان میں گو کسی قدر ضعف ہے لیکن مجموعی طور پر قابل استدلال ضرور ہیں۔ آثار صحابہ سے جہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض صحابہ نے ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کا نصف یا اس سے کم کہا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کے نزدیک ذمی اور مسلمان کی دیت برابر ہے بلکہ بعض صحابہ سے دونوں طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ اس کا ثبوت اوپر کے نقل کردہ اقوال سے ملتا ہے[4]

ایک رائے یہ بھی ہے کہ گو ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم ہے لیکن بطور تعزیر اس میں اضافہ کر کے مسلمان کی دیت کے برابر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو عمداً قتل کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے قصاص تو نہیں لیا البتہ دیت میں اضافہ

---

[1] مصنف عبدالرزاق : ۱۰/۹۷

[2] حوالہ سابق۔ اس سلسلہ کے مزید اقوال ص ۹۸ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

[3] اس موضوع پر موافق اور مخالف رایوں کے لیے دیکھی جائے بیہقی، السنن الکبریٰ مع الجوہر النقی ۱۰۲/۸-۱۰۳

[4] عبدالرزاق، المصنف : ۱۰/۹۶

Marfat.com

کر کے مسلمان کی دیت کے برابر اس پر دیت لازم کر دی۔[1]

امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے عہد میں خالد بن مہاجر نے ایک ذمی کے قتل کا ارتکاب کیا تو انھوں نے بھی اسے قتل نہیں کیا البتہ دیت میں اضافہ کر کے ایک ہزار دینار دیت مقرر کی۔[2]

ان دلائل کی بنا پر فقہ حنبلی میں گو ذمی کی دیت کو مسلمان کی دیت کی نصف مانا گیا ہے لیکن بطور تعزیر اس میں اضافہ کا جواز پایا جاتا ہے۔[3]

ان تفصیلات کے پیش نظر مسلمان اور ذمی کی دیت میں مساوات کی فقہ میں پوری گنجائش ہے بلکہ اسے اس پہلو سے ترجیح حاصل ہے کہ یہ عدل و انصاف کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ اسلامی ریاست اسے اختیار کر سکتی ہے۔

ذمی کے مال کی حفاظت

ذمیوں کی جان کی طرح ان کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر ہے۔ کسی کو ان کے مال پر قبضہ کرنے اور ان کی املاک اور جائداد سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ ہوگی۔ حضرت خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں جنگِ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جنگ کے بعد یہود نے آکر شکایت کی کہ لوگ ہمارے پھلوں اور غلوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ حب کہ یہ چیزیں کھلے میدان میں نہیں محفوظ جگہوں پر ہیں۔ یہود سے چونکہ معاہدہ ہو چکا تھا اس لیے آپ نے فوراً ہدایت فرمائی۔

الا لا یحل اموال المعاھدین	سن لو معاہدین کے اموال حلال نہیں ہیں
الا بحقھا۔[4]	الا یہ کہ ان کے لینے کا (ریاست کی طرف سے) حق ہو۔

---

[1] عبدالرزاق، المصنف: ۱۰/۹۶

[2] حوالہ سابق، نیز اس موضوع پر ملاحظہ ہو۔ نصب الرایہ: ۴/۳۶۸

[3] ابن قدامہ، المغنی: ۱۲/۵۴

[4] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب النہی عن اکل السباع

Marfat.com

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک یہودی نے جو بڑا شریر تھا یہ شکایت کی کہ لوگ ہمارے جانوروں کو ذبح کر رہے ہیں، ہمارے پھل کھا رہے ہیں، عورتوں کے ساتھ مار پیٹ ہو رہی ہے۔ آپ نے اس کی شکایت پر توجہ فرمائی۔ لوگوں پر سخت ناراض ہوئے۔ انھیں جمع کیا، نماز پڑھی اور خطبہ دیا جس میں فرمایا:۔

ان اللہ لم یحل لکم	اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اہل کتاب
ان تدخلوا بیوت اهل الکتاب	کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونے
الا باذن ولا ضرب نسائهم	کو حلال نہیں قرار دیا ہے اور نہ ان کی عورتوں
ولا اکل ثمارهم اذا اعطوکم	کو مارنے اور ان کے پھل کھانے کی اجازت
ما علیهم [1]	دی ہے جبکہ وہ اپنے اوپر جو واجب (جزیہ) ہے اسے تمہیں ادا کریں۔

حدیث میں یہاں تک آتا ہے کہ اگر کسی ذمی یا معاہد کا مال کہیں پڑا ہوا ملے تو مسلمان کے لیے اس پر قبضہ کرلینا جائز نہیں ہے۔ حضرت مقدام بن معدیکربؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لا یحل..... اللقطة	سن لو معاہد کے مال کا لقط (جو چیز
من مال معاهد الا ان	گر جائے) حلال نہیں ہے۔ ہاں اگر اس
استغنی عنها [2]	کی اسے ضرورت نہیں ہے تو اسے لے سکتے ہو۔

ذمیوں کی وہ چیزیں جنھیں مسلمان ناپاک تصور کرتا اور جن کے استعمال کو حرام سمجھتا ہے انھیں بھی وہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ورنہ فقہ حنفی کی رو سے اسے تاوان دینا ہوگا۔ شراب اور خنزیر اس کی دو مثالیں ہیں۔ فقہ حنفی کی رو سے اگر یہ کسی مسلمان

---

[1] ابو داؤد، کتاب الخراج والفی والامارہ، باب فی تعشیر اہل الذمۃ

[2] ابو داؤد، کتاب الاطعمہ، باب النہی عن اکل السباع۔

Marfat.com

کی ملکیت میں ہوں اور کوئی دوسرا مسلمان انھیں نقصان پہونچا دے یا ختم کردے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ چیزیں ایک مسلمان کے نزدیک بے قیمت ہیں۔ لیکن اگر یہ کسی ذمی کی ہوں اور مسلمان انھیں نقصان پہونچائے تو اسے تاوان دینا پڑے گا اس لیے کہ ذمی کے نزدیک ان کی قیمت ہے۔ اس کے نزدیک خنزیر کی حیثیت وہی ہے جو مسلمان کے نزدیک بکری کی ہوسکتی ہے یا شراب ہے تو اسے وہ سرکہ کی طرح مباح اور قیمت والی چیز سمجھتا ہے[1]

اسلامی ریاست شہریوں کے مالی حقوق کی محافظ اور نگراں ہے۔ ان حقوق پر شب خون مارنے اور انھیں غصب کرنے کی وہ کسی کو اجازت نہ دے گی۔ کاروباری امور، قرض کے لین دین اور اس کے تمام معاملات میں کسی کے جائز حق کو ضائع ہونے نہ دے گی۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس معاملہ میں اصولی ہدایت ہمیں عہد نبوی کے ایک واقعہ سے ملتی ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ ایک یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن ابی حدرد نامی صحابی کی شکایت کی کہ انھوں نے اس سے چار دینار قرض لیے تھے لیکن ادا نہیں کر رہے ہیں۔ آپ نے انھیں اس کا قرض ادا کرنے کے لیے کہا۔ انھوں نے عرض کیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے اس وقت میں قرض ادا کرنے کے موقف میں نہیں ہوں، آپ نے فرمایا تھا کہ ہمیں خیبر کی جنگ میں بھیجیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ مالِ غنیمت میرے حصہ میں بھی آئے گا۔ اسی وقت قرض ادا کردوں گا۔ ان کی اس گزارش کو سن کر بھی آپ نے فرمایا اس کا قرض ادا کردو۔ انھوں نے اپنا پہلا جواب دہرایا آپ نے سہ بارہ قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے تین مرتبہ کہنے کے بعد کسی کو جواب دینے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ابن ابی حدرد اٹھے۔ بازار پہونچے ان کے جسم پر چادر اور سر پر عمامہ تھا۔ عمامہ کھول کر انھوں

---

[1] ہدایہ: ۳ / ۳۶۸

Marfat.com

نے اسے تہ بند بنا لیا اور چار دینار میں چادر فروخت کر دی۔ ایک خاتون نے اس حال میں دیکھا تو اپنی طرف سے ایک چادر دی کہ اسے اوڑھ لیں۔

اس روایت کے ذیل میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

فيه التشديد على المديون بإيجاب القضاء وعدم قبول دعواه الاعسار لمجردها من دون بينة وعدم الاعتداء بيمينه من فرق بين ان يكون صاحب المال مسلما او كافرًا [۱]	اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ قرض دار پر قرض کی ادائیگی کے لیے سختی کی جائے گی اور بغیر دلیل کے اس کا محض یہ دعویٰ کردہ تنگ دست اور مجبور ہے نہیں سنا جائے گا۔ اس کی قسم کا بھی اس معاملہ میں اعتبار نہ ہوگا قطع نظر اس کے کہ قرض دار مسلمان ہے یا کافر۔

اسلام میں چوری کی سزا 'قطع ید' ہے (المائدہ: ۳۸) چوری مسلمان کرے یا ذمی، مال چاہے مسلمان کا ہو یا ذمی کا دونوں کی یہی سزا ہے۔ امام احمد، امام شافعی اور احناف سب کے ہاں مسلمان خواہ مسلمان کا مال چوری کرے یا ذمی کا اسے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح ذمی اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہوگا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں اس معاملہ میں ہمارے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے [۲]

اسی طرح اس امر میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان اور ذمی کے درمیان کوئی نزاع پیدا ہو جائے اور وہ عدالت میں آئے تو اس کا تصفیہ عدل و انصاف کے مطابق ہوگا تاکہ کسی پر بھی ظلم نہ ہو [۳]

---

[۱] شوکانی، نیل الاوطار: ۹/۱۸۲۔ قرض دار کو قید بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

[۲] ابن قدامہ۔ المغنی: ۱۲/۴۵۱

[۳] حوالہ سابق: ۱۲/۳۸۳

Marfat.com

اسلامی ریاست ذمی کو پورا مالی تحفظ فراہم کرتی ہے۔ تاکہ وہ ہر خطرہ اور اندیشے سے آزاد ہو کر پورے اطمینان کے ساتھ مالی سرگرمیاں جاری رکھ سکے۔

ریاستی امور میں ذمیوں کی خدمات

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں ذمیوں یا غیر مسلموں کو کوئی عہدہ و منصب حاصل ہوگا یا وہ اس کی کوئی خدمت کر سکیں گے؟ آج کل کی اصطلاح میں ملازمت کا حق حاصل ہوگا؟

یہ ایک فطری بات ہے کہ جو لوگ اسلام کو خدا کا نازل کردہ دین مانتے ہیں اور جنھیں اس کی صداقت پر ایمان و یقین ہے وہی اس دین کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست کا نظم و نسق خلوص کے ساتھ چلا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کو اسلام کی صداقت ہی میں شبہ ہو اور جو اسے خدا کا دین نہ مانتے ہوں ان پر اسلامی ریاست کے چلانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔ وہ اس کے کلیدی مناصب کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان سے ہٹ کر دیگر ریاستی امور میں ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں ایک رائے یہ ملتی ہے کہ ریاست کو ان سے کسی بھی طرح کا تعاون حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس پر قرآن مجید کی جن آیات سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا	اے ایمان والو اپنے لوگوں کے
بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ	سوا دوسروں کو راز دار نہ بناؤ وہ تمہارے
خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ	بگاڑ میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس
الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ	چیز سے خوش ہوتے ہیں جس سے تمہیں
وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ	تکلیف پہونچے ان کے منھ سے بغض و
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ	عداوت ظاہر ہے اور جو کچھ ان کے
إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ۝	سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی

Marfat.com

(آل عمران: ۱۱۸) زیادہ ہے، ہم نے تمہیں اپنی آیات کھول کر بیان کر دی ہیں۔ اگر تم عقل سے کام لو[1]

اس آیت کے ذیل میں قاضی ابویعلی کہتے ہیں۔

وفی هٰذه الآیة دلالة	اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے
علی انه لایجوز الاستعانة	کہ ذمیوں میں سے جو کاریگر اور محرر (وغیرہ)
باهل الذمة فی امور المسلمین	ہیں ان سے مسلمانوں کے معاملات میں مدد
من العمالات والکتبة[2]	لینا جائز نہیں ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک ذمی کو اپنا کاتب (منشی) مقرر کیا ہے تو انھیں سخت خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہمارے ماتحت رکھا ہے تم انھیں فرمانروائی کا مقام دے رہے ہو[3]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ "عاشر" یعنی وہ شخص جو عشر و خراج اور تجارتی ٹیکس وصول کرے، اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم کو اُس منصب پر (یا اس جیسے دوسرے منصب پر) فائز کرنا حرام ہے۔ اس کی دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی ہے وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ (النساء: ۱۴۱) (اور اللہ نے کافروں کے مسلمانوں پر غالب آنے کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے)

اس کی تائید میں حضرت عمرؓ کا اسی طرح کا قول پیش کیا گیا ہے جو ابھی گزر چکا ہے۔ امام محمدؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ

---

[1] یہ اور اس مفہوم کی دوسری آیات کے سیاق و سباق اور پس منظر سے بحث کے لیے ملاحظہ ہو۔ 'غیر مسلموں سے عدم تعلق کے قرآنی احکام کا پس منظر'

[2] ابن جوزی: زاد المسیر: ۱/۴۴۷

[3] حوالہ سابق۔ ابن تیمیہ کا خاص پس منظر معلوم ہوتا ہے اس کا حوالہ ہم آگے دیں گے۔ اس نقطۂ نظر کی مزید تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۴/۱۷۹

Marfat.com

مشرکین میں سے کسی کو کاتب (منشی) نہ مقرر کرو کہ وہ مسلمانوں کے معاملات قلم بند کرے۔ اس لیے کہ وہ اپنے دینی کاموں میں رشوت لیتے ہیں اور ہمارے دین میں رشوت جائز نہیں ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ اسی پر ہمارا عمل ہے۔ سربراہ مملکت کے لیے غیر مسلم کو کاتب مقرر کرنا ناجائز ہے[1]

حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو کاتب کا عہدہ نہ دینے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رشوت خور ہیں۔ مسلمان اس دور میں اس کمزوری سے پاک تھے اس لیے وہی اس کے مستحق سمجھے گئے۔ ورنہ ظاہر ہے کسی رشوت خور کو سرکاری عہدہ پر مامور نہیں کیا جاسکتا چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ عمومی استدلال شاید صحیح نہ ہو کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم کو کوئی اہم منصب نہیں دیا جاسکتا۔ وہ اگر دیانت و امانت سے متصف اور قابل اعتماد ہے تو اسے ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے۔

جنگ میں غیر مسلموں کی شرکت

فقہاء کے درمیان ایک مسئلہ یہ زیر بحث رہا ہے کہ غیر مسلموں سے جنگی خدمات لی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ مشرکین سے مدد لینا مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ ان ہی میں امام احمد بھی ہیں۔ ان کے نزدیک جن احادیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے ان کے مقابلہ میں وہ احادیث زیادہ قوی اور مستند ہیں جن سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے[2]

مسلم وغیرہ کی روایت ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف روانہ ہوئے اور حرۃ الوبرہ نامی مقام پر پہونچے (جو مدینہ سے

---

[1] ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۱/۵۰-۵۱

[2] زیلعی، نصب الرایہ: ۳/۴۲۴- نیز قرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۴/۱۷۹

Marfat.com

تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے) تو آپ سے ایک شخص نے ملاقات کی جس کی جرأت وہمت اور مضبوطی و توانائی کا شہرہ تھا۔ مسلمان اس کی آمد پر خوش ہوئے۔ اس نے عرض کیا کہ میں اس جنگ میں آپ کے ساتھ شریک ہونا اور جو مال ملے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا انا لا نستعین بمشرک (ہم کسی مشرک سے مدد حاصل نہیں کرتے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ دوبارہ الشجرہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست پیش کی۔ آپ نے اس سے وہی سوال کیا جو پہلے کیا تھا کہ تم خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے اب کی بار بھی نفی میں جواب دیا۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے اس کے بعد وہ مقام بیدار میں آپ کی خدمت میں پہونچا اور اپنی درخواست پیش کی۔ آپ نے اس بار بھی اس سے یہی سوال کیا کہ کیا تم خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں آپ نے فرمایا اب تم ہمارے ساتھ چلو [1]

اسی قسم کا ایک واقعہ مستدرک حاکم، مسند احمد، ابن ابی شیبہ اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ میں موجود ہے کہ حبیب بن اساف اور ان کے ایک ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا کہ ہماری قوم کسی جنگ میں شریک ہو اور ہم شریک نہ ہوں یہ ہمارے لیے باعثِ عار ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی شرکت کی اجازت دیجئے۔ آپ نے ان سے یہی سوال کیا کہ کیا تم اسلام لا چکے ہو؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا ہم مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ فرماتے ہیں۔ پھر ہم اسلام لے آئے اور جنگ میں شریک ہوئے [2]

---

[1] مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب کراہۃ الاستعانۃ فی الغزو بکافر

[2] زیلعی، نصب الرایہ: ۳/۴۲۳

Marfat.com

ایک طرف تو یہ روایات ہیں دوسری طرف بعض اور روایات ہیں جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ نازک معاملات میں بھی وقتِ ضرورت غیر مسلم کی خدمات اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

ہجرت کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے مکہ سے ہجرت کی تو راستہ کی راہنمائی کے لیے بنوالدیل کے ایک شخص کی خدمات اجرت پر حاصل کیں جو کافر تھا[1] اس نے جاہلیت کے طریقے کے مطابق پختہ قسم کھائی کہ وہ اس سفر کو راز میں رکھے گا اور سفر میں راہنمائی کرے گا[2]

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے اعتماد کیا اور اپنی اونٹنیاں اس کے حوالہ کر دیں تین دن کے بعد مکہ میں جب آپ کی تلاش کا ہنگامہ فرو ہوا تو وہ حسب وعدہ اونٹنیاں لے کر غار ثور کے پاس پہونچا اور آپ دونوں کو لے کر سمندر کے کنارے کے راستہ سے مدینہ پہنچا[3]

اس حدیث کے ذیل میں علامہ بدرالدین عینی کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین سے اگر وفاداری اور اعلیٰ اخلاقی جذبات کا مظاہرہ ہو تو ان پر رازداری کے معاملات اور مال کے سلسلہ میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس مشرک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد فرمایا تھا۔ اس لیے کہ مشرکین گو کہ آپ کے دشمن تھے لیکن دین ابراہیمی کی جو صالح روایات ان میں باقی رہ گئی تھیں ان کے وہ پابند تھے۔ (ان ہی میں ایک عہد و پیمان کا احترام بھی تھا) چونکہ اس شخص میں آپ نے اخلاق و مروت دیکھی تو سفر ہجرت کے خفیہ پروگرام کے سلسلہ میں

---

[1] اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اریقط نام تھا۔ فتح الباری ۷/ ۲۳۸

[2] دور جاہلیت میں ہاتھ کو خون یا زعفرانی رنگ یا اسی طرح کی کسی چیز میں ملوث کر کے قسم پکی کی جاتی تھی۔ فتح الباری : ۷/ ۲۲۶

[3] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبیؐ و اصحابہ الی المدینۃ مع فتح الباری : ۷/ ۲۳۲ - ۲۳۸

Marfat.com

اس پر اعتماد کیا اور اپنی اونٹنیاں اس کے حوالہ کر دیں کہ تین دن بعد وہ انھیں لے کر غار ثور پر پہونچ جائے ۔ یہ مال کے بارے میں اس پر اعتماد تھا [۱]

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سخت ترین حالات میں گھر گئے، مخالفین نے آپ کے قیام کو ناممکن بنا دیا اور آپ کی شہادت کی تدبیریں کی جانے لگیں تو آپ نے ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔ یہ ایک بالکل رازدارانہ فیصلہ تھا۔ اس پر عمل درآمد کی راہ میں آپ نے ایک ایسے فرد کی خدمات حاصل کیں اور اسے اس کا معاوضہ بھی دیا جو عقیدہ کے لحاظ سے دشمن قوم کا فرد تھا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سخت مخالف ماحول میں بھی ضرورت پڑنے پر قابل اعتماد غیر مسلم افراد کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہ تعاون ممنوع نہ ہوگا۔

اس واقعہ کا تعلق جنگ سے نہیں ہے لیکن اس سے جنگی تعاون کے سلسلہ میں استدلال کرنا غلط نہ ہوگا۔ دونوں میں رازداری اور اعتماد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد بعض اوقات جنگی مہمات میں غیر مسلموں سے تعاون حاصل کیا ہے۔ اس وجہ سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ حالات کے لحاظ سے اسے جائز سمجھتے ہیں۔

جن ائمہ نے اسے جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اسلامی ریاست کا سربراہ یا حاکم دو شرائط کے ساتھ غیر مسلموں کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے سکتا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو اور ان سے مدد لینے کی ضرورت ہو۔ دوسرے یہ کہ جن سے مدد لی جائے وہ قابلِ اعتماد ہوں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک کی یہ روایت کہ آپ نے ایک یا دو مشرکوں کی اس پیش کش کو رد فرما دیا کہ وہ جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں، اس کا تعلق جنگِ بدر سے ہے۔

---

[۱] بدرالدین عینی، عمدۃ القاری : ۷۳/۱۰

Marfat.com

لیکن بدر کے چار سال بعد آپ نے جنگ خیبر کے موقع پر بنو قینقاع کے یہود سے مدد لی اور جنگ حنین میں صفوان بن امیہ سے مدد حاصل کی جو اس وقت مشرک تھے[1]۔ بدر کے سلسلہ میں جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کو کسی مشرک کو جنگ میں ساتھ لینے اور شریک کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ساتھ لیا دوسری مرتبہ نہیں لیا۔ یہ اختیار تو آپ کو مسلمانوں کے سلسلہ میں بھی حاصل تھا۔ کسی مسلمان کو جنگ میں ساتھ نہ لے جانا چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ حدیثیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ آپ انھیں مشرک ہونے کی وجہ سے ساتھ نہیں لے گئے۔ اگر یہ ہے تو بعد کے واقعات کو ناسخ سمجھا جائے گا۔ جن میں آپ نے ان سے مدد لی تھی۔ غزوۂ بدر میں جس مشرک کو آپ نے لوٹایا ہو سکتا ہے آپ کے اس رویہ سے اس کے اسلام لانے کی توقع رہی ہو بہرحال امام کو یہ حق ہے کہ مصلحت کے پیش نظر وہ کسی کو جنگ میں شرکت سے روک دے[2]۔

مسلم کی روایت اِنَّا لَا نَسْتَعِیْنُ بِمُشْرِكٍ (ہم کسی مشرک سے مدد نہیں

---

[1] غزوۂ حنین کا واقعہ ہے کہ قبیلۂ ہوازن کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی کہ وہ اور اس کے حلیف آپ کے خلاف جنگ کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ آپ نے بھی مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ اسی اثنا میں آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ صفوان بن امیہ، جو اس وقت تک مشرک تھے، کے پاس کافی ہتھیار ہیں۔ آپ نے ان کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور فرمایا: اے ابوامیہ! آپ اپنے ہتھیار ہمیں عاریتًا دیں تاکہ کل دشمن سے ہونے والی جنگ میں ہم فائدہ اٹھا سکیں۔ اس نے کہا کہ یہ ہتھیار غصب تو نہیں کر لیے جائیں گے۔ آپ نے اطمینان دلایا کہ یہ عاریتًا لیے جا رہے ہیں اور اس کی کمی کی تلافی ہوگی۔ اس نے کہا تب تو کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے آپ کو سو زرہیں اور اس کے مناسب ہتھیار دئے روایت ہے کہ آپ کی درخواست پر اس نے ان کے پہونچانے کا بھی نظم کیا۔ سیرۃ ابن ہشام: ۴/۶۸

[2] زیلعی، نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۳/۴۲۴۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن الہمام، فتح القدیر: ۴/۳۲۷، ۳۲۸

Marfat.com

لیں گے) کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صفوان بن امیہ سے ان کے اسلام لانے سے قبل مدد حاصل کی تھی۔ علماء کے ایک طبقہ نے پہلی حدیث کو اس کے اطلاق کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک کسی مشرک سے مدد لینا مطلقاً صحیح نہیں ہے، لیکن امام شافعی اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اگر کافر مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے اور ضرورت کا تقاضا ہے کہ اس سے مدد لی جائے تو مدد لی جائے گی۔ بلا ضرورت یہ ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح دونوں حدیثیں دو مختلف صورت حال پر محمول ہوں گی۔[1]

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:-

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مشرکین سے جنگ میں (ان کے مخالف) مشرکین سے مدد لی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہے گی کہ جنگ کے بعد اسلام کے احکام کا غلبہ ہو، لیکن اگر مشرکین کے غلبہ کا اندیشہ ہو تو ان سے مدد نہیں لی جائے گی۔ ایسی صورت میں مسلمان ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ سیرت و مغازی کی مشہور روایات ہیں کہ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبھی یہود رہے ہیں اور کبھی مشرکین کا ساتھ رہا ہے۔ باقی رہا اس روایت کا معاملہ جس میں آپ نے فرمایا کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے تو ہو سکتا ہے کہ یہ بات خاص اس شخص سے متعلق ہو۔ ممکن ہے آپ نے اسے جاسوس خیال فرمایا ہو۔ آپ کے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس جیسے آدمی سے مدد نہیں لیتے۔[2]

مال غنیمت میں غیر مسلموں کا حصہ

جن فقہاء کے نزدیک اسلامی ریاست غیر مسلموں سے وقت ضرورت فوجی

---

[1] نووی، شرح مسلم ج ۴ جز ۱۲ ص ۱۹۹

[2] جصاص، احکام القرآن: ۲/ ۵۴۴

Marfat.com

خدمات لے سکتی ہے ان کے درمیان یہ بحث رہی ہے کہ مال غنیمت میں مسلمانوں کی طرح ان کا بھی کوئی متعین حصہ ہوگا یا نہیں ؟ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہلِ علم کے نزدیک اگر ذمی مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرے تو بھی مال غنیمت میں اس کا کوئی (متعین) حصہ نہ ہوگا لیکن بعض دوسرے اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں وہ بھی مالِ غنیمت میں حصہ دار ہوں گے۔ امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن یہودیوں نے جنگ میں شرکت کی آپ نے انھیں بھی حصہ دیا تھا۔[1]

امام زہری کا یہ بیان ابوداؤد کی مراسیل میں بھی ہے۔ اس کے ایک راوی نے مثل سہمانِ المسلمین (مسلمانوں کے حصہ کی طرح) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے فیسھم لھم کسھام المسلمین۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں شریک ہونے والے یہود کو مسلمانوں کی طرح حصہ دیا کرتے تھے۔[2]

بیہقی کی روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے یہود سے مدد لی تھی۔ ان کو عطیہ دیا تھا حصہ نہیں دیا تھا۔[3]

واقدی کا بیان ہے کہ غزوۂ خیبر میں آپ کے ساتھ مدینہ کے دس یہودی تھے۔ آپ نے مسلمانوں کے حصہ کی طرح ان کو بھی حصہ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو کچھ بطور عطیہ دیا تھا باقاعدہ حصہ نہیں دیا تھا۔[4]

امام نووی فرماتے ہیں :۔

---

[1] ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی اہل الذمۃ یغزون مع المسلمین ہل یسہم لہم۔

[2] یہ روایتیں امام زہری سے مرسل ہیں، اہل علم نے امام زہری کے مراسیل کو ضعیف قرار دیا ہے۔ زیلعی نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ : ۳/ ۴۲۲ - ۴۲۳

[3] اس روایت میں بھی ضعف ہے۔ حوالۂ سابق   [4] حوالۂ سابق۔

Marfat.com

اگر کوئی غیر مسلم امام کی اجازت سے جنگ میں شرکت کرے تو اسے بطور عطیہ کچھ دیا جائے گا، باقاعدہ اس کا حصہ نہ ہوگا یہی امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور کا مسلک ہے۔ امام زہری اور اوزاعی کہتے ہیں کہ ان کا بھی باقاعدہ حصہ نکالا جائے گا۔[1]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ اگر ذمی جنگ میں شریک ہو تو اس کا حصہ (مال غنیمت میں) مسلمانوں کے حصہ کے برابر نہیں ہوگا۔ اسے بطور عطیہ جو دیا جائے گا وہ کسی مسلمان کے حصہ کے برابر نہیں ہوگا۔ اسے بطور عطیہ جو دیا جائے گا وہ بہر حال کسی مسلمان کو ملنے والے حصہ سے کم ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے کہ اگر وہ جنگ میں براہِ راست شریک نہیں ہے لیکن اس نے اس سلسلہ کی کوئی اور خدمت انجام دی ہے تو اسے اس کی اجرت دی جائے گی۔ یہ خدمت اگر اس نوعیت کی ہے کہ اس سے مسلمانوں کو زیادہ نفع پہونچ رہا ہے، مثلاً اس نے کسی خاص پہلو سے راہنمائی کی ہے تو اسے جو اجرت دی جائے گی وہ مال غنیمت میں ملنے والے حصے سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔[2]

ان تفصیلات میں سب سے پہلے سفر ہجرت کا واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس سفر میں ایک غیر مسلم سے مدد حاصل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سخت اسلام دشمنی کے ماحول میں بھی ایسے غیر مسلم افراد ہوسکتے ہیں جن پر پیش نظر اسلامی منصوبوں میں اعتماد کیا جا سکے۔ ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور ان سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی حکمت عملی کا ایک ضروری جزء ہے۔ اسی طرح احادیث اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں اور بیشتر مذاہب فقہ کی اسے تائید حاصل

---

[1] نووی، شرح مسلم جلد ۴ جزء ۱۲ ص ۱۹۹

[2] ہدایہ مع فتح القدیر: ۴/۳۲۷۔ درالمختار مع ردالمحتار: ۳/۲۵

Marfat.com

ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلموں سے جنگی خدمات حاصل کرسکتی ہے۔ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ مال غنیمت میں جس طرح مسلمان سپاہیوں کا حصہ متعین ہے اسی طرح غیر مسلم فوجیوں کا حصہ متعین نہیں ہے۔ لیکن بعض ائمہ کے نزدیک غیر مسلم فوجی کا بھی وہی حصہ ہوگا جو ایک مسلم سپاہی کا ہوتا ہے۔ یہ بحث زیادہ اہم اس لیے نہیں ہے کہ موجودہ دور میں جنگی ٹیکنک اتنی پیچیدہ ہوگئی ہے کہ اس میں مال غنیمت کا سوال مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی گنجائش بہرحال فقہ میں پائی جاتی ہے کہ غیر مسلموں کی فوجی خدمات بالمعاوضہ حاصل کی جاسکتی ہیں۔

زکوٰۃ کی وصولیابی

ایک اور جزئیہ پر غور کیجئے۔

اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ اموال زکوٰۃ غیر مسلم پر صرف نہیں ہوں گے[۱] لیکن زکوٰۃ کے جو مصارف بیان ہوئے ہیں ان میں اس کے عمال اور کارندے بھی ہیں۔ اسے قرآن مجید نے 'وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا' کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کی وصولیابی اور تقسیم وغیرہ کے کام پر کسی غیر مسلم کو لگانا اور اسے اس کا محنتانہ دینا صحیح ہے؟ امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جائز ہے جس طرح اور کاموں پر اسے اجرت دی جاسکتی ہے اسی طرح اس کام پر بھی اسے اجرت دینا غلط نہیں ہے۔ مشہور حنبلی فقیہ علامہ خرقی کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے[۲]

زکوٰۃ کا تعلق خاص مسلمانوں سے ہے۔ اس سے ہٹ کر دوسرے محاصل اور ٹیکس وغیرہ کی وصولی غیر مسلموں کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔ خاص طور پر جزیہ یا خراج

۱؎ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰۶/۴

۲؎ حوالہ سابق ۱۰۷/۴

Marfat.com

ان سے وصول کیا جاتا ہے اس کی وصولی کے لیے ان کے تعینات میں بظاہر کوئی قباحت نہیں محسوس ہوتی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں موجودہ حالات کے پیش نظر غیر مسلموں کی خدمات اور ان کے حقوقِ ملازمت وغیرہ پر از سر نو غور ہونا چاہیے۔

ذمیوں کی عبادت گاہیں باقی رہیں گی

کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں غیر مسلموں کی بہت سی عبادت گاہوں کو توڑا اور انھیں منہدم کر دیا۔ اس کا تاریخی ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس بحث سے ہٹ کر یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ اگر کسی فرد یا گروہ نے یہ حرکت کی ہے تو ایک ناروا فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی تعلیمات اس کے خلاف ہیں۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو جہاد کی پہلی مرتبہ جب اجازت دی گئی تو اس کی ضرورت اور حکمت ان الفاظ میں بیان ہوئی۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ	اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ	کے ذریعہ دفع نہ کرتا تو خانقاہیں، گرجے،
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ	عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ
وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ	کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب
اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ	منہدم کر دیے جاتے اور اللہ ضرور
اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ	مدد کرے گا ان لوگوں کی جو اس کی
لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝	مدد کرتے ہیں۔ بے شک اللہ طاقت ور
(الحج : ۴۰)	اور غالب ہے۔

مطلب یہ کہ جہاد کا حکم صرف مسلمانوں ہی کو نہیں دیا گیا بلکہ ظلم و بربریت کو مٹانے کے لیے دوسرے انبیاء اور ان کی امتوں کو بھی دیا جاتا رہا ہے۔ اس پر

Marfat.com

اعتراض اپنی ہی دینی تعلیمات پر اعتراض ہے اگر یہ حکم نہ ہوتا تو دنیا ظلم وجور سے بھر جاتی اور عبادت گاہیں تک محفوظ نہ رہتیں۔ اللہ کے دشمن اور اس کے باغی انھیں بھی مسمار کر کے چھوڑتے۔ اس لیے جب بھی ظلم حد سے آگے بڑھا اور ظالموں نے دین اور مذہب کی نشانیوں کو بھی ختم کر دینا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو ان کے خلاف صف آرا ہونے کا حکم دیا اور ان کے ذریعہ ظلم کے بڑھتے ہوئے قدم روک دئے گئے۔[1]

اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ ظلم وستم جو مشرکین کی طرف سے مسلمانوں پر ہو رہا ہے اگر مسلمانوں کو اس کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تو زمین پر کوئی عبادت گاہ باقی نہیں رہے گی، یہودیوں کے معبد نصاریٰ کے گرجا اور خانقاہیں اور مسلمانوں کی مساجد سب مٹا دی جائیں گی۔[2]

ان میں سے جو بھی مفہوم لیا جائے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عبادت گاہوں کا انہدام اسلام کے نزدیک سراسر ناروا اور ظالمانہ عمل ہے۔ وہ ان کے انہدام کا نہ صرف مخالف ہے بلکہ وہ دوسری عبادت گاہوں کی بھی اسی طرح حفاظت چاہتا ہے جس طرح مساجد کی حفاظت چاہتا ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر پر اتفاق ہے کہ کسی غیر مسلم علاقہ پر اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو وہاں غیر مسلموں کی جو عبادت گاہیں پائی جاتی ہیں انھیں منہدم نہیں کیا جائے گا۔ ان کی مرمت کی انھیں اجازت ہوگی اور ضرورت پڑنے پر وہ ان کی از سرِ نو تعمیر بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے بہت سے علاقے اور بہت سے شہر فتح کیے لیکن وہاں کسی کلیسا یا کسی معبد کو مسمار کیا معنی نقصان بھی نہیں پہونچایا گیا۔

اس کے ثبوت میں ان عبادت گاہوں کا حوالہ دیا گیا ہے جن کی تعمیر اسلامی فتوحات سے پہلے ہوئی تھی جو ان کے بعد بھی صدیوں تک قائم رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غیر مسلموں

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن : ۱۲/۷۰

[2] ماوردی، النکت والعیون : ۳/ ۸۴

Marfat.com

کی عبادت گاہوں کو توڑنے یا انھیں مسمار کرنے کا از روئے شرع کوئی جواز ہی نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باقی رکھی جائیں اور اسلام کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ وہ باقی رکھی گئیں اور انھیں کوئی نقصان نہیں پہونچایا گیا۔

ایک سوال یہ ہے کہ یہ حکم صرف آسمانی مذاہب کی عبادت گاہوں کا ہے یا اس میں دوسرے مذاہب بھی آتے ہیں؟ سورۂ حج کی جو آیت اس بحث کے شروع میں آئی ہے اس میں 'صوامع' 'بیع' 'صلوات' اور مساجد کا ذکر آیا ہے۔ 'صوامع' جمع ہے۔ اس کا واحد صومعہ ہے۔ اس کے معنی اونچی عمارت کے ہیں۔ یہ لفظ نصاریٰ کے راہبوں اور صابئین کے زاہدوں کی عبادت گاہ کے لیے بولا جاتا تھا۔ 'بیع' کا واحد بیعۃ ہے۔ یہ کلیسا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ 'صلوات' یہودیوں کی عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے۔ 'صلوات' کا لفظ اہلِ عرب نے عبرانی کے صلوتا سے بنایا ہے۔ آخر میں مسلمانوں کی مساجد کا ذکر ہے۔

ان عبادت گاہوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کے ذریعہ ان کی حفاظت فرماتا ہے اور اب بھی فرمائے گا ورنہ خدا کے باغی اور اس کے دشمن انھیں تباہ کر دیں گے۔ اس سے بہت سے مفسرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آیت میں جن عبادت گاہوں کا ذکر ہے ان ہی کی حفاظت کا اس میں حکم ہے۔ دوسری عبادت گاہیں اس میں شامل نہیں ہیں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں:-

یہاں ان امتوں کی عبادت گاہوں کا بیان ہے جن کے پاس قدیم زمانہ سے آسمانی کتاب رہی ہے۔ مجوس یا مشرکین کا ذکر نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان قوموں میں نہیں ہیں جن کی حمایت واجب ہو اور صرف اہلِ شرائع ہی کے ہاں اللہ کو یاد کیا جاتا ہے[1]

لیکن ابو العالیہ نے 'صلوات' سے صابئین کی مسجد مرادلی ہے[2]

صابئہ کے پاس آسمانی کتاب کے ہونے کا قطعی ثبوت نہیں ہے۔ صرف اسکا

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۴/۱۷

[2] اس سلسلہ میں سلف کی آراء کے لیے دیکھی جائے۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن ج ۹ جزء ۱۷، ص ۱۲۵-۱۲۶ طبع قدیم۔

Marfat.com

امکان ہے۔ اس طرح کا امکان بہت سے قدیم مذاہب کے بارے میں بھی ہے۔ آیت میں مساجد کے متعلق کہا گیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری عبادت گاہوں کے بارے میں یہ بات نہیں کہی گئی ہے۔ اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ ان سب میں کثرت سے اللہ کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔

بہر حال حضرت ابوالعالیہ کی رائے کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غیر اہل کتاب کی عبادت گاہ کے انہدام کی بھی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔

ابن خویز منداد کہتے ہیں کہ سورۂ حج کی آیت میں ذمیوں کے کلیسا، ان کی عبادت گاہیں اور ان کے آتش کدے منہدم کرنے سے منع کیا گیا ہے[1]

اس سلسلہ میں فقہاء نے بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی مسلمانوں کے شہروں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جن شہروں پر مسلمانوں کا بزور قبضہ ہو ان میں غیر مسلم نئی عبادت گاہیں تو نہیں بنا سکیں گے البتہ قدیم عبادت گاہوں کے بارے میں انھوں نے دلائل کے ساتھ بتایا ہے کہ وہ باقی رہیں گی۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے۔

ایما مصر مصرته العجم	جس شہر کو عجم نے آباد کیا اور اللہ تعالیٰ
ففتحه الله على العرب	نے عربوں کو اس پر فتح نصیب کی اور وہ
فنزلوه فان للعجم مافى	وہاں پہنچے تو عجم کی وہ چیزیں باقی رہیں
عهدهم	گی جو ان کے عہد میں تھیں۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ کوئی عبادت گاہ، کوئی کلیسا اور کوئی آتش کدہ منہدم نہ کیا جائے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ امت کا اس مسئلہ پر اجماع ہے اس لیے کہ یہ عبادت گاہیں مسلمانوں کے شہروں میں رہیں اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی[2]

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن : ۱۲/۷۰ [2] ابن قدامہ، المغنی : ۱۳/۲۴۰

Marfat.com

کیا ذمیوں کی نئی عبادت گاہیں تعمیر ہو سکتی ہیں؟

فقہاء کے درمیان یہ بحث ضرور رہی ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں کہ وہ اپنی نئی عبادت گاہیں تعمیر کریں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شہروں میں انھیں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہ ہوگی خاص طور پر ان شہروں میں جنھیں مسلمان (اپنے مصالح اور ضروریات کے تحت) آباد کریں جیسے کوفہ اور بصرہ، اس لیے کہ شہروں کی حیثیت اسلام کے تہذیبی مراکز کی ہے۔ البتہ قدیم شہروں میں ان کی جو عبادت گاہیں پہلے سے موجود ہیں وہ باقی رہیں گی۔ جیسے بغداد میں روم کا کلیسا۔

دیہاتوں میں یا جن علاقوں میں ذمیوں کی آبادیاں ہیں وہاں وہ اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں[1]

اگر کسی علاقہ کے لوگوں کی اسلامی ریاست سے اس بات پر صلح ہو جائے کہ پورے علاقہ پر یا اس کے کسی ایک حصہ پر قبضہ ان کا رہے گا اور وہ خراج ادا کریں گے تو صلح کے مطابق زمین ان کی ہوگی اور وہ اس میں اپنی عبادت گاہیں اور گرجے تعمیر کر سکتے ہیں[2]

ان رایوں کے پیچھے اپنے دور کے سیاسی مصالح بھی ضرور ہوں گے لیکن بہر حال یہ رائیں مذہبی آزادی کے تصور سے پوری طرح میل نہیں کھاتیں۔ اگر کسی شہر یا علاقہ کی حیثیت فوجی چھاونی کی ہے یا کچھ مخصوص سیاسی ضروریات کے تحت اس کی تعمیر ہوئی ہے تو اس کی نوعیت دوسری ہے ورنہ آج کے دور میں جب کہ زیادہ تر آبادیاں مخلوط ہیں اور بڑے شہروں میں متعدد مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ رہتے ہیں اگر ان کا کوئی بھی گروہ اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ قرآن مجید یا کسی صحیح حدیث سے اس کی ممانعت ثابت نہیں ہے[3]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ہدایہ: ۲/۵۷۷ مع فتح القدیر ۴/۳۷۷، ۳۷۹ نیز ابن قدامہ، المغنی ۱۲/۲۳۹-۲۴۰

[2] المغنی: ۱۳/۲۴۰

[3] اس سلسلہ میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کے ضعف کے لیے ملاحظہ ہو نصب الرایہ ۳/۴۵۳-۴۵۴

Marfat.com

اسلامی ریاست اور بین الاقوامی تعلقات

بعض اوقات اسلامی ریاست کے بارے میں اس طرح کا تصور دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس کا نفسِ وجود ہی غیر اسلامی ریاستوں کے لیے خطرہ کا باعث ہوگا۔ وہ کسی دوسری سیاسی طاقت یا ریاست کو برداشت نہیں کرے گی بلکہ اس وقت تک خاموش نہ رہے گی جب تک کہ دوسری ریاستیں اقتدار سے محروم اور اس کے سامنے سرنگوں نہ ہو جائیں۔ وہ پوری دنیا پر حالتِ جنگ طاری کر دے گی۔

یہ ایک بالکل غلط اور بے بنیاد خیال ہے۔ اس طرح کی صورتِ حال نہ تو ممکن ہے اور نہ یہ اسلام کی تعلیمات اور اس کی تاریخ سے ہم آہنگ ہے۔

جنگ ایک عارضی کیفیت

اسلام نے بین الاقوامی سطح پر جنگ کو نہیں بلکہ امن کو تعلقات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کوئی بھی ریاست جنگی حالات سے گزر سکتی ہے لیکن جنگ کوئی مستقل حالت نہیں ہے۔ اس کا مستقل ہونا انسان کی فطرت کے خلاف ہے۔ یہ ایک عارضی کیفیت ہے جو کبھی طاری ہو جاتی ہے۔ اسلامی ریاست اس کو دوام عطا کرنے کے لیے وجود میں نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ کا اہلِ ایمان سے وعدہ ہے کہ وہ انھیں استخلاف فی الارض اور اقتدار عطا کرے گا۔ اس وعدہ کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	وعدہ کیا ہے اللہ نے تم میں سے
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور

Marfat.com

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ
أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ
بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ
ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ ٥

(النور: ۵۵)

جنھوں نے نیک کام کیے کہ وہ ضرور
انھیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح
اس نے ان سے پہلے کے لوگوں کو
خلیفہ بنایا تھا اور ان کے اس دین
کو ان کے لیے اچھی طرح جمادے
گا جسے اس نے ان کے حق میں
پسند کیا ہے اور ضرور ان کے خوف
کو امن و امان سے بدلے گا وہ میری
بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو
شریک نہیں کریں گے۔ اس کے بعد
جو کوئی ناشکری کرے گا تو ایسے ہی
لوگ فاسق ہیں۔

اقتدار اور تمکین فی الارض کی غرض وغایت یہ بتائی گئی ہے کہ اہل ایمان کو امن کی حالت نصیب ہوگی اور وہ سکون کے ساتھ خدا کی عبادت کرسکیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست اپنے حدود کے اندر اور حدود سے باہر جنگ کے حالات پیدا کرنے کی جگہ امن کی فضا برپا کرنے اور اسے قائم رکھنے کی کوشش کرے گی۔ وہ امن کی متلاشی ہوگی نہ کہ جنگ کی خواہاں۔ وہ اضطراب اور بے چینی کے اسباب رفع کرے گی اور سکون کا ماحول فراہم کرے گی تاکہ انسان ہر خوف سے آزاد ہو کر خدا کی بندگی کرسکے۔

عداوت ختم ہوسکتی ہے

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہدایت کی کہ حالتِ جنگ میں بھی اس حقیقت کو فراموش نہ کیا جائے کہ جو قوم یا مملکت آج اسلامی ریاست کی دشمن اور برسرپیکار

Marfat.com

ہے، ضروری نہیں کہ ہمیشہ اس کی عداوت اور دشمنی برقرار رہے۔ حالات میں تبدیلی آسکتی ہے۔ آج کے دشمن کل دوست ہو سکتے ہیں، اس لیے ایسا رویہ نہ اختیار کیا جائے کہ پھر تعلقات کی بحالی ہی ناممکن ہو جائے اور دوستی کے تمام دروازے بند ہو جائیں، اس لیے فرمایا۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ	قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں کے درمیان محبت پیدا
عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ	کر دے جن سے تم نے اب تک دشمنی
قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝	کی ہے۔ اللہ (ہر چیز پر) قدرت رکھتا
(الممتحنہ : ۷)	ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔

یہ بات اس پس منظر میں کہی گئی ہے کہ مسلمان اہل مکہ کے ہاتھوں بے پناہ اذیتیں اور تکلیفیں مسلسل برداشت کرتے رہے تھے۔ اس لیے ان کے خلاف مسلمانوں کے اندر شدید جذبات کا پایا جانا غیر فطری یا ناممکن نہیں تھا۔ ان پر قابو پانا اور وہ بھی حالتِ جنگ میں زیادہ دشوار تھا، ان حالات میں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ اللہ نے چاہا تو بہت جلد یہ تاریک بادل چھٹیں گے اور حالات نیا رخ اختیار کریں گے۔ چنانچہ حالات نے کروٹ لی، دشمنیاں ختم ہوئیں اور محبت و الفت کے چراغ روشن ہو گئے اس سے بین الاقوامی تعلقات میں اس کے رجحان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مستامن کے احکام

اسلامی ریاست حالت جنگ میں بھی، دشمن کے لئے آمد و رفت، تعلیم، تجارت اور سفارت جیسی سرگرمیوں کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھنا چاہتی ہے تاکہ حریف ریاست کے افراد بھی اسلام کی تعلیم اور مسلمانوں کے عام رویہ کا مطالعہ کرسکیں اس پر وہ اسی وقت قدغن لگاتی ہے جب کہ خود اس کے مفادات خطرے میں ہوں۔ یہاں اس سلسلہ کی بعض تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں۔

Marfat.com

محارب قوم، جس سے حالت جنگ قائم ہے، اس کا کوئی فرد، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے احکام کو سمجھنا چاہے تو حکم ہے کہ اس حالت میں بھی اسے اس کا موقع دیا جائے۔ وہ اسلامی ریاست میں آئے۔ اسلام کا، اس کی تعلیمات کا، اس کے اخلاق و قانون اور اس کی تہذیب و معاشرت کا اطمینان سے مطالعہ کرے اور اخلاص کے ساتھ صحیح نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کرے۔ اس کے لیے اسے سہولتیں تو فراہم کی جائیں لیکن اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ اسلام کے اصول آزادی کے خلاف ہے۔ جو وقت اسے دیا گیا ہے اس کے ختم ہونے پر حفاظت کے ساتھ اسے اس کے وطن پہونچانے کا نظم کیا جائے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ	اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے
اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ	پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو یہاں
يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ	تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے
مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ	اس کے امن تک پہونچا دو۔ یہ اس لیے
لَّا يَعْلَمُونَ ٥ (التوبہ: ٦)	ہے کہ یہ علم نہیں رکھتے۔

علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ جن مشرکین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے ان ہی کے بارے میں یہ حکم بھی ہے کہ ان میں سے کوئی اسلام کو سمجھنے کے لیے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دی جائے۔ اگر وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو بہ حفاظت اسے اس کے علاقہ میں پہونچا دیا جائے۔ اسلامی ریاست کا کوئی فرد اس سے (اس مدت میں) تعرض نہ کرے۔[1]

علامہ ابوبکر جصاص نے اس آیت کے ذیل میں فقہ حنفی کی ترجمانی کی ہے۔ ان کی بحث سے حسب ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ کوئی حربی ہم سے اس مقصد سے امان کا طالب ہو کہ قرآن مجید سنے، اس میں توحید و رسالت کے جو دلائل بیان ہوئے ہیں ان سے واقف ہو اور اسلام کے دینِ حق ہونے

---

[1] طبری، جامع البیان، ۱۰/۱۳۸، دار المعارف مصر

Marfat.com

کا علم حاصل کرے تو اسے امان دینا جائز ہے۔

۲۔ کوئی غیر مسلم ہم سے اگر یہ مطالبہ کرے کہ دلیل کے ذریعہ اس پر حجت قائم کی جائے اور توحید و رسالت کے دلائل واضح کیے جائیں تاکہ اس بنیاد پر اس کا اعتقاد ہو تو ان دلائل کا فراہم کرنا ہم پر واجب ہے، اس کے بغیر کسی کافر کو (جو کہ حربی ہے) قتل نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ جو حربی ہماری پناہ میں ہے امام کی ذمہ داری ہے کہ اس کی حفاظت کرے اور اس کے ساتھ کوئی غلط رویہ اختیار کرنے کی کسی کو اجازت نہ دے۔

۴۔ امام کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ذمیوں کی حفاظت کرے اور اس کا اہتمام کرے کہ ان کو تکلیف نہ پہنچے اور ان پر ظلم نہ ہو۔

۵۔ کسی حربی کا دارالاسلام میں طویل مدت تک ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ اسے اتنی ہی مدت قیام کی اجازت ہونی چاہیے جس میں اس کی ضرورت پوری ہو جائے 'حتّٰی یَسْمَعَ کلام اللّٰہ' کے الفاظ کا یہی تقاضا ہے۔ اس میں کلام اللہ کے سننے کے بعد اسے لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے یہی بات ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) نے کہی ہے، کہ حربی کو دارالاسلام میں بغیر کسی عذر کے اور بغیر کسی ایسے سبب کے جس کی بنا پر اس کا قیام ضروری ہو، قیام کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اسے واپس جانے کے لیے کہا جائے گا۔ اس کے بعد بھی وہ ایک سال قیام کرے تو وہ ذمی سمجھا جائے گا اور اس پر خراج لازم آئے گا۔[1]

علامہ قرطبی کہتے ہیں:۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ محارب قوم کا کوئی فرد قرآن مجید کو سمجھنے اور اس کے احکام سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اسلامی ریاست سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دی جائے گی۔ سب کچھ سننے اور سمجھنے کے بعد وہ اسلام قبول

---

[1] جصاص، احکام القرآن: ۳/۱۰۳-۱۰۴

Marfat.com

کرے تو یہ بڑی اچھی بات ہوگی۔اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

ظاهر الآية انما هي من	آیت کا تعلق بظاہر اس شخص سے
يريد سماع القرآن والنظر	ہے جو قرآن مجید کو سننا اور اسلام پر غور
في الاسلام فاما الاجارة	وفکر کرنا چاہے۔اس کے علاوہ جہاں
لغير ذلك فانما هي	تک کسی اور مقصد سے امان فراہم کرنے
لمصلحة المسلمين والنظر	کا تعلق ہے تو اس میں مسلمانوں کی مصلحت
في ما تعود عليهم به منفعة[1]	کو سامنے رکھا اور ان کی منفعت کو
	دیکھا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے کے علاوہ کسی اور مقصد سے بھی محارب قوم کا کوئی فرد اسلامی ریاست میں آنا چاہے تو اگر مسلمانوں کے مفاد کا تقاضا ہو تو اسے اجازت دی جائے گی۔جب تک وہ اسلامی ریاست میں ہے اس کی حفاظت اور پناہ میں ہوگا اور ریاست کی ذمہ داری ہوگی کہ اسے کوئی گزند نہ پہونچے اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد اسے اس کی مملکت بعافیت پہونچنے کا نظم کرے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس موضوع پر مزید کچھ فقہی تفصیلات فراہم کی ہیں اس آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

اگر کوئی شخص کلام اللہ کو سننے اور اسلامی شریعت کو جاننے کے لیے امان کا طالب ہو تو اسے امان دینا واجب ہے۔پھر اسے اس کی منزل (ریاست) تک پہونچا دیا جائے گا۔ہمارے علم کی حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے یہی بات قتادہ، مکحول، امام اوزاعی اور امام شافعی نے کہی ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہی بات لکھ کر (اپنی مملکت میں) بھجوائی تھی۔

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۸/۷۶

Marfat.com

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔ سفیر، قاصد اور مستامن کے لیے عقدِ امان (عہدِ پناہ) جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے سفراء کو امان دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب کے سفیر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا سفیروں اور قاصدوں کے قتل کا دستور نہیں ہے ورنہ میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ یہ ایک ضرورت بھی ہے۔ اگر ہم ان کے قاصدوں کو قتل کریں گے تو وہ بھی ہمارے قاصدوں کے ساتھ یہی معاملہ کریں گے۔ پھر سفارت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔[1]

سفیر یا مستامن کے لیے عقدِ امان مطلق اور مقید دونوں طرح سے دیا جا سکتا ہے۔ یعنی مدت کی تعیین کے بغیر اور مدت کی تعیین کے ساتھ۔ مدت کی تعیین کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

اس طرح کے مستامن کے حقوق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

امام اوزاعی کے نزدیک صلح کی مدت کے دوران وہ بغیر جزیہ کے قیام کر سکتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں۔ کوئی حربی دارالاسلام میں امان لے کر آجائے اور یہاں اپنا مال کسی مسلمان یا ذمی کے پاس رکھے یا انھیں قرض دے اور پھر تجارت، سفارت، سیر و تفریح یا کسی بھی غرض سے دارالحرب جائے اور وہاں سے واپس دارالاسلام آئے تو اسے جو سابق امان حاصل ہے وہ جاری رہے گی اور اس کے مال پر اس کا حق باقی رہے گا۔ یہ ایک لحاظ سے ذمی ہے۔ لیکن اگر وہ دوبارہ دارالحرب ہی کو وطن بنالے تو جو امان دی گئی ہے وہ ختم ہو جائے گی البتہ اس کا مال جو دارالاسلام میں ہے محفوظ رہے گا۔ اگر وہ دارالحرب میں طلب کرے تو اسے بھیج دیا جائے گا۔ اس میں بیع، ہبہ یا اور کوئی تصرف کرنا چاہے تو کر سکے گا۔ دارالحرب میں اس کا انتقال ہو جائے تو وہ اس کے وارث کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ لیکن امام ابو حنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں اس کا جو وارث ہے اسے اسلامی

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۱۳/ ۷۹

Marfat.com

ریاست کی پناہ حاصل نہیں ہے اس لیے وہ مال اس کی طرف منتقل نہیں ہوسکتا۔[1]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ مستامن کو دارالاسلام میں کاروبار کی اور اپنے پیسہ کو کار خیر میں خرچ کرنے کی اجازت ہوگی جب تک وہ دارالاسلام میں ہے اس کی حیثیت ذمی کی ہے۔ دارالاسلام میں اس کا کوئی وارث نہیں ہے اور وہ اپنا پورا مال کسی مسلمان یا ذمی کے نام وصیت کردے تو وہ نافذ ہوجائے گی۔ وارث ہو تو ایک تہائی کی وصیت کرسکتا ہے۔ اگر وہ اپنے مال کے ایک حصہ کی وصیت کرے تو یہ بھی نافذ ہوجائے گی۔ باقی مال اس کے ان وارثوں کو جو دارالحرب میں ہوں لوٹا دیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک گو وہ ازروئے قانون وارث نہیں ہیں لیکن یہ مستامن کا حق ہے کہ اس کا مال واپس کردیا جائے۔ کوئی مسلمان یا ذمی اس کے نام وصیت کرے تو یہ بھی نافذ ہوگی۔[2]

معاہدات کا احترام

اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان امن وامان اور صلح کے معاہدے ہوسکتے ہیں۔ یہ معاہدے جن شرائط کے ساتھ ہوں ان کی پابندی ضروری ہے

اسلام نے معاہدہ کی پابندی اور اس کے احترام کی سخت تاکید کی ہے۔ اس کے نزدیک معاہدے اس لیے نہیں ہوتے کہ موقع ملتے ہی ان کی خلاف ورزی ہونے لگے اور ادنیٰ مفادات پر انھیں قربان کردیا جائے۔ اس سلسلہ میں اس کی ہدایات بہت واضح ہیں۔ ارشاد ہے۔

..... وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (بنی اسرائیل: ۳۴)	.....اور عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۸/۷۶

[2] ہدایہ: ۴/۶۸۶ در المختار مع رد المحتار: ۵/۶۱۰-۶۱۱

Marfat.com

ایک اصولی ہدایت یہ دی گئی ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ : (المائدہ: ۱)	اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو۔
....وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (النحل: ۹۱)	....اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم نے اپنے اوپر اللہ کو نگراں بنایا ہے بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

اہلِ ایمان کی تعریف کی گئی ہے کہ :

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ (المؤمنون: ۸)	وہ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی نگہداشت کرتے ہیں۔

عہد و پیمان افراد کے درمیان بھی ہوتا ہے اور جماعتوں کے درمیان بھی۔ فرد اور ریاست کے مابین بھی ہوتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی۔ یہ ایک دوسرے پر اعتماد کا اظہار بھی ہے۔ اسلام کا حکم ہے کہ ہر عہد پورا کیا جائے اور ایک فریق نے دوسرے پر جو اعتماد کیا ہے اسے مجروح نہ ہونے دیا جائے۔

عہد شکنی پر وعید

دنیا میں افراد اور جماعتوں کے درمیان عہد و پیمان ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن جب کوئی فرد یا جماعت فریقِ ثانی کو کمزور دیکھتی ہے یا کوئی مادی منفعت اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے تو جھوٹے الزامات لگا کر یا مکر و فریب کے ذریعہ بڑے سے بڑے عہد کو توڑ دیتی ہے۔ لیکن عہد شکنی اسلام کے نزدیک نفاق کی علامت ہے۔ مومن کا دامن اس سے پاک ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے منافق کی پہچان یہ بیان فرمائی ہے :

اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ[1]	جب عہد و پیمان کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے

---

[1] بخاری، کتاب الجزیہ والموادعۃ، باب اثم من عاہد غدر۔ مسلم، کتاب الایمان

Marfat.com

اسلام نے عہد شکنی کو جرم عظیم اور آخرت میں سخت رسوائی کا باعث قرار دیا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لِكُلِّ غَادِرٍ لواء يوم القيامة يرى يوم القيامة يعرف به ۔[1]	ہر دھوکا باز کے لیے قیامت کے روز ایک جھنڈا لگا دیا جائے گا جو نمایاں ہوگا اور جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اسی مفہوم کی روایت آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِكُلِّ غادر لواء ينصب لغدرته ۔[2]	ہر دھوکا باز کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کی دھوکا بازی کی وجہ سے نصب کیا جائے گا۔

یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے:

اذا جمع الله الاولين والآخرين يوم القيامة يرفع لكل غادر لواء فقيل هذه غدرة فلان بن فلان ۔[3]	جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اگلے اور پچھلے لوگوں کو جمع کرے گا۔ ہر دھوکا باز کے لیے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کا دھوکہ ہے۔

فوج میں عام طور پر سپہ سالار کے ہاتھ میں جھنڈا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے وہ سب میں نمایاں اور ممتاز نظر آتا ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ اگر کوئی شخص عہد شکنی اور بے وفائی کرتا تو اس کے اعلانِ عام کے لیے کھلے بازار میں یا جہاں مجمع ہوتا اس کے نام کا جھنڈا نصب کر دیا جاتا تاکہ لوگوں کو اس کے فریب اور عہد شکنی کا پتہ چل جائے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز جب کہ ساری دنیا کے انسان جمع ہوں گے، دھوکہ باز اور عہد شکن کے نام کا جھنڈا لگا دیا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ یہ فلاں ابن فلاں غدار اور

---

[1] بخاری، کتاب الجزیۃ والموادعۃ، باب اثم الغادر للبر والفاجر۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب تحریم الغدر

[2] حوالہ سابق [3] مسلم حوالہ سابق

Marfat.com

بدعہد کا جھنڈا ہے ۔ ان احادیث میں عہد شکنی سے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں ان کا تعلق عام عہد و پیمان سے زیادہ سیاسی سطح پر کیے جانے والے عہد و پیمان سے ہے اس لیے کہ حاکم وقت یا ریاست کی جانب سے جو عہد شکنی ہوتی ہے اس کا نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے ۔ ان میں اس بات کی تاکید ہے کہ اسلامی ریاست کا حاکم اپنی رعیت سے خواہ وہ غیر مسلم اور ذمی ہی کیوں نہ ہو جو عہد و پیمان کرے اسے پورا کرے اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں کوئی کوتاہی نہ برتے [1]

اسلام نے جس طرح افراد کے درمیان یا ریاست اور شہریوں کے مابین ہونے والے معاہدوں کو اہمیت دی ہے، اسی طرح بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی اور احترام کی تاکید کی ہے اس لیے کہ اس کے اثرات بہت دور رس ہوتے ہیں ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی قوم بین الاقوامی معاہدات کو پامال کرتی ہے تو اپنی تباہی کو دعوت دیتی ہے اور اللہ کے قانون کے تحت دشمن کے غلبہ کی راہ ہموار کرتی ہے ۔

ما ختر قوم بالعهد الا سلّط	جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو
الله عليهم العدوّ [2]	اللہ تعالیٰ لازماً دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے ۔

ریاستی عہد و پیمان یا ناجنگ معاہدے کو اسلام نے جو اہمیت دی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمانوں کے ہاتھوں غلطی سے قتل ہو جائے تو حکم ہے کہ قاتل ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے ۔ لیکن اگر مقتول کا تعلق محارب قوم سے ہو تو قاتل صرف غلام آزاد کرے گا ، دیت نہیں دے گا ۔ اس کے برخلاف مقتول معاہد قوم کا فرد ہو تو اس کے ورثا کو دیت بھی دی جائے گی اور غلام بھی آزاد کیا جائے گا (النساء: ۹۲،۹۱)

---

[1] نووی ، شرح مسلم ، ج ۴ جزء ۱۲ ص ۴۳ ، ۴۴

[2] مؤطا امام مالک ، کتاب الجہاد ، باب ماجاء فی الوفاء بالامان ۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباسؓ، امام شعبیؒ اور امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتول چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم دونوں کی دیت ایک ہوگی، امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کا یہی مسلک ہے[1]

مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے درمیان جو معاہدہ طے ہوا تھا، اس کی ایک شق یہ تھی کہ کوئی مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اسے دوبارہ مکہ لوٹا دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ واپس چلا جائے تو اسے لوٹایا نہیں جائے گا۔ یہ دفعہ بہت سے صحابہ پر گوشاق گزری تھی لیکن اس کے باوجود معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد حضرت ابوجندلؓ بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ میرا حال دیکھ رہے ہیں مجھے ان ظالموں کے درمیان واپس نہ بھیجئے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

انا قد اعطینا ھؤلاء	ہم نے ان لوگوں کے ساتھ جو عہد
القوم ما قد علمت ولا	کیا ہے اسے تم جانتے ہو۔ ہمارے
یصلح لنا فی دیننا الغدر و	دین میں عہد شکنی اور بے وفائی درست
ان اللہ جاعل لک ولمن	نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے
معک من المستضعفین	اور تمہارے ساتھ مکہ میں جو کمزور رہ
فرجا ومخرجا فانطلق الی	گئے ہیں ان کے لیے کوئی صورت نکالے
قومک [2]	گا، لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ۔

یہ اسلامی تاریخ کے روشن اوراق ہیں۔ بین الاقوامی معاہدہ کے احترام کی ایسی مثال کسی اور جگہ شاید ہی مل سکے۔

بین الاقوامی معاہدات کے سلسلے کی بعض اور ہدایات یہ ہیں۔

۱۔ ممکن ہے کہ ایک قوم سے ریاست کا معاہدۂ امن ہو اور دوسری قوم کے ساتھ وہ

---

[1] قرطبی الجامع لاحکام القرآن: ۲۱۰/۵

[2] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۳۷۴/۳

Marfat.com

حالتِ جنگ سے گزر رہی ہو۔ اس صورت میں محارب قوم کے افراد یا ان کا کوئی گروہ کسی ایسی ریاست میں پہنچ جائے، جس سے اسلامی ریاست کا معاہدہ ہے تو وہ محفوظ و مامون ہوں گے۔ وہ عملاً اس معاہدہ میں شریک سمجھے جائیں گے جو اسلامی ریاست کے ساتھ ہوا ہے۔ اس لیے ان کے خلاف بھی کوئی جنگی قدم نہیں اٹھایا جائے گا۔ احکامِ جہاد کے ذیل میں فرمایا کہ جب جہاد جاری ہے تو دشمن کا ہر جگہ مقابلہ کرو اور جہاں بھی پاؤ اسے قتل کردو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی	البتہ وہ لوگ جو کسی ایسی قوم کے
قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ	پاس پہنچ جائیں جن کے اور تمہارے
مِّیْثَاقٌ......	درمیان معاہدہ ہے (تو ان سے بھی جنگ
(النساء : ۹۰)	نہ ہوگی)

۲۔ اسلامی ریاست کا کسی ریاست سے معاہدہ ہو اور اس معاہدے میں تیسری ریاست شریک ہونا چاہیے تو شریک ہوسکتی ہے۔ اسے اس کا اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ وابستہ ہونا چاہے وابستہ ہو جائے۔ دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے جن کا پابند ان کا حلیف ہے۔ حدیبیہ میں جو معاہدۂ صلح طے ہوا تھا، اس میں یہ دفعہ بھی شامل تھی کہ جو قبیلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینا چاہے وہ آپ کا ساتھ دے گا اور جو قریش کی رفاقت پسند کرے، اسے اس کا حق حاصل ہوگا چنانچہ اس پر قبیلۂ خزاعہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلیف ہیں اور بنو بکر نے قریش کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا[1]

۳۔ کوئی ریاست غیر جانب دار رہنا چاہتی ہے، وہ جنگ میں اسلامی ریاست کا ساتھ دے رہی ہے اور نہ محارب قوم کا، تو اسلامی ریاست اس سے تعرض نہیں کرے گی۔ اسی بنیاد پر اس سے معاہدہ ہوسکتا ہے، ارشاد ہے :

---

[1] حوالۂ سابق: اس معاہدہ کا حوالہ آگے بھی آرہا ہے۔

Marfat.com

..... اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ (النساء: ۹۰)	..... یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے دل اس سے تکلیف محسوس کر رہے ہیں کہ تم سے جنگ کریں یا اپنی قوم سے لڑیں اگر اللہ چاہتا تو انھیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے ضرور لڑتے اس لیے اگر وہ تم سے الگ رہ رہے ہیں اور لڑ نہیں رہے ہیں اور تم سے صلح کی پیش کش کر رہے ہیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر حملہ کی کوئی صورت نہیں رکھی ہے۔

مطلب یہ کہ جو لوگ یہ معاہدہ کرنا چاہیں کہ جنگ میں وہ تمہارا ساتھ دیں گے اور نہ دشمن کا تو معاہدہ کر لو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ بھی تمہارے مقابلہ میں آجاتے، لیکن جب وہ اس سے کنارہ کش رہنا اور صلح کرنا چاہ رہے ہیں تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔ اسے رد کرنا صحیح نہ ہوگا۔

معاہدہ کب ختم کیا جائے گا؟

معاہدہ کا دوسرا فریق اخلاص کا ثبوت نہ دے، اس کی طرف سے خلاف ورزی کے آثار ظاہر ہونے لگیں اور وہ سازش اور خفیہ تدبیریں کرتا ہوا محسوس ہو تو ریاست کو حق ہوگا کہ وہ معاہدہ کو ختم کر دے لیکن اس کا صاف صاف اعلان کرنا ہوگا۔ بغیر اعلان کیے اس کے خلاف کسی جنگی کارروائی کی اجازت نہ ہوگی۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝	اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا خطرہ ہو تو تم (ان سے کیے گئے عہد و پیمان کو) ان کی طرف پھینک دو کہ معاہدے کے ختم ہونے کا تمہیں اور انھیں برابر علم ہو جائے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانفال: ۵۸)

آیت میں فَانۢبِذۡ اِلَیۡهِمۡ عَلٰی سَوَآءٍ کے الفاظ آئے ہیں مشہور ماہر لغت ازہری کہتے ہیں:

المعنی اذا عاھدت	اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی قوم
قوما فخشیت منہم	سے معاہدہ کرنے کے بعد تمہیں اس کے نقض عہد
النقض فلا توقع بہم	کا خدشہ لاحق ہو جائے تو محض اس
بمجرد ذالک حتی	خدشہ کی بنا پر اس پر حملہ نہ کرو جب
تعلمھم ؎	تک کہ تم اسے باخبر نہ کردو کہ معاہدہ
	ختم ہو گیا ہے۔

مطلب یہ کہ معاہدہ ختم ہو تو فریق ثانی اس سے بخوبی واقف ہو جائے، اس میں اسے کوئی شبہ نہ رہے۔ جس طرح تم پر یہ بات واضح ہے کہ اب معاہدہ نہیں رہا، اسی طرح اس پر بھی واضح ہو جائے۔

حضرت معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان ایک مدت کے لیے معاہدۂ امن تھا۔ حضرت معاویہؓ ان کی سرکوبی کے لیے فوج لے کر روانہ ہو گئے اور یہ چاہا کہ جیسے ہی معاہدہ کی مدت پوری ہو حملہ کر دیا جائے۔ اس اثنا میں ایک شخص اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا پہنچا اور کہا اللہ اکبر! معاہدہ پورا کرنا ہوگا، دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ یہ حضرت عمرو بن عبسہؓ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے "کسی قوم سے عہد و پیمان باندھا جائے تو جب تک مدت پوری نہ ہو ہرگز اسے کھولا نہ جائے اور اس پر حملہ نہ کیا جائے۔ یا یہ کہ معاہدہ کو اس طرح ختم کر دیا جائے کہ فریق ثانی کو شک و شبہ نہ رہے اور ہماری طرح وہ بھی جان لے کہ معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔" اس حدیث کے سننے کے بعد حضرت معاویہؓ اس مہم سے لوٹ

؎ ابن حجر، فتح الباری ۶/ ۲۰۰

Marfat.com

آسئے[1] مدتِ صلح میں جنگ کے ارادہ سے حضرت معاویہؓ کے سفر کو حضرت عمرو بن عبسہؓ نے معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ فریق ثانی کی طرف سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہونے لگے ہوں، لیکن کھلم کھلا اس کا ارتکاب ہونے لگے اور مفادِ ریاست کے خلاف اقدامات شروع ہو جائیں تو سمجھا جائے گا کہ معاہدہ از خود ختم ہو گیا ہے۔ اب اسلامی ریاست اپنے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات کی مجاز ہو گی۔ وہ اس کے خلاف اعلانِ جنگ بھی کر سکتی ہے[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدے میں یہ بات شامل تھی کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان نصح و خیر خواہی کا تعلق ہوگا، ان میں سے کوئی بھی اپنے حلیف کو نقصان نہیں پہنچائے گا اور وہ دشمن کا مل جل کر مقابلہ کریں گے[3] لیکن اس معاہدے کی انھوں نے صریح خلاف ورزی کی۔ جنگ بدر میں مشرکینِ مکہ کو ہتھیار فراہم کیے۔ جب معاہدہ یاد دلایا گیا تو معذرت کرنے لگے کہ اس معاملہ میں ہم سے چوک ہو گئی۔ دوبارہ معاہدہ ہوا لیکن جنگ خندق میں دشمنوں کو جنگ پر آمادہ کیا اور حملہ آوروں کا ساتھ دیا[4]

جب اس طرح ایک سے دو مرتبہ ان سے عہد شکنی کا مظاہرہ ہوا تو ان سے جنگ کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہے:

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ — بے شک اللہ کے نزدیک بدترین

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الامام یکون بینہ وبین العدو عہد الخ، ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی الغدر، مسند احمد: ۴/ ۱۱۲، ۳۸۱

[2] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۸/ ۲۲

[3] اس معاہدے کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

[4] رازی، التفسیر الکبیر، المطبعۃ العامرہ، مصر ۴/ ۳۹۰

Marfat.com

اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۝ (الانفال: ۵۵-۵۷)

جانور وہ ہیں جو حق کا انکار کرتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے جن سے تم نے معاہدہ کیا اور وہ اپنا معاہدہ ہر بار توڑتے ہیں اور (اس کے نتائج سے) ڈرتے نہیں ہیں پس اگر تم ان کو میدانِ جنگ میں پالو تو ان کو ایسی سزا دو کہ ان کے علاوہ جو اس ذہنیت کے لوگ ہیں وہ بھی محتاط ہو جائیں شاید نصیحت حاصل کریں۔

یہود کی ان سازشوں کے بعد معاہدے کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا، انھوں نے اپنے رویّہ سے ثابت کر دیا کہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنے میں اسلامی ریاست حق بجانب ہے۔

بعض بین الاقوامی معاہدے

رسول اللہؐ نے جو معاہدے کیے وہ کئی طرح کے ہیں۔ ان کی شرائط میں بھی حسبِ حال فرق رہا ہے۔ بعض میں صرف امن و صلح کی بات طے ہوئی ہے، بعض میں خراج اور جزیہ جیسے مالی معاملات شامل ہیں۔ بعض میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا فیصلہ ہوا ہے۔ یہاں ان میں سے چند ایک معاہدے پیش کیے جا رہے ہیں۔

ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے پر رسول اللہؐ نے مہاجرین اور انصار کے مختلف قبائل کو ایک معاہدے کا پابند بنایا۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہود سے بھی معاہدہ فرمایا۔ دونوں معاہدے ایک ہی تفصیلی معاہدے کا حصّہ تھے۔ یہود سے متعلق جو باتیں طے ہوئیں، اس کے بعض اجزاء یہ ہیں:

ان یہود بنی عوف امۃ مع المومنین۔

بنو عوف کے یہود (اسی میں دوسرے قبائل بھی شامل تھے) مسلمانوں کے ساتھ

Marfat.com

مل کر ایک قوم ہیں؎

لليهود دينهم وللمسلمين دينهم	یہود کے لیے ان کا اپنا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا اپنا دین ہوگا۔
ان بطانة اليهود كأنفسهم	یہود کے جن سے گہرے تعلقات ہیں وہ بھی ان ہی میں شمار ہوں گے۔
وان على اليهود نفقتهم وعلى المسلمين نفقتهم وان بينهم النصر على من حارب على هذه الصحيفة وان بينهم النصح والنصيحة والبر دون الإثم وانه لم يأثم امرء بحليفه وان النصر للمظلوم۔	یہود اپنا خرچ اور مسلمان اپنا خرچ برداشت کریں گے۔ جو شخص اس صحیفے میں شامل طبقات کے خلاف جنگ کرے گا اس کے مقابلے میں ان کے درمیان تعاون ہوگا۔ ان کے درمیان نصح و خیر خواہی کا تعلق ہوگا نیکی اور حسن سلوک بدی کی راہ میں رکاوٹ ہوں گے۔ کوئی بھی شخص اپنے حلیف کے ساتھ غلط رویہ اختیار نہیں کرے گا جو مظلوم ہوگا اس کی حمایت کی جائے گی۔
ان اليهود ينفقون مع المؤمنين ماداموا محاربين۔	جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی خرچ کریں گے۔
وان يثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحيفة	اس صحیفے میں شامل سبھی جماعتوں کے لیے مدینہ حرم ہوگا۔

؎ اس کا مطلب جیسا کہ علامہ ابو عبید قاسم بن سلام نے کہا ہے یہ ہے کہ یہود کو جنگ کی حالت سے سابقہ پیش آئے تو مسلمان معاہدے میں مذکور شرائط کے تحت ان کا مالی تعاون کریں گے۔ جہاں تک دین کا تعلق ہے تو دونوں کے دین الگ ہیں۔ جیسا کہ بعد کے جملے سے واضح ہے۔ کتاب الاموال: ص ۱۹۷

Marfat.com

وانه ما كان بين اهل هذه	اس صحیفے کے فریقوں کے درمیان
الصحيفة من حدث او اشتجار	کوئی بات ہو یا اختلاف پیدا ہو جائے جس
يخاف فساده وان مرده	سے بگاڑ اور فساد کا اندیشہ ہو تو معاملے
الى الله عز وجل والى محمد	کو اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہؐ کی طرف
رسول الله صلى الله عليه وسلم[1]	لوٹا دیا جائے گا۔

یہودی آبادی انصار کی آبادی سے الگ تھی یہود اہل کتاب تھے اس لیے ان کے قوانین ملکی بھی بظاہر انصار کے قوانین سے الگ رہے ہوں گے اس لحاظ سے اس معاہدہ کو بین الاقوامی معاہدہ کہا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف اس معاہدہ میں پورے مدینہ کو سب کے لیے حرم قرار دیا گیا ہے اور فریقوں کے درمیان اختلافات میں فیصلہ کا حق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو دیا گیا ہے۔ آپؐ نے اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے یہود کو مذہبی آزادی اور حقوق کی ضمانت دی ہے اور ریاست کے تحفظ کی ذمہ داری میں بھی انھیں شریک کیا ہے۔ اس پہلو سے اسے مختلف قبائل اور مذہبی گروہوں کے درمیان تعاون کا معاہدہ بھی کہا جا سکتا ہے۔

یہود نے اس معاہدے کی پابندی نہیں کی، سازشوں میں لگے رہے اور ایک سے دو بار دشمن کا ساتھ دیا تو معاہدہ ختم کر دیا گیا اور ان سے جنگ ہوئی۔ رسول اللہؐ نے انھیں مدینہ کے حدود سے باہر نکال دینا چاہا تو انھوں نے درخواست کی کہ انھیں مدینہ ہی میں رہنے دیا جائے۔ وہ آپ کو اپنے کھیتوں اور باغوں کی پیداوار کا نصف ادا کرتے رہیں گے۔ آپ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور فرمایا جب تک ہم چاہیں گے یہاں تمھیں رہنے دیں گے۔ اس شرط کے ساتھ وہ مدینہ میں رہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں انھیں شام منتقل کر دیا۔[2]

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ ۲/۱۱۹-۱۲۳، کتاب الاموال ص ۱۹۵-۱۹۷

[2] بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ باب اذا قال رب الارض اقرک ما اقرک اللہ۔ مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ۔

Marfat.com

اس معاہدہ کی نوعیت پہلے سے مختلف تھی۔

ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ روانہ ہوئے لیکن حدیبیہ کے مقام پر مشرکین نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس پر آپ کے اور ان کے درمیان صلح ہوئی، اسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اس معاہدۂ صلح کی بعض دفعات کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے بعض اور دفعات یہ تھیں۔

فریقین کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی رہے گی تاکہ دونوں طرف کے لوگ امن کے ساتھ رہ سکیں۔ اس مدت میں ایک دوسرے کے خلاف کسی بھی جنگی اقدام سے احتراز کیا جائے گا اور کسی قسم کی خفیہ حرکت یا سازش نہیں ہوگی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حدیبیہ سے مدینہ لوٹ جائیں گے اور عمرہ نہیں کریں گے اور آیندہ آپ اور آپ کے ساتھی عمرہ کے لیے آئیں گے۔ صرف تین دن مکے میں قیام کر سکیں گے۔ وہ غیر مسلح ہوں گے، تلواریں نیام میں ہوں گی۔ کسی سوار کا جو ضروری سامان ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی۔

مکّہ کے کسی فرد کو آپ اپنے ساتھ نہیں لے جا سکیں گے۔ البتہ آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی مکّہ میں رہ جانا چاہے تو آپ اسے نہیں روکیں گے۔[1]

اس معاہدے میں بہ ظاہر فریقین کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ قریش کے ناروا مطالبا بھی مان لیے گئے ہیں۔ اس وجہ سے بعض صحابہ اس سے ناخوش اور کبیدہ خاطر تھے لیکن اس وقت مصالح کا یہی تقاضا تھا۔ ریاست کو بہرحال یہ حق حاصل ہے کہ وہ وقتِ ضرورت اس طرح کا معاہدہ بھی کر سکتی ہے۔ اس نے بعد میں فتح و کامرانی کے دروازے کھول دیے۔

امام ابو یوسف نے یہ معاہدہ بہت تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اس کے شروع

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیہ۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی:

Marfat.com

میں فرماتے ہیں:

قد وادع رسول الله صلی الله علیہ وسلم قریشا عام الحدیبیة وامسك عن محاربتهم فللامام ان یوادع اهل الشرك اذا كان فی ذلك صلاح الدین و الاسلام وكان یرجوا ان یتالفهم بذلك علی الاسلام[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال قریش سے صلح کی اور ان سے جنگ سے دست کش ہو گئے، لہٰذا امام کو یہ حق ہے کہ وہ اہلِ شرک سے مصالحت کرے، اگر اس میں دین اور اسلام کی بہتری ہو اور یہ توقع ہو کہ وہ اس کے ذریعہ انھیں اسلام سے مانوس اور قریب کر سکے گا۔

اس معاہدہ سے کوئی مالی پہلو متعلق نہیں ہے۔ قیامِ امن کے لیے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی پیش کش کی ہے اور نہ قریش ہی کی طرف سے اس طرح کی کوئی شرط رکھی گئی ہے۔ بغیر مال کے اس نوعیت کا معاہدہ وقت ضرورت ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے اس معاملہ میں شافعی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ سیوطی کہتے ہیں:

ان الهدنة تعقد بغیر مال[2]	صلح مال کے بغیر منعقد ہو جاتی ہے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ وقتِ ضرورت مال دے کر بھی دشمن سے صلح ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بعض ائمہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے اس لیے کہ اس سے ریاست کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس کے وقار کے منافی ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں: "مال دیئے بغیر دشمن سے صلح جائز ہے جیسا کہ حدیبیہ میں صلح ہوئی تھی۔ اگر کوئی مجبوری ہو تو مال دے کر بھی صلح کی جا سکتی ہے۔ ورنہ یہ صحیح نہیں ہے۔" امام شافعی فرماتے ہیں: "مسلمان کمزور ہوں اور وہ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتے

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۰۷

[2] جلال الدین سیوطی، الاشباہ والنظائر ص ۵۲۷ دار الکتب العلمیہ بیروت

Marfat.com

ہوں تو اس سے صلح ہو سکتی ہے لیکن یہ صلح بغیر کسی مال کے ہو گی۔ کسی مسلمان کا اللہ کی راہ میں جان دینا شہادت ہے۔ اس لیے اس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام اس سے بلند و برتر ہے کہ مسلمان مال دے کر دشمن سے جنگ سے باز آنے کی درخواست کرے۔ ہاں اگر دشمن کی اس قدر کثرت ہو کہ مسلمانوں کو یہ خدشہ لاحق ہو جائے کہ وہ انھیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے اور انھیں بالکل ختم کر کے رکھ دیں گے تو یہ ایک طرح کی ضرورت اور مجبوری ہے۔ اس میں جواز کا پہلو نکلتا ہے۔ اسی طرح کوئی مسلمان اگر گرفتار ہو جائے اور فدیہ دے کر ہی رہائی حاصل کر سکتا ہو تو یہ اس کے لیے جائز ہے۔[1]

اس سے اتنی بات واضح ہے کہ شدید ضرورت کے تحت فدیہ دے کر بھی دشمن سے صلح ہو سکتی ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے اپنے حالات و ظروف اور امت کے مفاد کے پیش نظر اس نوعیت کا اقدام از روئے شرع ناجائز نہ ہوگا۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کسی بڑے ضرر کو دفع کرنے کے لیے چھوٹے ضرر کو برداشت کر لیا جائے۔ اس کی ایک مثال یہ دی ہے:۔

ولو احاط الکفار بالمسلمین ولا مقاومۃ بھم جاز دفع المال الیھم وکذا استنقاذ الاسری منھم بالمال اذا لم یمکن بغیرہ لان مفسدۃ بقائھم فی ایدیھم واصطلامھم للمسلمین اعظم من بذل المال[2]	اگر کفار مسلمانوں کو گھیر لیں اور ان کا مقابلہ نہ ہو سکتا ہو تو ان کے لیے مال دے کر اس (صورت حال) سے بچنا جائز ہے۔ اسی طرح مال کے بغیر ان سے قیدیوں کا چھڑانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں بھی مال دے کر انھیں چھڑانا جائز ہوگا، کیونکہ قیدیوں کا ان کے ہاتھوں میں ہونا اور ان کا مسلمانوں

[1] فتح الباری: ۶/ ۱۹۸

[2] سیوطی، الاشباہ والنظائر، ص ۸۷

Marfat.com

کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا مال خرچ
کرنے کے مقابلہ میں بہت بڑی چیز ہے۔

علامہ ابو عبید کہتے ہیں کہ امام یا سربراہ مملکت اگر یہ دیکھے کہ مسلمانوں پر دشمن کے غلبے کا اندیشہ ہے اور فدیہ دے کر ہی اس سے بچا جاسکتا ہے تو اسے اس کا حق ہے امام مسلمانوں کے مصالح کا نگراں ہے۔ وہ اس کے پیش نظر اس طرح کا اقدام کرسکتا ہے۔[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ جب ضرورت تقاضا کر رہی ہو اور مسلمانوں کی ہلاکت یا قید وبند کا اندیشہ ہو تو مال کے ذریعہ صلح جائز ہے، جس طرح ایک فرد فدیہ (مال) دے کر امان حاصل کرسکتا ہے اسی طرح ریاست کے لیے بھی اس کے جواز سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں ریاست کی ذلت اور توہین کا پہلو نکل رہا ہو تو بھی قتل، گرفتاری اور غلامی سے بچنا ایک بڑا مقصد ہے۔ اس کی خاطر اسے برداشت کرنا چاہیے۔ علامہ ابوعبید اور علامہ ابن قدامہ نے اپنی تائید میں حسب ذیل واقعہ پیش کیا ہے۔

جنگ خندق میں مختلف قبائل نے چاروں طرف سے ایک ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا تھا۔ ایک مہینے کے قریب انھوں نے مدینہ کو اپنے نرغے میں لے رکھا تھا۔ حالات نے زیادہ شدت اختیار کرلی تو آپ نے عیینہ بن حصن اور حارث بن مری کو، جو قبیلہ غطفان کے سردار تھے، پیش کش کی کہ اگر وہ ان قبائل کا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنے لوگوں کو لے کر واپس چلے جائیں، تو انھیں مدینہ کی کھجور کی پیداوار کا ایک تہائی دیا جائے گا۔ یہ چیز تحریر میں بھی آگئی تھی۔ لیکن اس پر فریقین کے اور گواہوں کے دستخط نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں صرف اس کے لیے آمادہ کیا تھا۔ اسے قطعی شکل دینے سے پہلے انصار کے سردار سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ کو طلب فرمایا اور

---

[1] کتاب الاموال ص ۱۵۸

Marfat.com

ان سے مشورہ کیا انھوں نے عرض کیا کہ کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ ہم اس پر عمل کریں یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس پر عمل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے یا آپ ہمارے مفاد میں یہ چاہتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: قسم خدا کی میں نے تو یہ تمہارے فائدے کے لیے سوچا ہے، سارا عرب ایک تیر سے تمہیں ہدف بنائے ہوئے ہے، ہر طرف سے قبائل تم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کی قوت کسی حد تک کمزور ہو۔ ان دونوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم بھی اور یہ بھی شرک میں مبتلا تھے، بت پرستی میں پڑے ہوئے تھے، اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ اس سے بے خبر تھے۔ اس حال میں بھی کبھی انھوں نے اس کی ہمت نہیں کی کہ ہماری پیداوار میں سے کوئی کھجور کھا سکیں سوائے اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں یا ہم سے خرید کر کھائیں۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ قوت بخشی ہے، ہمیں ہدایت سے نوازا ہے، دین اسلام کے ذریعہ اور آپ کے ذریعے سربلندی عطا کی ہے تو کیا ہم اپنا مال انھیں پیش کر دیں؟ ہم تو ان کے مقابلے میں تلوار اٹھائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے۔ آپ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور کہا کہ تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے تحریر لی اور مسودہ کو مٹا دیا اور کہا کہ وہ ہمارے خلاف جو چاہیں کریں[1]

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں اگر بذریعۂ مال صلح کرنا فی نفسہ جائز نہ ہوتا تو اسے آپ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کے سامنے مشورے کے لیے پیش ہی نہ فرماتے[2]

جنگی قیدیوں کا تبادلہ

بین الاقوامی سطح پر جنگی قیدیوں کے تبادلے اور ان کی رہائی کے لیے معاہدے

---

[1] ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۲۳۹/۳، ۲۴۰، کتاب الاموال: ص ۱۵۸، ۱۵۹

[2] ابن قدامہ، المغنی: ۱۵۶/۱۴

Marfat.com

ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست بھی اس طرح کے معاہدے کر سکتی ہے۔ وہ اپنے جنگی قیدیوں کو چھڑانے کی ممکنہ حد تک کوشش کرے گی۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

یجب فداء اسری المسلمین اذا امکن۔	مسلمان قیدیوں کا چھڑانا واجب ہے اگر اس کا امکان ہو۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہی رائے حضرت عمر بن عبد العزیز، امام مالک، اسحٰق بن راہویہ کی ہے[1]۔

اس سلسلہ کے بعض واقعات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

حضرت سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں جو حضرت ابو بکرؓ کی سربراہی میں بھیجا گیا تھا، ہم نے دشمن پر حملہ کیا۔ جنگ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے غنیمت میں مجھے بنو فزارہ کی ایک لونڈی دی جو بہت خوبصورت تھی۔ میں اسے لے کر مدینہ پہنچا۔ بازار میں رسول اللہؐ سے میری ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا سلمہ! یہ عورت مجھے دے دو، دوسرے روز بھی آپ نے یہی بات فرمائی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، یہ آپ کی ہے۔ میں نے اس سے کوئی جنسی تعلق نہیں قائم کیا ہے۔ یہ لڑکی آپ نے مجھ سے لی اور اس کے عوض مسلمان قیدیوں کو جو مکہ میں گرفتار تھے، رہا کرایا[2]۔

حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کا ایک آدمی فدیہ میں دے کر دو مسلمان قیدیوں کو چھڑایا[3]۔

اسلامی ریاست مال کے عوض دشمن کے قیدیوں کو رہا کر سکتی ہے یا نہیں۔ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری نے اسے

---

[1] ابن قدامہ، المغنی: ۱۲/۱۳۵

[2] مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب التنفیل وفداء المسلمین بالاساری۔ ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب الرخصۃ فی المدرکین یفرق بینہم۔

[3] ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی قتل الاساری۔

Marfat.com

ناپسند کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سے دشمن کی قوت میں اضافہ ہوگا۔ لیکن حضرت حسن بصریؒ اسے صحیح سمجھتے ہیں۔ ان کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے چالیس قیدیوں کو جو اچھے شہ سوار اور تیر انداز تھے، فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق ان سے دریافت کیا تو کہا کہ وہ ہماری فوج کو بھی کوئی دھوکا دے سکتے تھے۔ اس لیے میں نے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیا اور مسلمانوں کے درمیان شریعت کے مطابق مال تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اتفاق کیا[1]

جو قوم جنگ نہ کرے اس سے جنگ نہ کی جائے

کسی ملک سے اسلامی ریاست کو خطرہ نہ ہو یا اس کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اس کے ساتھ امن کا معاملہ رہے تو اسلامی ریاست اس سے خواہ مخواہ کشمکش مول نہ لے گی۔ جیسا کہ حبشہ اور ترک کے معاملہ میں کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی۔

اترکوا الحبشۃ ما ودعوکم   حبشہ کو چھوڑ دو جب تک کہ وہ تم سے

واترکوا الترک ما ترکوکم[2]   تعرض نہ کریں (اسی طرح ترک کو چھوڑ دو

جب تک کہ انھوں نے تمہیں چھوڑ رکھا ہے۔

اس حدیث میں صاف کہا گیا ہے جب تک یہ ریاستیں اسلامی ریاست کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہو رہی ہیں اور اس سے الگ تھلگ اور کنارہ کش ہیں ان سے محاذ آرائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح کی ریاستوں سے صلح کے معاہدے بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن کسی مرحلے میں وہ اسلامی ریاست کے خلاف مہم جوئی شروع کر دیں اور اس پر یلغار کر دیں تو ریاست کا دفاع از روئے شرع ضروری ہے۔ حملہ آور کا جواب پوری قوت سے دیا جائے گا۔

---

[1] ابو عبید، کتاب الاموال ص ۱۲۲

[2] ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب فی النہی عن تہییج الترک والحبشہ

Marfat.com

اسلامی ریاست بے شک ایک نظریاتی ریاست ہے لیکن اسے ایک جنگ جو ریاست کی شکل میں پیش کرنا بڑی زیادتی ہے۔ اس نے ہر حال میں نہ تو جنگ کو لازم قرار دیا ہے اور نہ ہر ایک سے اعلانِ جنگ کیا ہے۔ وہ آزادئ فکر و عمل کو انسان کا بنیادی حق مانتی ہے۔ اس کے لیے اس نے دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اسی کے ذریعہ وہ اپنے حق میں فضا ہموار کرنا چاہتی ہے۔ حالات کے تحت اس نے جنگ و صلح کے اقدامات بھی کیے ہیں، امن و امان کے معاہدے بھی کیے ہیں اور غیر جانب دار بھی رہی ہے۔ وہ وسیع آفاقی تصور کے تحت سیاسی اقدامات کرتی ہے اور اس میں اپنے مفادات کو نظر انداز نہیں کرتی اور نہ اس کی اس سے توقع کی جاسکتی ہے۔ دنیا کی ہر ریاست اپنے مفادات کو سامنے رکھ کر ہی بین الاقوامی معاہدے کرتی ہے۔ اسلامی ریاست کو بھی یہ حق ہے کہ وہ بین الاقوامی معاملات میں اپنے مفادات کی نگرانی کرے اور اس کے تحت فیصلے کرے۔ اسے اپنے مفادات کو نظر انداز کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

Marfat.com

غیر مسلموں سے عدمِ تعلق کے احکام کا پس منظر

(بعض آیات کی تشریح و توضیح)

اسلام نے غیر مسلموں سے ایمان اور عقیدہ کے سارے اختلاف کے باوجود ان سے تعلقات رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی جو بے نظیر تعلیم دی ہے اس سے واقفیت کے بعد ایک سوال پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ قرآن مجید نے غیر مسلموں سے عدم موالات اور ان سے بے تعلقی کی بھی تو ہدایت کی ہے۔ اسے کس طرح نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ اس ہدایت کی سنگینی اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کہ وہ مخالفین سے جنگ اور جہاد کا حکم دیتا ہے۔ یہ سوال بار بار اور مختلف انداز میں اس طرح اٹھایا جاتا ہے گویا قرآن مجید کی اصل تعلیم ہی یہ ہے کہ غیر مسلمین سے مبارزت اور کشت و خون کا بازار گرم رکھا جائے اور قرآن اسی لیے نازل ہوا ہے کہ جو اسے نہ مانے اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔

کن حالات میں یہ احکام دئے گئے؟

قرآن مجید کی جن آیات میں غیر مسلین سے تعلقات نہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا موقع و محل اور سیاق و سباق بالکل الگ ہے۔ اس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے غلط فہمی کا امکان رہتا ہے اور دیدہ و دانستہ اسے نظر انداز کرنے سے بے جا اعتراضات کا ایک طویل سلسلہ چل پڑتا ہے بلکہ اسے اسلام کی صاف و شفاف تعلیمات پر گرد و غبار اڑانے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان آیات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے

Marfat.com

ان حالات کو سامنے رکھنا ہوگا جن میں وہ نازل ہوئیں۔

مخالفین کا رویہ اور ان کے عزائم

اسلامی تاریخ کے بالکل ابتدائی دور کی یاد ذہن میں ذرا تازہ کیجیے جب کہ اس کی دعوت آہستہ آہستہ عام ہوتی گئی اور مدینہ میں ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست وجود میں آگئی اِس واقعہ نے مخالفین کی صفوں میں اضطراب اور ہلچل پیدا کر دی اور مخالفت کی آندھی زیادہ شدت سے ہر طرف چلنے لگی مشرکین اور یہود و نصاریٰ اپنے اپنے اختلافات کو بھول کر اسلام کے خلاف متحد ہو گئے، ہر طرح کی سازشوں کا ایک جال بچھا دیا گیا اور مسلسل حالتِ جنگ قائم کر دی گئی، اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی جو بھی تدبیر کی جا سکتی تھی وہ بے دریغ اختیار کی جانے لگی۔

یہ کھلے دشمنوں کا حال تھا دوسری طرف منافقین جو مفادات کے غلام تھے، بظاہر اسلام کا دم بھرتے اور مسلمانوں سے اپنی خیر خواہی اور اخلاص و محبت کا اظہار کرتے تھے لیکن دل سے مخالفین کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ انھیں ان کا پورا تعاون حاصل تھا اور وہ ان کے دم ساز اور غم خوار بنے ہوئے تھے۔

اعدارِ دین سے عدمِ تعلق کی ہدایت

ان حالات میں مسلمانوں کو اسلام پر ثابت قدمی کی ہدایت کی گئی، دین و ایمان کے تقاضے واضح کیے گئے اور بتایا گیا کہ جو لوگ اسلام کے دشمن ہیں اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں ان سے انھیں دور رہنا چاہئے۔ ان سے رازدارانہ تعلقات اور ذہنی قربت و یگانگت ایمان کے منافی ہے۔

منافقوں کے کردار سے بھی پردہ ہٹایا گیا اور مخلص مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ ان کی پسِ پردہ سازشوں سے ہوشیار رہیں۔ یہ مارِ آستین کھلے دشمنوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

Marfat.com

اسلام کے ان کھلے اور چھپے دشمنوں سے تعلقات ایمان کے منافی بھی تھے اور خالص سیاسی نقطۂ نظر سے بھی بے حد مہلک اور تباہ کن تھے۔ اس سے اسلامی ریاست سنگین خطرات سے دوچار ہو سکتی تھی۔ اس کا تحفظ ضروری تھا۔ دنیا کی کوئی بھی حکومت دشمن سے تعلقات قائم کرنے، اس سے رازدارانہ معاملات کرنے، اسے خفیہ معلومات فراہم کرنے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی سازشوں میں شریک ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتی۔ مسلمانوں کو اپنے ان مخالفین سے تعلق نہ رکھنے کا قرآنِ مجید کی جن آیات میں حکم دیا گیا ہے ان کے آگے پیچھے اور بعض اوقات ان ہی آیات میں اس کا پس منظر صاف موجود ہے۔ اس طرح کی چند آیات ضروری تشریح کے ساتھ یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔

سورہ آلِ عمران میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ
لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا
مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ
مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي
صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ
إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ۝
هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ
وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ
بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ۚ وَإِذَا
لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا

اے ایمان والو اپنے لوگوں کے سوا دوسروں کو رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہارے بگاڑ میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس چیز سے خوش ہوتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہونچے۔ ان کے موٗنھ سے بغض و عداوت ظاہر ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ ہم نے تمہیں اپنی آیات کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔ دیکھو تم تو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم تمام آسمانی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہو۔ جب وہ تم سے ملتے

Marfat.com

وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝

(آلِ عمران: ۱۱۸-۱۲۰)

ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہو کہ مرو اپنے غصہ سے۔ بے شک اللہ سینے کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہونچے تو انھیں تکلیف ہوتی ہے اور اگر تمہیں تکلیف پہونچے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی کوئی چال تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائے گی۔ بے شک اللہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اسے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔

یہود، نصاریٰ اور منافقین کا کردار

ان آیات میں یہود کا ذکر ہے۔ منافقین پوری طرح ان کے ساتھ تھے یہود کی آبادی مدینہ سے ملی ہوئی تھی، ان کے قبائل اس کے اطراف موجود تھے مسلمانوں کے ان سے قدیم تعلقات چلے آرہے تھے، دوستی اور ہمسائگی تھی، کاروبار اور لین دین تھا، معاہدے تھے، اس وجہ سے بہت سے سیدھے اور سادہ دل مسلمان ان کی سازشوں کو محسوس نہیں کر پاتے تھے، انھیں بدخواہ اور دشمن سمجھنا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ منافقین خود مسلمانوں میں گھلے ملے تھے، ان سے ان کے خونی رشتے اور مختلف قسم کے سماجی اور معاشرتی تعلقات تھے۔ یہ منافقین مسلمانوں کے اندر بیٹھ کر یہود کا کردار ادا کر رہے تھے۔ قرآن نے ان دونوں کے ناپاک عزائم سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ان کی عداوت اور مخالفت ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ان کے قول و فعل سے

Marfat.com

نمایاں ہے۔ تمہاری کامیابی سے ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں اور صدمات کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ تم کسی ناکامی سے دوچار ہوتے ہو تو ان کے گھروں میں مسرت کے شادیانے بجنے لگتے ہیں۔ ان اعداء دین سے ذہنی و قلبی وابستگی، انھیں خیر خواہ سمجھنا اور انھیں اپنا رازدار بنانا تمہارے لیے صحیح نہیں ہے۔ ان آیات میں پہلی آیت کا پس منظر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگرد مجاہد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

نزلت فی قوم من المؤمنین	یہ آیت اہل ایمان میں سے بعض
کانوا یصافون	ان لوگوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی جو
المنافقین ویواصلون	منافقین سے خلوص اور محبت اور یہود
رجالا من الیہود لما کان	کے بعض افراد سے قریبی تعلقات اس
بینھم من القرابة و	وجہ سے رکھتے تھے کہ ان کے درمیان
الصداقة والجوار و	قرابت اور دوستی تھی، ہمسائگی تھی،
الرضاع والحلف فنھوا	رضاعت اور حلیف ہونے کے روابط
عن مباطنتھم[1]	تھے۔ ان سے باطنی روابط سے
	(یہاں) منع کیا گیا ہے۔

ان آیات میں یہود کی عداوت اور مخاصمت کا ذکر ہے۔ نصاریٰ کا رویہ بھی فی الجملہ اس سے مختلف نہ تھا۔ مشرکین تو ان سب سے آگے تھے۔ ان سب نے مل کر حالات ہی ایسے پیدا کر دئے تھے کہ مسلمانوں کو ان سے قریبی تعلقات قائم کرنے سے منع کرنا پڑا۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا	اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو ولی

---

[1] ابن جوزی، زاد المسیر: ۱/۴۴۶۔ ابن جریر میں یہ روایت کسی قدر مختصر ہے۔ جامع البیان: ۷/۱۴۰

Marfat.com

تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرٰٓى	نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے
اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ	کے ولی ہیں، تم میں سے جو کوئی ان کو
وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ	ولی بنائے تو وہ ان ہی میں سے ہے
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ	بے شک اللہ ظالموں کو راہِ ہدایت
الظّٰلِمِيْنَ ٥ (المائدہ: ٥١)	نہیں دکھاتا۔

اسی سلسلۂ بیان میں آگے ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا	اے ایمان والو، تم سے پہلے جن کو
تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا	کتاب دی گئی تھی ان میں سے جن لوگوں
دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ	نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ	رکھا ہے ان کو اور کافروں کو اپنا ولی اور دوست
وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ	نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ وَاِذَا نَادَيْتُمْ	صاحبِ ایمان ہو۔ جب تم نماز کے لیے
اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا	بلاتے ہو (اذان دیتے ہو) تو وہ اس
وَّلَعِبًا ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا	کا مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ اس کی
يَعْقِلُوْنَ ٥ (المائدہ: ۵۷، ۵۸)	وجہ یہ ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے۔

اس نازک ملی اور دینی صورت حال میں ایک کردار وہ تھا جو منافقین پیش کر رہے تھے اور دوسرا کردار مخلص اہلِ ایمان کا تھا۔ قرآن مجید نے ان دونوں کی بھرپور تصویر کشی کی ہے۔ منافقین کے بارے میں بتایا کہ ان کے دل نورِ ایمان سے خالی ہیں، دین کا مذاق اڑانے میں انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ وہ تذبذب کا شکار اور یکسوئی سے محروم ہیں، کسی مقصد کے لیے ایثار و قربانی کا تصور ان کے لیے گراں ہے۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی آزمائش کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ نہیں تمہارے دشمنوں کے ساتھ ہیں لیکن کسی نازک موقع پر وہ ان کا بھی ساتھ چھوڑ دیں گے۔ منافقین کی یہ تصویر قرآن کے مختلف

Marfat.com

مقامات میں موجود ہے۔ یہاں سورۂ نساء کی بعض آیات پیش کی جا رہی ہیں۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ	منافقوں کو خوش خبری سنا دو کہ ان کے
عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ الَّذِيْنَ	لیے دردناک عذاب ہے، جو اہلِ ایمان
يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ	کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں۔ کیا
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ	وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں،
عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ	عزت تو ساری اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تم
لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ	اس کتاب میں پہلے ہی تمہیں یہ ہدایت
فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ	دے چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات
اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا	کا انکار ہو رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا
وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا	جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب
مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ	تک کہ وہ دوسری باتیں نہ لگ جائیں
حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ	ورنہ تمہارا شمار بھی ان ہی میں ہوگا بے شک
اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ	اللہ منافقین اور کفار کو جہنم میں ایک
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ	ساتھ جمع کرے گا۔ ان منافقین کا
جَهَنَّمَ جَمِيْعَاۨ ۝ الَّذِيْنَ	حال یہ ہے کہ وہ تمہارے بارے میں
يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ	انتظار میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر تمہیں
كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے فتح و کامرانی حاصل
قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ	ہو تو وہ کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے
وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ	ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو اس کا
قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ	کچھ حصہ ملے تو کہیں گے کہ کیا ہم نے
وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ	تمہیں گھیر نہیں لیا تھا اور اہلِ ایمان سے
يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ	بچایا نہیں تھا؟ اللہ قیامت کے روز

Marfat.com

الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَاۗءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ڰ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ (النساء: ۱۴۱-۱۴۳)

ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو اہل ایمان پر غلبہ کی راہ نہیں دے گا۔ منافقین اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ انھیں دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے۔ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی اور بے ادبی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ یہ (حق و باطل) کے درمیان تذبذب میں ہیں نہ اس طرف ہیں اور نہ اس طرف جسے اللہ تعالیٰ گم راہ کر دے اس کے لیے تم ہرگز کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔

منافقین میں سے بعض وہ بھی تھے جو اپنے مفادات کی خاطر دارالحرب میں رکے ہوئے تھے، دشمنوں سے ان کی سازباز تھی، ان کا تعاون انھیں حاصل تھا، وہ ہجرت کے لیے جو اس وقت فرض ہو چکی تھی، آمادہ نہ تھے، اسلام سے ان کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا، اسلامی ریاست پر کوئی خطرہ کی گھڑی آجائے تو وہ دشمنوں کی صف میں نظر آتے۔ قرآن نے ان سے بھی قطع تعلق کا اور ان کے خلاف وقتِ ضرورت تلوار اٹھانے کا حکم دیا۔ ارشاد ہے:۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ

تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے بارے میں تمھارے دو گروہ بن گئے ہیں، حالانکہ ان کے ان اعمال کی وجہ

Marfat.com

تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُھَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

(النساء: ۸۸، ۸۹)

سے جو انھوں نے کیے ہیں اللہ نے انھیں الٹا پھیر دیا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے گم راہ کر دیا اسے راہ دکھاؤ۔ جسے اللہ راہ سے بھٹکا دے اس کے لیے تم ہرگز کوئی راہ نہ پاؤ گے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ خود کافر ہیں اور پھر تم سب برابر ہو جاؤ۔ ان کو اپنا دوست اور ولی نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے (مدینہ) نہ آ جائیں۔ اگر وہ روگردانی کریں تو انھیں پکڑو اور جہاں انھیں پاؤ مار ڈالو۔ انھیں اپنا ولی اور مددگار نہ بناؤ۔

سورۂ مجادلہ میں منافقین کا رویہ زیر بحث ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے تعلقات استوار کر رہے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر اپنے ایمان کا ثبوت فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کسی کے بھی مخلص نہیں ہیں۔ جس مال و دولت کے لیے آج وہ اپنا دین و ایمان بیچ رہے ہیں کل وہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ شیطان ان کے سروں پر مسلط ہے اور یہ اسی کے گروہ کے افراد ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں کا کردار بیان ہوا ہے جو ایمان و اخلاص کی دولت سے مالا مال ہیں اور جن کے دلوں میں خدا اور آخرت کا خوف جاگزیں ہے کہ ان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں سے خفیہ یا علانیہ تعلقات رکھیں جو خدا کے دین سے برسرِ پیکار ہیں، چاہے وہ ان کے قریب ترین اعزہ اور خونی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کا کردار وہی ہو گا اور وہی ہونا چاہیے جو کسی غیرت مند ملت اور اعلیٰ

Marfat.com

نصب العین کے حامل گروہ کا ہوتا ہے ۔ اس کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(المجادلہ : ۲۲)

تم یہ نہ دیکھو گے کہ جن لوگوں کا اللہ اور یوم آخر پر ایمان ہے وہ ان لوگوں سے مودت کے تعلقات رکھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا بھائی یا ان کے خاندان والے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح کے ذریعہ ان کی مدد کی ہے ۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ ان سے راضی ہوئے ۔ یہ اللہ کے گروہ کے لوگ ہیں یاد رکھو اللہ کے گروہ والے ہی کامیاب ہوں گے ۔

صلح حدیبیہ

ایمان اور اخلاص کے باوجود اس بات کا امکان بہرحال ہے کہ دین کی محبت پر رشتوں ناطوں اور سماجی تعلقات کی محبت غالب آجائے اور آدمی کوئی ایسا قدم اٹھا دے جس کے نتائج امت کے عمومی مفاد اور اسلامی ریاست کے لیے خطرناک ہوں ۔ اسی طرح کی ایک فروگذاشت پر قرآن مجید نے تنبیہ کی اور دین وایمان کے تقاضے

Marfat.com

واضح کیے۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے۔

قریشِ مکہ نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کی زیادتیاں کیں، ہجرتِ مدینہ کے بعد بار بار جنگ مسلط کی، مسلمانوں نے عمرہ کا ارادہ کیا تو خدا کے گھر کعبۃ اللہ کی زیارت سے روکا۔ بالآخر صلح حدیبیہ ہوئی[1] اس میں دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ اسی معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ جو قبیلہ جس فریق کا چاہے حلیف بن سکتا ہے چنانچہ اس شق کے تحت بنو خزاعہ مسلمانوں کے اور بنو بکر قریش کے حلیف بنے[2]۔ لیکن جلد ہی بنو بکر نے بنو خزاعہ پر یورش کر دی۔ قریش نے ان کی اسلحہ اور افراد کے ذریعہ پشت پناہی کی اور معاہدہ کو توڑ کر بنو خزاعہ کے ساتھ ظلم و زیادتی میں شریک ہو گئے۔ یہ بین الاقوامی ضابطہ کی صریح خلاف ورزی تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی سے جنگ کی تیاری شروع کر دی[3]

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا واقعہ

تیاری کے اس مرحلہ میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جن کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور جو بدری صحابی تھے خط کے ذریعہ مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تیاری کی اطلاع دے دی۔ یہ خط ایک عورت لے جا رہی تھی۔ اس نے مدینہ سے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ وحی کے ذریعہ آپ کو اس کی خبر ہو گئی۔ آپ نے حضرت علیؓ اور تین دیگر صحابہ کو بھیج کر اس عورت سے یہ خط برآمد کرا لیا۔ جب حاطب بن ابی بلتعہؓ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے خط کا اعتراف

---

[1] پوری تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ: ۳۵۵/۲ اور آگے کے صفحات اور دیگر کتب سیرت۔

[2] معاہدۂ صلح کے متن کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام: ۳۶۶/۲

[3] بنو خزاعہ پر حملہ اور اس کے اسباب اور بعد کے واقعات کے لیے دیکھی جائے۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۴/۳-۱۵

Marfat.com

کیا اور عرض کیا کہ قریش سے میرا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے۔ میری حیثیت ان کے حلیف کی ہے۔ جنگ کی صورت میں مہاجرین کے تو رشتہ دار ہیں، ان کی وجہ سے ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب کی حفاظت ہو جائے گی لیکن میرے بچوں اور عزیزوں کی کوئی حفاظت نہ ہو سکے گی، اس لیے میں نے سوچا کہ قریش کو اگر میں اس کی پہلے سے اطلاع دے دوں تو وہ میرے شکر گزار ہوں گے اور میرے متعلقین کا خیال رکھیں گے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ میری اس اطلاع سے کوئی فرق واقع ہونے والا نہیں ہے۔ قریش کی قوت بہر حال اب کی بار ختم ہو کر رہے گی۔ بہر حال یہ تھا میرا مقصد۔ میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ میں نے نہ تو کفر کا راستہ اختیار کیا ہے اور نہ مرتد ہوا ہوں۔ حضرت حاطبؓ نے جو بات کہی ٹھیک ٹھیک بیان کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرمایا۔ اس موقع پر حسب ذیل آیات نازل ہوئیں[1]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو میرے
تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ	اور اپنے دشمنوں کو اولیاء اور دوست
أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ	نہ بناؤ۔ تم ان سے دوستی کا تعلق قائم
وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم	کرتے ہو جب کہ وہ اس حق کا انکار کر چکے
مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ	ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔ وہ اللہ
وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا	کے رسول کو اور تمہیں اس بات پر نکالتے
بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ	ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان رکھتے
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي	ہو۔ (اس طرح تعلق قائم کرنا صحیح نہیں ہے)

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب الجاسوس۔ نیز، کتاب المغازی، باب غزوہ الفتح الخ۔ مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل حاطب بن ابی بلتعہؓ و اہل بدر۔ اس سلسلہ کی مزید روایات کے لیے دیکھی جائے۔ ابن کثیر، تفسیر: ۴/۳۴۶۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۱۸/۵۰-۵۲۔ قرطبی وغیرہ میں بعض کم زور روایات کے حوالے سے اس خط کا مضمون بھی نقل ہوا ہے جو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مشرکین قریش کو لکھا تھا۔

Marfat.com

سَبِيْلِىْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِىْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ط وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ج يَوْمَ الْقِيَامَةِ ج يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اگر تم میرے راستہ میں جہاد اور میری رضا کی طلب میں نکلے ہو۔ تم ان کے پاس دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاتے اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ تم میں سے جو یہ کرے وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں پائیں تو تمہارے دشمن بن جائیں اور تمہارے خلاف اپنے ہاتھ اور زبان چلانے لگیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کی راہ اختیار کرو۔ قیامت کے دن تمہاری رشتہ داریاں اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

(الممتحنہ: ۱-۳)

ان آیات میں اہلِ ایمان سے خطاب ہے کہ تم نے اللہ کی رضا جوئی میں اور اس کی راہ میں جان و مال لٹانے کے جذبہ سے اپنا گھر بار چھوڑا اور ہجرت کی، پھر تم ان لوگوں کو کیسے اپنا ولی اور دوست بنا سکتے ہو جنھوں نے اللہ کے رسول کو اور خود تمہیں محض اس وجہ سے مکہ کی سرزمین پر رہنے نہیں دیا کہ تم اللہ واحد کا نام لیتے ہو اور اس کے دین کی دعوت دے رہے ہو۔ آج بھی ان کی تلواریں نیام سے باہر اور تمہارے خون کی پیاسی ہیں، وہ صرف موقع کی تاک میں ہیں۔ ان کی زبانیں آگ اگل رہی ہیں۔ جب اور جتنی اذیت تمہیں پہونچا سکتے ہیں پہونچا رہے ہیں۔ ان کی خواہش اور کوشش ہے کہ تمہیں عبادت و اطاعت کی راہ سے پھیر کر

Marfat.com

معصیت کی راہ پر ڈال دیں۔ اس طرح کے دشمنوں سے تم خفیہ تعلقات قائم کر رہے ہو اور حکومت کے راز ان پر کھول رہے ہو۔ تمہیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ ظاہر و باطن سب کچھ اس کے لیے عیاں ہے۔ تم نے یہ اقدام مال واسباب اور خویش واقارب کی محبت میں کیا ہے۔ حالانکہ قیامت میں یہ رشتے ناطے بکھر جائیں گے اور یہ وابستگیاں ختم ہو جائیں گی۔ وہاں تو صرف اللہ سے تعلق اور محبت ہی کام آئے گی۔

مشرکین کی عہد شکنی اور جہاد کا حکم

سورۂ توبہ جہاد کی سورہ ہے۔ اس میں مشرکین کی عہد شکنی اور ان حالات کا جن میں جہاد کا حکم دیا گیا تفصیل سے ذکر ہے۔ جہاد کے جواز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ان لوگوں کے ساتھ عہد و پیمان کیسے باقی رہ سکتا ہے جو اگر تم پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے سلسلہ میں نہ کسی رشتہ اور قرابت کا خیال کریں اور نہ عہد و پیمان کا۔ وہ تو اپنی زبان سے تمہیں خوش کر رہے ہیں جب کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں۔ ان میں سے بیشتر بدکردار ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض دنیا کی تھوڑی سی پونجی خریدی ہے۔ اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روک رہے ہیں۔ حالانکہ بہت برا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ وہ کسی مومن کے سلسلہ میں نہ رشتہ کا خیال کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا۔ وہی (ہر معاملہ میں) زیادتی کرنے والے ہیں اگر وہ (اپنی حرکتوں کو چھوڑ کر) ایمان لے آئیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے (ان سے جنگ ختم ہو جائے گی) ہم جاننے والوں کے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ عہد و پیمان کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین

Marfat.com

میں طعنہ زنی کریں تو ان ائمہ کفر سے جنگ کرو۔ ان کے عہد و پیمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنھوں نے عہد توڑے اور رسول کے اخراج کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے ہی (عہد شکنی کرکے) پہلے جنگ چھیڑی ہے۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔" (آیت ۸ - ۱۳)

خدا اور رسول کی محبت ہر محبت پر غالب آجائے

ان حالات میں دشمن کی سرکوبی کی ضرورت تھی۔ اس راہ میں رشتوں، ناطوں، مادی علائق اور دنیوی مفادات کا رکاوٹ بننا ملی اور سیاسی موت کے ہم معنی تھا۔ اس لیے ارشاد ہوا:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا	اے ایمان والو اپنے باپوں اور اپنے
اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ	بھائیوں کو بھی اولیاء اور دوست نہ بناؤ
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ	اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند
وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ	کرتے ہوں۔ تم میں سے جو ان کو ولی
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ	بنائیں گے وہی ظالم ہیں۔ اے پیغمبر ان
كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ	سے کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَ	بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں
عَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا	اور تمہارے خاندان اور تمہارے مال جو
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا	تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے
وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ	ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ	جنھیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب تمہیں
سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ	اللہ اور اس کے رسول سے اور اس

Marfat.com

اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○

کے راستہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ نافذ کر دے اور اللہ فاسقوں کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔ (توبہ: ۲۴،۲۳)

قرآن مجید کے ان بیانات سے ان سنگین حالات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین نے مل کر پیدا کر دیے تھے۔ مسلمان پوری طرح حالتِ جنگ سے گزر رہے تھے، عہد و پیمان توڑے جا رہے تھے، سازشیں جاری تھیں، خطرات کے بادل ریاست پر منڈلا رہے تھے بلکہ ہر طرف سے دشمن کی یلغار تھی اور امن کی کوئی صورت نہیں رہ گئی تھی۔ اس صورتِ حال میں کسی فرد کا ملت اور ریاست کی حریف طاقتوں سے محبت کا رشتہ استوار کرنا اور خفیہ تعلقات رکھنا غداری اور بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم اس کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر اسلام سے اس کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ ملی اور ملکی حالات سے آنکھیں بند کر کے اپنے ماننے والوں کو دشمن کی سازشوں کا شکار اور اس کی تقویت کا باعث بننے کی اجازت دے گا اور ریاست کو خطرہ میں ڈالے گا۔ اسے بیک وقت بیرونی دشمنوں کا بھی اور اندرونی دشمنوں کا بھی سامنا تھا اس نے ان دونوں ہی سے ہوشیار رہنے کی ہدایت کی۔ حکم تھا اور صحیح اور بر وقت حکم تھا کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ منافقوں سے بھی تعلقات نہ رکھے جائیں۔ اس پر اعتراض وہی شخص کر سکتا ہے جو سیاسی پیچیدگیوں سے ناواقف ہے۔ یہ تعلقات ملکی یا سیاسی نقطۂ نظر ہی سے نہیں، دین و ایمان کے پہلو سے بھی تباہ کن ہیں۔ آدمی اگر ان لوگوں سے تعلقات رکھے جن کی دین سے عداوت و نفرت بالکل کھلی ہوئی ہے، جو اس کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں تو اس کا ایمان سلامت نہیں رہ سکتا، کسی نہ کسی مرحلہ میں اس کے قدم ضرور ڈگمگا جائیں گے۔ منافقین سے دوری اور علیحدگی اس لیے ضروری تھی کہ جب بھی کوئی نازک گھڑی پیش آتی خدا اور رسول پر عدم اعتماد کا اظہار ان کا وطیرہ بن چکا تھا۔ اُن کی پوری

Marfat.com

کوشش ہوتی کہ معاشرہ میں ریب وتذبذب کی فضا پیدا کر دیں اور مسلمان ایمان ویقین کی دولت سے محروم ہو جائیں۔ ان کی بے یقینی چھوت کی بیماری کی طرح پھیل سکتی تھی۔ قرآنی تنبیہات نے اس سے محفوظ رکھا۔

غیر جانب داروں کے ساتھ حسنِ سلوک

یہ ایک مخصوص صورتِ حال ہے جہاں یہ صورتِ حال نہ ہو قرآن مجید نے مشرکین اور غیر مسلمین سے بہتر روابط رکھنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے منع نہیں کیا ہے چنانچہ سورۂ ممتحنہ کے شروع میں اہل ایمان سے یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اور خود تمہارے دشمن ہیں، جنھوں نے تمہارے ساتھ ہر طرح کی زیادتی کی انھیں اپنا ولی نہ بناؤ۔[1]

اس کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ	اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا ان
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ	لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل
يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ	وانصاف اور احسان کا رویہ اختیار کرنے
اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا	سے جنھوں نے تم سے دین کی وجہ سے
اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں
الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ	سے بے دخل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ تو
عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ	منع کرتا ہے ان لوگوں کے ساتھ مودت
فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ	کے تعلقات سے جنھوں نے تم سے دین
مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي	کی وجہ سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے
اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ	گھروں سے نکالا اور تمہیں گھروں سے

[1] آیات کا حوالہ اس سے پہلے اسی بحث میں گزر چکا ہے

Marfat.com

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ	نکالنے میں مدد کی کہ تم ان کو اپنا ولی
الظّٰلِمُوْنَ ○	اور دوست بناؤ۔ جو انھیں اپنا دوست
(الممتحنہ: ۸-۹)	بنائیں گے وہی ظالم ہیں۔[1]

یہ صاف اور واضح ہدایت ہے اس بات کی کہ ان ہی لوگوں سے عدم تعلق سے منع کیا گیا ہے جنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کی، انھیں ختم کرنے اور مٹانے کی کوشش میں لگے رہے اور اسلامی ریاست کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ جن غیر مسلموں کا رویہ اس کے خلاف ہو اور جن سے مسلمانوں کی کوئی جنگ نہ ہو ان کے ساتھ عدل و مساوات اور مصالحت اور ہمدردی کا رویہ اختیار کرنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے۔ قرآن مجید نے مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ جس رویہ کی ہدایت کی ہے اسے غیر مسلموں کے بارے میں ایک عام رویہ قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ یہ ایک طرح کی کج فہمی ہے جو صحیح نتیجہ تک پہونچنے نہیں دے گی۔

عدم تعلق کے ذیل کی بعض اصطلاحات

اب آیئے یہ دیکھیں کہ جنگ کے سے نازک حالات میں بھی مخالفین سے کیا ہر قسم کے تعلقات سے منع کیا گیا ہے یا ممانعت خاص قسم کے تعلقات کی ہے؟ اس کے لیے زیر بحث آیتوں کے ان الفاظ پر غور کرنا ہوگا جن سے اس ممانعت کی نوعیت ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں ایک لفظ 'بطانہ' ہے (آل عمران: ۱۱۸)

بطانہ کا مفہوم

'بطانہ' کا مادہ بطن ہے۔ جوہری کی صحاح میں ہے کہ 'بطانۃ الثوب' کپڑے کے اندرونی حصہ کو کہا جاتا ہے۔ اس کی ضد ہے 'ظہارۃ الثوب' اس کے

---

[1] ان آیات پر عام انسانی تعلقات کے تحت گزر چکی ہے۔

Marfat.com

معنی ہیں کپڑے کا بیرونی حصہ۔ آدمی کے خاص لوگوں کو جن پر وہ اعتماد کرتا ہے۔ 'بطانۃ الرجل' کہا جاتا ہے[1]

امام راغب فرماتے ہیں:۔

البطانۃ خلاف الظہارۃ .....وتستعار البطانۃ لمن تختصہ بالاطلاع علی باطن امرک[2]	'بطانۃ' کا لفظ 'ظہارۃ' کا ضد ہے۔ یہ مستعار لیا جاتا ہے اس شخص کے لیے جسے تم اپنے پوشیدہ امور کے اظہار کے لیے خاص کر لیتے ہو۔

ہمارے ایک قدیم ترین مفسر علامہ ابن جریر طبری نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے

انما جعل البطانۃ مثلا لخلیل الرجل فشبہہ بما ولی بطنہ من ثیابہ لحلولہ منہ فی اطلاعہ علی اسرارہ وما یطویہ عن اباعدہ وکثیر من اقاربہ محل ما ولی جسدہ من ثیابہ[3]	آدمی کے خاص دوست کو بطور مثال بطانہ قرار دیا گیا ہے اس میں اسے ان کپڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو آدمی کے جسم سے لگے رہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس طرح کا دوست آدمی کے اسرار و رموز سے اور ان چیزوں سے جنھیں وہ غیروں سے اور بہت سے اپنے عزیزوں سے بھی پوشیدہ رکھتا ہے، واقف ہوتا ہے۔ اسے وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو مقام آدمی کے ان کپڑوں کا ہوتا ہے جو اس کے جسم سے لگے ہوئے ہیں۔

---

[1] ابو نصر اسماعیل بن حماد الجوہری، تاج اللغۃ وصحاح العربیہ: ۲/۳۵۶

[2] راغب، مفردات القرآن۔ مادہ بطن۔

[3] ابن جریر، جامع البیان عن تفسیر آی القرآن: ۷/۱۳۸

Marfat.com

مولیٰ کے معنی

ان میں سے بعض آیتوں میں دشمنوں کو اولیا ، بنانے سے منع کیا گیا ہے (مائدہ: ۵۱، ۵۷۔ نساء ۸۸، ۸۹، ۱۳۸ وغیرہ) 'اولیا' ولی کی جمع ہے ۔اس میں انتہائی قربت، نصرت وحمایت اور حکم رانی وسرپرستی کا تصور پایا جاتا ہے[1]

اسی مادہ سے 'مولیٰ' کا لفظ نکلا ہے ۔اس کے متعدد استعمالات ہیں: رب، مالک، سردار، منعم ومحسن، غلام آزاد کرنے والا، مدد کرنے والا، محبت کرنے والا، تابعداری کرنے والا، پڑوسی، چچازاد بھائی، حلیف، جس سے عہد وپیمان ہو، قرابت دار (داماد) غلام، آزاد کردہ غلام، جس پر احسان کیا جائے ۔علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حدیث میں ان میں سے بیشتر استعمالات موجود ہیں۔ سیاق وسباق سے ان کا مفہوم متعین ہوتا ہے[2]

ان الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اعداءِ دین سے قلبی تعلق رکھنے اور انھیں اپنا ہمدرد، سرپرست اور مددگار بنانے سے منع کیا ہے ۔وہ نہیں چاہتا کہ اس کے ماننے والے مخالفین سے جڑے رہیں، جو لوگ ان کی جڑ کاٹنے میں لگے ہوئے ہیں ان سے وہ قریب ہوتے چلے جائیں، انھیں وہ اپنا مخلص اور خیرخواہ تصور کریں، ان سے عزیزوں اور رشتہ داروں کی طرح ان کے تعلقات ہوں، ان کو ہمدرد اور بہی خواہ سمجھ کر خفیہ امورِ مملکت بھی ان پر کھول دیں ۔ اسلام کی اس ہدایت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ اس طرح کے تعلقات کا کوئی اخلاقی اور قانونی جواز نہیں ہے ۔اس سے ہٹ کر جہاں تک عام انسانی ہمدردی، حسن سلوک اور ان کے دکھ درد میں کام آنے کا تعلق ہے اس سے ان آیات میں منع نہیں کیا گیا ہے ۔

مودّت کی تشریح

اسی ذیل میں "مودّت" سے بھی منع کیا گیا ہے (الممتحنۃ : ۱) علامہ خازن کہتے ہیں۔

---

[1] راغب، مفردات القرآن۔ مادہ 'ولی'   [2] ابن اثیر، النہایہ فی غریب الحدیث: ۴/ ۲۴۱

Marfat.com

فان قلت قد اجمعت الامة على انه تجوز مخالطتهم و معاملتهم ومعاشرتهم فما هذه المودة المحظورة قلت المودة المحظورة هي مناصحتهم وارادة الخير لهم دينا ودنیا مع کفرهم فاما ما سوی ذلك فلا حظر فیه [1]

اگر تم یہ سوال کرو کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کفار کے ساتھ میل جول رکھنا، معاملات کرنا اور معاشرتی تعلقات رکھنا جائز ہے تو یہ وہ کون سی مودّت ہے جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے کفر کے باوجود ان کے ساتھ دین و دنیا کے پہلو سے اخلاص اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام معاملات میں ان سے موالات ممنوع نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے کہ کفار سے تعلقات رکھے جائیں یا نہ رکھے جائیں۔ ان سے ہر طرح کے تعلقات رکھے جاسکتے ہیں البتہ ایک مسلمان دل سے یہ نہیں چاہ سکتا اور ایسا رویہ نہیں اختیار کرسکتا جس سے ان کے کفر و شرک کی تائید ہو، اس لیے کہ ان کے ساتھ اخلاص و خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں راہِ حق دکھائی جائے اور اسلام کی صداقت ان پر واضح کی جاتی رہے۔

---

[1] خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل: ۱/۲۶۰

Marfat.com

کتابیات

کتاب میں قرآن مجید کی آیات کے نیچے سورتوں کے نام اور آیات کے نمبر دے دیے گئے ہیں، دوسرے ماخذ کے حوالے حواشی میں ہیں۔ وہاں ان کے مصنفین، مطابع اور سنین طباعت کی تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ یہاں موضوع کے لحاظ سے اس کی تفصیل دی جا رہی ہے تاکہ مراجعت میں آسانی ہو۔ البتہ حدیث کی جن کتابوں کے حوالے کتب و ابواب کی صراحت کے ساتھ دیے گئے ہیں ان کے مطابع کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

تفسیر

۱۔ آلوسی، شہاب الدین السید محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ۔ مصر۔

۲۔ ابن جوزی۔ ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد القرشی البغدادی۔ زادالمسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

۳۔ ابن کثیر، ابوالفداء عمادالدین اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، مطبع مصطفٰے محمد مصر ۱۳۵۶ھ

۴۔ ابوالسعود، محمد بن محمد بن مصطفٰے العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، برحاشیہ التفسیر الکبیر للرازی۔ (دیکھئے ۸)

۵۔ بغوی، ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء۔ معالم التنزیل، برحاشیہ خازن (دیکھئے ۶)

۶۔ خازن، علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی، لباب التاویل فی معانی التنزیل، مطبعۃ التقدم العلمیۃ مصر ۱۳۲۹ھ

۷۔ رشید رضا، تفسیر القرآن الکریم (تفسیر المنار) دار المنار مصر ۱۳۶۵ھ

۸۔ رازی، فخرالدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) المطبعۃ العامرۃ الشرفیۃ مصر ۱۳۰۸ھ

۹۔ زمخشری، ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر، الکشاف عن حقائق التنزیل، مطبع مصطفٰی البابی الحلبی مصر ۱۹۷۲ء

۱۰۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر تحقیق احمد عبدالسلام،

Marfat.com

دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء

۱۱۔ طبری ۔ ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن ، المطبعہ الکبری مصر کے قدیم نسخہ ۱۳۲۹ھ کی نئی طباعت دارالمعرفۃ بیروت ، لبنان ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء

طبع جدید: تحقیق محمود محمد شاکر، احمد محمد شاکر۔ دارالمعارف مصر ۱۹۶۹م نامکمل۔ ابتدائی سولہ جلدیں پیش نظر ہیں۔

۱۲۔ قرطبی ، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری ۔ الجامع لاحکام القرآن ، الھیئۃ المصریۃ العامۃ ۱۹۸۷م

۱۳۔ ماوردی ، ابوالحسن علی بن حبیب البصری ، النکت والعیون (تفسیر الماوردی) تحقیق خضر محمد خضر مطابع المقھوی الکویت ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء

احکام القرآن

۱۴۔ ابن العربی ، ابوبکر محمد بن عبداللہ الاشبیلی المالکی ۔ احکام القرآن ، مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ

۱۵۔ جصاص ، ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی ، احکام القرآن ، المطبعۃ البھیۃ مصر ۱۳۴۷ھ

حدیث

۱۶۔ ابن ماجہ ، ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ القزوینی ۔ سنن ابن ماجہ ۔

۱۷۔ ابوداؤد ، سلیمان بن اشعث السجستانی ۔ سنن ابی داؤد ۔

۱۸۔ احمد بن حنبل الشیبانی ، المسند ، طبع قدیم : المطبعۃ المیمنیۃ مصر ۱۳۱۳ھ ۔ طبع جدید: شرح وتحقیق احمد محمد شاکر ۔ دارالمعارف مصر ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء نامکمل ابتدائی بیس جلدیں پیش نظر ہیں۔

۱۹۔ بخاری ، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ، الجامع الصحیح المسند من احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۰۔ بخاری ، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل ، الادب المفرد مع الشرح (فضل اللہ الصمد) المطبعۃ السلفیہ ومکتبھا القاھرہ ۱۳۷۸ھ

۲۱۔ بغوی ، ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء ، شرح السنۃ ، تحقیق زہیر الشاویش وشعیب الارناؤوط ۔ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء ۔

۲۲۔ بیہقی ، ابوبکر احمد بن الحسین بن علی ۔ السنن الکبری ۔ (ابن الترکمانی کی تلخیص کے ساتھ شائع ہوئی ہے) دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۵ھ

۲۳۔ ترمذی ، ابوعیسی محمد بن عیسی ، جامع الترمذی

۲۴۔ حاکم ، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ النیسابوری ، المستدرک علی الصحیحین ، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۴ھ

Marfat.com

۲۵۔ دارقطنی، ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی الشافعی، السنن، المطبع الانصاری۔ دہلی ۱۳۱۰ھ

۲۶۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن السمرقندی، سنن الدارمی، تحقیق فواد احمد الزمرلی، خالد السبع العلمی دارالکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

۲۷۔ زیلعی، جمال الدین ابو محمد عبداللہ الحنفی، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ دارالحدیث القاہرہ۔

۲۸۔ عبدالرزاق، ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی۔ المصنف، تحقیق حبیب الرحمن الاعظمی۔ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء

۲۹۔ مالک بن انس الاصبحی۔ الموطا

۳۰۔ محمد بن حسن الشیبانی، کتاب الآثار، مطبع اسلامی لاہور ۱۹۱۱ء

۳۱۔ مسلم بن حجاج القشیری النیسابوری۔ صحیح مسلم

۳۲۔ نسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی۔ سنن النسائی

شروح حدیث

۳۳۔ ابن الترکمانی، علاء الدین، الجوہر النقی علی السنن الکبری للبیہقی (تلخیص) برحاشیہ سنن بیہقی۔ (دیکھئے ۲۲)

۳۴۔ ابن حجر، الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری۔ مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء

۳۵۔ ابن دقیق العید، ابو الفتح تقی الدین محمد بن علی القشیری، احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۱۳۴۶ھ

۳۶۔ خطابی، ابوسلیمان احمد بن محمد، معالم السنن، المطبعۃ العلمیہ حلب ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

۳۷۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد شہاب الدین، شرح الزرقانی علی الموطا المطبعۃ الخیریۃ مصر ۱۳۱۰ھ

۳۸۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد۔ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۱۳۴۴ھ

۳۹۔ عظیم آبادی، شمس الحق، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد۔ مطبع انصاری دہلی ۱۳۲۳ھ

۴۰۔ عینی، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔ مطبع مصطفی البابی۔ الحلبی مصر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

۴۱۔ فضل اللہ الجیلانی، فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد، المطبعۃ السلفیۃ، القاہرہ ۱۳۷۸ھ

Marfat.com

۴۲۔ مناوی، محمد المدعو بعبد الرؤف، فیض القدیر لشرح الجامع الصغیر دار احیاء السنۃ النبویۃ ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء

۴۳۔ نووی، محی الدین ابو زکریا یحیی، شرح مسلم، دار الریان للتراث قاہرہ ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء

فقہ

۴۴۔ ابن رشد، ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد القرطبی، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد تحقیق وتعلیق شیخ علی محمد معوض شیخ عادل احمد عبد الموجود، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء

۴۵۔ ابن عابدین۔ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز، رد المحتار علی الدر المختار، المطبعۃ العثمانیۃ مصر ۱۳۲۷ھ

۴۶۔ ابن قدامہ، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد المقدسی، المغنی علی مختصر الخرقی۔ تحقیق الدکتور عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی۔ الدکتور عبد الفتاح محمد الحلو القاہرۃ، مصر، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء

۴۷۔ ابن ہبیرۃ، عون الدین ابو المظفر یحیی بن محمد الحنبلی، الافصاح عن معانی الصحاح المؤسسۃ السعیدیۃ الریاض ۱۳۹۸ھ

۴۸۔ ابن الہمام: محمد بن عبد الواحد السیواسی الحنفی، فتح القدیر، المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱۳۱۵ھ

۴۹۔ ابو عبید، القاسم بن سلام الہروی، کتاب الاموال، دار الفکر قاہرۃ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء

۵۰۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الکوفی البغدادی، کتاب الخراج، دار المعرفۃ بیروت، لبنان۔

۵۱۔ الحصکفی، محمد علاء الدین، الدر المختار فی شرح تنویر الابصار بر حاشیہ رد المحتار (دیکھئے نمبر ۴۵)

۵۲۔ الدردیر، ابو البرکات احمد بن محمد بن احمد، الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام مالک، دار المعارف مصر ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء

۵۳۔ السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر الخضیری، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

۵۴۔ مرغینانی، برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر، الہدایۃ شرح البدایۃ (مختصر القدوری) کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۳۵۸ھ

سیرت وتاریخ وتذکرہ

۵۵۔ ابن الاثیر، عز الدین ابو الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الشعب القاہرہ ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

Marfat.com

۵۶۔ ابن حجر، الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ قاہرہ، مصر

۵۷۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع الزہری، الطبقات الکبری دار صادر بیروت

۵۸۔ ابن عبدالبر، ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد القرطبی المالکی۔ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب برحاشیہ الاصابہ (دیکھئے نمبر ۵۶)

۵۹۔ ابن قیم، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر الحنبلی الدمشقی، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، تحقیق شعیب الارناؤوط، عبدالقادر الارناؤوط۔ طبع بیروت ۱۹۸۷ء

۶۰۔ ابن کثیر، ابوالفدا عماد الدین اسماعیل، السیرۃ النبویۃ، تحقیق مصطفی عبدالواحد، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۶۱۔ ابن ہشام۔ ابومحمد عبدالملک، سیرۃ النبی، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر۔ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء

۶۲۔ طبری۔ ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم، دار المعارف القاہرہ، طبع چہارم

لغت

۶۳۔ ابن الاثیر۔ مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد الجزری۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر۔ المطبعۃ العثمانیہ مصر ۱۳۱۱ھ

۶۴۔ ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری، لسان العرب دار بیروت للطباعۃ والنشر ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء

۶۵۔ الاصفہانی، ابوالقاسم الحسین بن محمد بن المفضل الراغب، المفردات فی غریب القرآن، المطبعۃ المیمنیۃ مصر ۱۳۲۴ھ

۶۶۔ الجوہری، ابونصر اسماعیل بن حماد، تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، طبع مصر ۱۲۸۲ھ

۶۷۔ الفیروز آبادی، مجد الدین محمد۔ القاموس المحیط۔ دار الفکر، بیروت، لبنان۔ ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۵ء

۶۸۔ نووی، ابوزکریا محی الدین یحیی بن شرف، تہذیب الاسماء واللغات، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر۔

۶۹۔ المعجم الوسیط۔ دار الفکر مصر

Marfat.com

ادب

۷۰۔ ابن عبدربہ، ابو عمر احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی، العقد الفرید۔ مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء

مصنف کی بعض دوسری تحریریں جن کا حوالہ کتاب میں آیا ہے

۷۱۔ سید جلال الدین عمری، اسلام میں خدمت خلق کا تصور۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ ۱۹۹۰ء

۷۲۔ " صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ ۱۹۹۲ء

۷۳۔ " اسلام کمزور کی ظلم سے حفاظت کرتا ہے۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اپریل۔ جون ۸۲ء

۷۴۔ " اہل ایمان کے باہمی تعلقات۔ ماہنامہ زندگی نو نئی دہلی جنوری ۱۹۸۹ء

۷۵۔ " تحائف کی سماجی اور سیاسی اہمیت، تحقیقات اسلامی جنوری مارچ ۱۹۹۶ء

۷۶۔ " حکمت دعوت، ماہنامہ زندگی نو نئی دہلی، اپریل، مئی، جولائی، اگست ۱۹۸۶ء

۷۷۔ " اسلام کی اہمیت اور غیر مسلم کو اسلام کا حکم، تحقیقات اسلامی اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۴ء

۷۸۔ " کمزور اسلام کے سائے میں، ماہنامہ زندگی رام پور اگست تا دسمبر ۱۹۷۸ء

۷۹ " مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات۔ تحقیقات اسلامی علی گڑھ اپریل جون، جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۶ء۔

Marfat.com

اشاریہ شخصیات

یہ اشاریہ کتاب میں مذکور صرف مسلم شخصیات کا ہے۔ اس میں غیر مسلم شخصیات کا ذکر نہیں ہے۔ بعض ہم نام شخصیات کی تعیین میں دشواری پیش آئی، لیکن مضمون کے سیاق و سباق سے اس کی تعیین کی کوشش کی گئی ہے۔

(آ)

۱۔ آلوسی: (۱۲۱۷ - ۱۲۷۰ھ) شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی البغدادی۔ مفسر، محدث، ادیب۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت تفسیر 'روح المعانی' کو حاصل ہوئی۔

۲۔ ابراھیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ماریہ قبطیہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے۔ ۸ھ میں ولادت ہوئی اور اٹھارہ ماہ بعد وفات ہوگئی۔

۳۔ ابن ابی حدردؓ: (م ۷۱ھ) صحابی رسول۔ نام عبداللہ۔

۴۔ ابن ابی شیبہ: (۱۵۹ - ۲۳۵ھ) ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی۔ حافظ حدیث۔ آپ کی متعدد تالیفات ہیں جن میں المصنف فی الاحادیث والآثار بہت مشہور ہوئی۔

۵۔ ابن ابی لیلیٰ: (۷۴ - ۱۴۸ھ) محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ یسار بن بلال الانصاری الکوفی۔ قاضی اور فقیہ۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں ۳۳ سال تک کوفہ کے قاضی رہے۔

۶۔ ابن الاثیر: (۵۴۴ - ۶۰۶ھ) ابوالسعادات مجدالدین المبارک بن محمد الجزری موصل کے باشندہ۔ قرآن، حدیث، فقہ اور نحو کے زبردست عالم۔ لغات حدیث پر النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

۷۔ ابن الاثیر (۵۵۵ - ۶۳۱ھ) عزالدین ابوالحسن علی۔ مشہور مورخ۔ الکامل فی التاریخ اور اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

۸۔ ابن بطال: (م ۴۴۹ھ) ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک القرطبی۔ مشہور محدث۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح کی ہے۔

۹۔ ابن جریج: (م ۱۵۰ھ) عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی۔ مشہور فقیہ تابعی۔

۱۰۔ ابن الجوزی: (۵۰۸ - ۵۹۷ھ) ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد القرشی البغدادی۔ اپنے عہد میں تاریخ اور حدیث کے امام۔ مختلف علوم میں آپ کی تقریباً تین سو کتابیں ہیں جن میں تلبیس ابلیس، کتاب الفضلاء

Marfat.com

والمتروکین۔ نزہۃ الاعین النواظر فی علم الوجوہ والنظائر، الموضوعات فی الاحادیث المرفوعات اور زاد المسیر فی علم التفسیر مشہور ہیں۔

۱۱۔ ابن حبّان: (م ۳۵۴ھ) ابوحاتم محمد بن حبان البستی، سجستان کے باشندہ، فقہ، حدیث، طب اور نجوم کے عالم۔ المسند الصحیح، التاریخ، روضۃ العقلاء و نزہۃ الفضلاء ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

۱۲۔ ابن حجر (۷۷۳-۸۵۲ھ) الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی۔ مصر کے باشندہ۔ حدیث کے زبردست عالم۔ تاریخ اور فقہ شافعی میں بھی شہرت تھی۔ ۱۵۰ سے زائد تصانیف ہیں جن میں الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ اور فتح الباری شرح صحیح البخاری مشہور ہیں۔

۱۳۔ ابن حزم (۳۸۴-۴۵۶ھ) ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری، اندلس کے مشہور صاحب مذہب فقیہ، مختلف علوم میں بہت سی تصانیف ہیں جن میں الفصل فی الملل والاہواء والنحل، المحلّی، جوامع السیرۃ اور الاحکام فی اصول الاحکام مشہور ہیں۔

۱۴۔ ابن خویز منداد مالکی:

۱۵۔ ابن دقیق العید: (۶۲۵-۷۰۲ھ) ابوالفتح تقی الدین محمد بن علی بن وہب بن مطیع القشیری، مجتہد فقیہ، مصر میں منصب قضاء پر فائز رہے۔ حدیث و فقہ وغیرہ میں متعدد تصانیف ہیں جن میں احکام الاحکام اور الالمام باحادیث الاحکام مشہور ہیں۔

۱۶۔ ابن رشد (م ۱۱۹۸ء) ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد۔ اندلس کے مشہور فقیہ، فلسفی اور طبیب، فقہ میں بدایۃ المجتہد، فلسفہ میں تہافۃ التہافۃ اور طب میں کتاب الکلیات کو غیر معمولی شہرت ملی۔

۱۷۔ ابن زید (   ) تابعی، نام محمد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پوتے۔ امام اعمش کے استاد۔

۱۸۔ ابن سعد (۱۶۸-۲۳۰ھ) ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الزہری، معتبر مورخ اور حافظ حدیث۔ واقدی کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے کاتب واقدی کے لقب سے مشہور ہوئے، آپ کی کتاب الطبقات الکبریٰ مشہور ہے۔

۱۹۔ ابن سیرین (م ۱۱۰ھ) ابوبکر محمد بن سیرین البصری الانصاری۔ جلیل القدر تابعی۔ حضرت انس بن مالکؓ کے آزاد کردہ غلام۔ حضرت انسؓ، ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ وغیرہ سے روایت کی۔

۲۰۔ ابن شبرمہ (م ۱۴۴ھ) عبداللہ بن شبرمہ بن الطفیل الکوفی القاضی۔ فقیہ اہل کوفہ، تابعی، حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، شعبہؒ اور عبداللہ بن المبارکؒ

Marfat.com

وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

۲۱۔ ابن عابدین (۱۱۹۸ - ۱۲۵۲ھ) محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی۔ فقیہ شام، اپنے وقت میں فقہِ حنفی کے امام۔ فقہ وفتاوی، اصول، بلاغت، فرائض اور تفسیر میں متعدد تصانیف ہیں۔ درمختار پر آپ کے حاشیہ "ردالمحتار علی الدرالمختار" کو غیر معمولی شہرت ملی۔

۲۲۔ ابن عبدالبر (۳۶۸ - ۴۶۳ھ) ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمری القرطبی المالکی۔ عظیم حافظِ حدیث، مورخ، ادیب، فقہ، تراجم، سیرت، علم قراءت اور انساب وغیرہ پر بہت سی تصانیف ہیں۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، جامع بیان العلم وفضلہ آپ کی چند مشہور تصانیف ہیں۔

۲۳۔ ابن عبدربہ (۲۴۶ - ۳۲۸ھ) ابوعمر احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی۔ قرطبہ کے مشہور ادیب اور شاعر۔ آپ کی تصنیف العقد الفرید عربی ادب کی مشہور ترین کتابوں میں سے ہے۔

۲۴۔ ابن عدی (۲۷۷ - ۳۶۵ھ) ابواحمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد بن مبارک بن القطان الجرجانی۔ حدیث اور اسماء الرجال میں ماہر تھے۔ اس فن میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین من الرواۃ اور علل الحدیث مشہور ہیں۔

۲۵۔ ابن العربی مالکی (۴۶۸ - ۵۴۳ھ) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد المعافری الاشبیلی المالکی۔ حافظِ حدیث، اشبیلیہ میں منصبِ قضاء پر فائز رہے۔ حدیث، فقہ، اصول، تفسیر، ادب اور تاریخ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں العواصم من القواصم، احکام القرآن، عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی مشہور ہیں۔

۲۶۔ ابن عیینہ (۱۰۷ - ۱۹۸ھ) ابومحمد سفیان بن عیینہ بن میمون الہلالی الکوفی۔ تابعی۔ امام زہری کے شاگرد، اعمش، ثوری، شعبہ، شافعی اور احمد وغیرہ نے روایت کی ہے۔

۲۷۔ ابن قدامہ (۵۴۱ - ۶۲۰ھ) ابومحمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ۔ مشہور حنبلی فقیہ۔ حدیث، فقہ واصول فقہ، اصول دین، لغت اور انساب وغیرہ میں بہت سی تصانیف ہیں جن میں المغنی، المقنع، العمدۃ اور الکافی مشہور ہیں۔

۲۸۔ ابن قیم الجوزیہ (۶۹۱ - ۷۵۱ھ) ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی۔ ابن تیمیہ کے مشہور شاگرد، مختلف اسلامی علوم میں قابل قدر تصانیف ہیں۔ اعلام الموقعین، احکام اہل الذمہ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مدارج السالکین، البیان فی اقسام القرآن اور ہدایۃ الحیاری فی الرد علی الیہود

Marfat.com

والنصاریٰ آپ کی چند مشہور تصانیف ہیں۔

۲۹۔ ابن کثیر (۷۰۱-۷۷۴ھ) عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی۔ حافظ حدیث، مورخ، فقیہ، مفسر۔ البدایۃ والنہایۃ، تفسیر القرآن الکریم، جامع المسانید، اختصار علوم الحدیث آپ کی اہم اور مشہور تصانیف ہیں۔

۳۰۔ ابن الکلبی (م ۱۴۶ھ) ابو النضر محمد بن سائب بن بشر۔ تفسیر، ایام العرب اور انساب کے عالم۔ محدثین میں ضعیف سمجھے جاتے تھے۔

۳۱۔ ابن ماجہ (۲۰۹-۲۷۳ھ) ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ مشہور محدث۔ آپ کی کتاب سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۳۲۔ ابن منذر (۲۴۲-۳۱۹ھ) ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری۔ فقیہ، مجتہد، حافظ حدیث۔ تفسیر، حدیث اور فقہ میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

۳۲۔الف ابن منظور (۶۳۰-۷۱۱ھ) ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی الانصاری الرویفعی الافریقی۔ مشہور ماہر لغت۔ مختلف علوم وفنون میں بہت سی کتابوں کے اختصار یے تیار کیے۔ آپ کی تصنیف لسان العرب کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

۳۳۔ ابن المنیّر (۶۲۰-۶۸۳ھ) ناصر الدین احمد بن محمد الاسکندری المالکی۔ اسکندریہ کے علماء و ادباء میں شمار ہوتا ہے۔ منصبِ قضاء پر فائز رہے۔ الانصاف فیما تضمنہ الکشاف من الاعتزال کے نام سے کشاف پر حاشیہ لکھا۔

۳۴۔ ابن وھب (۱۲۵-۱۹۷ھ) ابو محمد عبد اللہ بن وہب بن مسلم الفہری۔ مالکی فقیہ، مجتہد، حافظِ حدیث۔ حدیث اور فقہ میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

۳۵۔ ابن وھبان حنفی (م ۷۶۸ھ) امین الدین عبد الوہاب بن احمد بن وہبان الحارثی الدمشقی حنفی فقیہ، ادیب، قاضی۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

۳۶۔ ابن ھبیرہ (م ۵۶۰ھ) عون الدین ابو المظفر یحییٰ بن محمد۔ حنبلی فقیہ۔ الافصاح عن معانی الصحاح آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

۳۷۔ ابن ھشام (م ۲۱۳ھ) ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری المعافری۔ مورخ، لغت، اخبار عرب اور انساب کے عالم۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں السیرۃ النبویۃ کو (سیرت ابن ہشام کے نام سے) غیر معمولی شہرت ملی۔

Marfat.com

ابن الہمام (۷۹۰ - ۸۶۱ھ) کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود۔ فقہ حنفی کے مشہور امام، مختلف علوم وفنون کے ماہر۔ فقہ میں ہدایہ کی شرح فتح القدیر اور اصول فقہ میں التحریر آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۳۸۔ ابوامامہ الباہلیؓ (م ۸۶ھ) صحابیٔ رسول۔

۳۹۔ ابوبکر صدیقؓ (م ۱۳ھ) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار، خلیفۂ اول، نام عبداللہ تھا۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔

۴۰۔ ابوثعلبہ خشنیؓ (م ۷۵ھ) صحابی رسول، نام جرہم بن ناشب، بیعت رضوان میں شریک تھے۔

۴۱۔ ابوثور (م ۲۴۰ھ) ابراہیم بن خالد بن ابی الیمان الکلبی البغدادی۔ فقہ شافعی کے امام، علم وفضل اور ورع وتقویٰ کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ متعدد کتابیں تالیف کیں۔

۴۲۔ ابوجندلؓ (م ۱۸ھ) بن سہل بن عمرو القرشی العامری۔ صحابی رسول، خلافت فاروقی میں وفات ہوئی۔

۴۳۔ ابوجہم بن حذیفہؓ العدوی القرشی۔ نام عامر تھا، صحابی رسول، حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

۴۴۔ ابوحفص عکبری

۴۵۔ ابوحُمید الساعدیؓ: صحابی رسول، حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

۴۶۔ ابوحنیفہ (۸۰ - ۱۵۰ھ) نعمان بن ثابت۔ فقہ حنفی کے بانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ حماد بن ابی سلیمان، عطا بن ابی رباح، محمد بن المنکدر، نافع اور ہشام بن عروہ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ عبداللہ بن مبارک، وکیع، قاضی ابویوسف وغیرہ نے آپ سے کسب فیض کیا۔

۴۷۔ ابوالخطاب (۴۳۲ - ۵۱۰ھ) محفوظ بن احمد الحسن الکلوذانی البغدادی۔ اپنے عہد میں فقہ حنبلی کے امام۔ فقہ وفرائض میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

۴۸۔ ابوداؤد (۲۰۲ - ۲۷۵ھ) سلیمان بن الاشعث۔ مشہور محدث، آپ کی کتاب سنن ابی داؤد کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۴۹۔ ابوالدرداءؓ (م ۳۲ھ) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔

۵۰۔ ابوذر غفاریؓ (م ۳۲ھ) مشہور صحابی رسول، عبادت وزہد میں مشہور تھے۔

۵۱۔ ابوالسعود (۸۹۸ - ۹۸۲ھ) محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی۔ ترکی کے عالم، مفسر اور شاعر۔ قضاء کے منصب پر فائز رہے۔ عربی، فارسی اور ترکی میں استفتاء کا جواب دیتے تھے۔ ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم آپ کی مشہور تفسیر ہے۔

Marfat.com

۵۲۔ ابوسعید خدریؓ (م ۷۴ھ) نام سعد بن مالک الانصاری، صحابی رسول۔

۵۳۔ ابوسفیانؓ بن حرب اموی (م ۳۴ھ) صحابی رسول، اشرافِ قریش میں سے تھے۔

۵۴۔ ابوصالح (   ) تابعی، ام المومنین حضرت جویریہ بنت الحارثؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید سے روایت کی۔ اعمش کے استاد۔

۵۵۔ ابوالعالیہ (م ۹۰ھ) نام رفیع بن مہران، تابعی، حضرت عمر بن الخطاب اور ابی بن کعب سے احادیث روایت کی ہیں۔

۵۶۔ ابوعبید (۱۵۷۔۲۲۴ھ) القاسم بن سلام الهروی الازدی۔ حدیث، فقہ اور ادب کے بڑے عالم، منصبِ قضا پر فائز رہے۔ غریب القرآن، قرات، حدیث اور دیگر موضوعات پر متعدد تصانیف ہیں جن میں کتاب الاموال، الغریب المصنف، کتاب الامثال مشہور ہیں۔

۵۷۔ ابوعبیدہ بن الجراحؓ (م ۱۸ھ) صحابی رسول، عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔

۵۸۔ ابومجلز (م ۱۰۶ھ) لاحق بن حمید السدوسی، تابعی، حضرات صحابہ: ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، انسؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ سے سماعت کی۔ ابن سیرین، ایوب سختیانی اور قتادہ وغیرہ کے استاد تھے۔

۵۹۔ ابوموسیٰ اشعریؓ (م ۵۲ھ) صحابی رسول، نام عبداللہ بن قیس۔

ابومیسرہ: دیکھئے عمرو بن شرحبیل۔

۶۰۔ ابونُعیم (۳۳۴۔۴۳۰ھ) احمد بن عبداللہ الاصفہانی۔ مشائخ حدیث میں سے تھے۔ آپ کی تصنیف حلیۃ الاولیاء مشہور ہے۔

ابووائل: دیکھئے شقیق بن ابی سلمہ۔

۶۱۔ ابوہریرہؓ (م ۵۷ھ) صحابی رسول۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے روایتیں کی ہیں۔

۶۲۔ ابویعلیٰ (۳۸۰۔۴۵۸ھ) محمد بن الحسین بن محمد بن خلف ابن الفراء۔ حنبلی فقیہ، بغداد میں اپنے عہد کے بڑے عالم، منصبِ قضا پر فائز رہے۔ مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔ فقہ، اصول فقہ، ادب اور طب وغیرہ میں متعدد تصانیف ہیں جن میں الاحکام السلطانیہ، الکفایۃ فی اصول الفقہ مشہور ہیں۔

۶۳۔ ابویوسف (۱۱۳۔۱۸۲ھ) یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الکوفی البغدادی۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید، فقیہ، حافظِ حدیث، طویل عرصے تک بغداد کے قاضی رہے، سب سے پہلے اصول فقہ کے موضوع پر کام کیا۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں کتاب الخراج اور کتاب الآثار کو شہرت ملی۔

۶۴۔ احمد الدردیر (۱۱۲۷۔۱۲۰۱ھ) ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد العدوی۔ مصر کے مشہور مالکی فقیہ،

Marfat.com

ازہر میں تعلیم پائی، اقرب المسالک لمذہب الامام مالک اور فتح القدیر آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۶۵۔ احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ) ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الوائلی۔ فقہ حنبلی کے بانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں یحییٰ بن سعید، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ بخاری، مسلم، ابوزرعہ، ابوداؤد وغیرہ کے استاد۔

۶۶۔ احمد محمد شاکر (۱۳۰۹-۱۳۷۷ھ) مصری نژاد عالم، مسند احمد کی شرح اور تفسیر ابن کثیر کی تلخیص کی۔ متعدد مراجع اور امہات کتب کی تحقیق کی۔

۶۷۔ اذینہ العبدی

۶۸۔ اروی بنت ربیعہؓ بن الحارث بن عبدالمطلب ( ) صحابیہ رسول۔

۶۹۔ ازہری (۲۸۲-۳۷۰ھ) ابومنصور محمد بن احمد بن الازہر الہروی۔ لغت وادب کے امام۔ خراسان کے باشندہ۔ فقہ میں بھی مہارت تھی۔ تہذیب اللغۃ اور غریب الالفاظ التی استعملہا الفقہاء آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۷۰۔ اسامہ بن زیدؓ (م ۵۴ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منظورِ نظر صحابی۔

۷۱۔ اسحاق بن راھویہ (۱۶۱-۲۳۸ھ) ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد الحنظلی التمیمی۔ مشہور تابعی۔ حدیث اور فقہ کے جامع، طلب علم میں مختلف ممالک کا سفر کیا پھر نیساپور میں اقامت اختیار کی۔ احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور دیگر محدثین نے آپ سے روایتیں لی ہیں۔

۷۲۔ اسحاق بن عبداللہ بن حارث (م ۱۳۲ھ) الانصاری۔ مدینہ کے ثقہ تابعی، امام مالک کے استاد۔ امام مالک ان سے زیادہ کسی کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔

۷۳۔ اسماء بنت ابی بکرؓ (م ۷۳ھ) حضرت ابوبکرؓ صدیق کی بڑی صاحبزادی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ، ذات النطاقین آپ کا لقب تھا۔

۷۴۔ اسماعیل بن اسحاق (۲۰۰-۲۸۲ھ) بن اسماعیل بن حماد بن زید الجہضمی الازدی۔ مالکی فقیہ۔ بغداد و مدائن وغیرہ کے قاضی رہے۔ فقہ میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں الموطا، احکام القرآن، المبسوط، الاحتجاج بالقرآن (دو جلدیں) شواہد الموطا (۱۰ جلدیں) مشہور ہیں۔

۷۵۔ اسماعیل بن محمد (م ۱۳۴ھ) تابعی، مشہور صحابی رسول حضرت سعد بن وقاصؓ کے پوتے، حضرت انسؓ سے روایت کی۔ ان کا شمار فقہاء مدینہ کے چوتھے طبقے میں ہوتا ہے۔ سفیان بن عیینہ، ابن جریج، مالک اور زہری وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

Marfat.com

۷۶۔ اشہب (۱۴۵ - ۲۰۴ھ) ابوعمرو بن عبدالعزیز بن داؤد القیسی العامری الجعدی۔ مالکی فقیہ۔ اپنے عہد کے زبردست عالم دین۔ مصر کے باشندہ۔

۷۷۔ اُم ھانی رض (م بعد ۴۰ھ) صحابیہ رسول، حضرت علی بن ابی طالب رض کی بہن۔

۷۸۔ امیمہ بنت بشر رض صحابیہ رسول، انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق تھا۔ حضرت سہل بن حنیف کی زوجہ۔

۷۹۔ انس بن مالک رض (م ۹۱ھ) الانصاری۔ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ قبیلۂ خزرج سے تعلق تھا۔

۸۰۔ اوزاعی (۸۸ - ۱۵۷ھ) ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن یُحمِد، شام کے مشہور فقیہ، عہدۂ قضا کی پیش کش کی گئی مگر قبول نہیں کیا۔ فقہ میں السنن اور المسائل ان کی تصانیف ہیں۔

(ب)

۸۱۔ بخاری (۱۹۴ - ۲۵۶ھ) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، مشہور محدث، آپ کی کتاب الجامع الصحیح کا صحاح ستہ میں شمار ہوتا ہے۔ امت کی اکثریت نے اسے اصح کتاب بعد کتاب اللہ (قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب) کہا ہے۔

۸۲۔ بُدیل: بن ورقاء الخزاعی، صحابی رسول، عہد نبوی میں وفات پا گئے تھے۔

۸۳۔ بُریدۃ رض (م ۶۲ھ) بن الحصیب الاسلمی، صحابی رسول، غزوہ بدر سے قبل اسلام قبول کیا۔ بیعت رضوان میں شریک تھے۔

۸۴۔ بزّار (م ۲۹۲ھ) ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق۔ بصرہ کے مشہور محدث۔ حدیث میں آپ کی تصنیف مسند بزّار مشہور ہے۔

۸۵۔ بشر بن براء رض (م ۷ھ) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ بیعت عقبہ اور بدر و احد میں شریک رہے۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر وفات پائی۔

۸۶۔ بغوی (م ۵۱۶ھ) ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء۔ فقہ و حدیث کے امام۔ آپ کی تصانیف میں حدیث میں کتاب المصابیح اور شرح السنہ، فقہ میں کتاب التہذیب اور تفسیر میں معالم التنزیل شہرت رکھتی ہیں۔

۸۷۔ بلاذری (م ۲۷۹ھ) احمد بن یحییٰ بن جابر بن داؤد البغدادی۔ مورخ، جغرافیہ داں، ماہر انساب۔ فتوح البلدان اور انساب الاشراف آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۸۸۔ بلال بن رباح رض (م ۲۰ھ) حضرت ابوبکر رض کے آزاد کردہ غلام۔ موذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے انھیں سیدنا بلال کہا ہے۔

۸۹۔ بیہقی (۳۸۴ - ۴۵۸ھ) ابوبکر احمد بن الحسین۔ حدیث کے امام۔ السنن الکبری آپ کی مشہور تالیف ہے۔

(ت)

۹۰۔ ترمذی (۲۰۹ - ۲۷۹ھ) ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ۔ مشہور محدث، آپ کی کتاب جامع الترمذی کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔

۹۱۔ تمیم داریؓ: صحابی رسول، پہلے عیسائی تھے۔ سنہ۹ھ میں اسلام قبول کیا۔

(ث)

۹۲۔ ثُمامہ بن اُثالؓ۔ صحابی رسول، یمامہ کے سردار

۹۳۔ ثوری (۹۷ - ۱۶۱ھ) ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق کوفہ کے مشہور تابعی، حدیث اور فقہ کے جامع، امام مالک، اوزاعی، ابن جریج، سفیان بن عیینہ، معمر، شعبہ وغیرہ نے آپ سے روایت کی ہے۔

۹۴۔ ثُویر بن ابی فاختہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ کے آزاد کردہ غلام۔ محدثین نے انھیں ضعیف اور متروک قرار دیا ہے۔

(ج)

۹۵۔ جابرؓ بن عبداللہ الانصاری (م ۷۴ھ) صحابی رسول۔ تمام غزوات میں شرکت کی۔

۹۶۔ جارود بن المعلیٰؓ العبدی (بشر بن عمرو) سنہ۹ھ میں وفد عبدالقیس کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ سنہ۲۰ھ میں خلافتِ فاروقی میں شہید ہوئے۔

۹۷۔ جصاص (۳۰۵ - ۳۷۰ھ) ابوبکر احمد بن علی الرازی۔ رے کے مشہور حنفی فقیہ، بغداد میں قیام رہا۔ عہدۂ قضا پیش کیا گیا مگر اسے قبول نہیں کیا۔ آپ کی کتاب احکام القرآن مشہور ہے۔

۹۸۔ جوہری (م ۳۹۳ھ) ابونصر اسماعیل بن حماد۔ مشہور ماہرِ لغت۔ الصحاح آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

(ح)

۹۹۔ حارث بن ابی ربیعہ (   ) حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ المخزومیؓ کے صاحبزادے، تابعی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بصرہ کا عامل بنایا تھا۔

Marfat.com

۱۰۰۔ حازمی (۵۴۸ - ۵۸۴ھ) ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم مشہور محدث۔ بغداد میں وفات پائی۔ حدیث و اصول حدیث اور انساب پر آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں حدیث میں الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار اور اصولِ حدیث میں شروط الائمۃ الخمسہ مشہور ہیں۔

۱۰۱۔ حاطب بن ابی بلتعہؓ (م ۳۰ھ) بدری صحابی

۱۰۲۔ حاکم (۳۲۱ - ۴۰۵ھ) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم النیسابوری، حافظ محدث، قاضی نیسابور۔ حدیث، اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کے ماہر۔ المستدرک علی الصحیحین، المدخل اور معرفۃ اصول الحدیث آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

حبیب بن اِساف (نام کا صحیح تلفظ خبیب ہے) دیکھئے خبیب بن اساف

۱۰۳۔ حذیفہؓ بن الیمان (م ۳۵ھ) صحابی رسول، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار۔ دورِ فتن سے متعلق آنحضرتؐ کی پیشین گوئیوں سے سب سے زیادہ واقف تھے۔

۱۰۴۔ حسان بن ثابتؓ (م ۵۴ھ) شاعرِ رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔

۱۰۵۔ حسنؓ بن علی (۳ - ۴۹ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ کے بڑے صاحبزادے۔

۱۰۶۔ حسن بصری (۲۱ - ۱۱۰ھ) ابوسعید الحسن بن یسار البصری۔ جلیل القدر تابعی، علم و فن اور زہد و ورع میں امامِ وقت۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، انس بن مالکؓ، ابن عباسؓ وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

۱۰۷۔ حسینؓ بن علی (۴ - ۶۱ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، حضرت علی بن ابی طالبؓ کے چھوٹے صاحبزادے۔

(خ)

۱۰۸۔ خازن (۶۷۸ - ۷۴۱ھ) علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم الشیحی۔ شام کے شافعی فقیہ۔ تصوف کا بھی ذوق اور رجحان تھا۔ آپ کی تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل تفسیر خازن کے نام سے مشہور ہے۔

۱۰۹۔ خالد بن سعید بن العاصؓ (م ۱۴ھ) صحابی رسول، قدیم الاسلام، مہاجر حبشہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب۔

۱۱۰۔ خالد بن عبد اللہ قسری (۶۶ - ۱۲۶ھ) عرب کے مشہور خطیب اور شہسوار، اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مکہ کا والی مقرر کیا تھا۔ پھر ہشام نے کوفہ و بصرہ کا والی بنایا۔ آخر میں ان پر زندقہ

Marfat.com

کا الزام لگا جس کی بنا پر انھیں قتل کر دیا گیا۔

۱۱۱۔ خالد بن مہاجر: تابعی، حضرت خالد بن ولیدؓ کے پوتے۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے روایت کی۔ ابن شہاب زہریؒ نے ان سے روایت کی ہے۔

۱۱۲۔ خالد بن ولیدؓ (م ۲۱ ھ) صحابی رسول، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔

۱۱۳۔ خبابؓ بن الارت تمیمی (م ۳۷ ھ) صحابی رسول، السابقون الاولون میں سے تھے۔

۱۱۴۔ خبیب بن اسافؓ: الانصاری الخزرجی، صحابی رسول۔ غزوۂ بدر کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

۱۱۵۔ خرقی (م ۳۳۴ ھ) ابوالقاسم عمر بن الحسین بن عبداللہ، حنبلی فقیہ، بغداد کے باشندہ۔ فقہ میں آپ کی ایک کتاب المختصر ہے جو مختصر الخرقی کے نام سے مشہور ہے۔ ابن قدامہ نے اس کی شرح المغنی کے نام سے کی ہے۔

۱۱۶۔ خطابی (م ۳۸۸ ھ) ابوسلیمان احمد بن محمد۔ فقہ، حدیث اور ادب کے امام۔ معالم السنن، اعلام السنن اور غریب الحدیث آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

۱۱۷۔ خلاّل (م ۳۱۱ ھ) ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون۔ بغداد کے باشندہ حنبلی فقیہ۔ تفسیر، حدیث اور لغت میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

(د)

۱۱۸۔ دارقطنی (۳۰۶۔ ۳۸۵ ھ) ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی الشافعی۔ اپنے عہد میں حدیث کے امام حدیث اور اسماء الرجال میں متعدد تصانیف ہیں جن میں السنن مشہور ہے۔

۱۱۹۔ دارمی (۱۸۱ - ۲۵۵ ھ) ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن۔ مشہور محدث، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کے استاد۔ آپ کی کتاب سنن الدارمی کے نام سے مشہور ہے۔

۱۲۰۔ دحیہ کلبیؓ (م ۴۵ ھ) صحابی رسول، غزوہ احد اور بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ ۶ھ میں مکتوبِ نبوی لے کر قیصرِ روم کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ جبرئیل امین آپ کی صورت میں وحی لے کر آتے تھے۔

(ر)

۱۲۱۔ رازی (۵۴۴-۶۰۶ ھ) ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی البکری۔

Marfat.com

معقولات ومنقولات کے امام ۔کثیر التصانیف ۔آپ کی مشہور تفسیر مفاتیح الغیب تفسیر کبیر کے نام سے معروف ہے ۔ دیگر تصانیف میں المباحث الشرقیہ ،نہایۃ الایجاز فی علم الاعجاز۔ محصل افکار المتقدمین والمتاخرین مشہور ہیں ۔

۱۲۲۔ راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) ابوالقاسم الحسین بن محمد بن المفضل ۔ادب و لغت کے امام ۔آپ کی تصانیف میں المفردات فی غریب القرآن کے علاوہ محاضرات الادباء اور الذریعہ الی مکارم الشریعہ مشہور ہیں ۔

۱۲۳۔ ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن (م ۱۳۶ھ) جلیل القدر تابعی ۔فقہاء مدینہ میں شمار ہوتا ہے ۔ حضرت انس بن مالک اور حضرت سائب بن یزید سے سماعت کی ۔ امام ثوری اور امام مالک بن انس کے استاد تھے ۔

۱۲۴۔ رشید رضا مصری (۱۲۸۲-۱۳۵۴ھ) مدیر مجلہ المنار مصر، شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رشید، حدیث، ادب، تاریخ اور تفسیر کے عالم ۔آپ کی تصانیف میں تفسیر المنار کو سب سے زیادہ شہرت ملی ۔ اس کی ابتدائی جلدوں میں اپنے استاد محمد عبدہ کے افادات اور نوٹس پیش نظر رہے ۔بعد میں اسی نہج پر تفسیر لکھنی شروع کی ۔ بارہ جلدوں میں بارہ پاروں کی تفسیر لکھی ۔مکمل نہ کر سکے ۔ الوحی المحمدی، الخلافۃ، ذکری المولد النبوی، شبہات النصاریٰ و حجج الاسلام آپ کی چند اہم تصانیف ہیں ۔

(ز)

۱۲۵۔ زبیر بن العوام رض (م ۳۶ھ) صحابی رسول، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ۔حضرت خدیجہ رض کے بھتیجے ۔

۱۲۶۔ زرقانی (۱۰۵۵ - ۱۱۲۲ھ) ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان المصری الازہری المالکی ۔مصر میں اپنے عہد کے عظیم محدث ۔حدیث اور اصول حدیث میں متعدد تصانیف ہیں جن میں شرح المواہب اللدنیہ اور شرح موطا امام مالک مشہور ہیں ۔

۱۲۷۔ زفر (۱۱۰-۱۵۸ھ) بن الہذیل بن قیس العنبری ۔مشہور حنفی فقیہ ۔قاضی بصرہ ۔

۱۲۸۔ زمخشری (۴۶۷ - ۵۳۸ھ) ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر بن محمد بن احمد الخوارزمی ۔ تفسیر، لغت اور ادب کے امام ۔معتزلی ۔ مختلف موضوعات پر بہت سی تصانیف ہیں جن میں الکشاف عن حقائق التنزیل، اساس البلاغۃ اور المفصل کو غیر معمولی شہرت ملی ۔

۱۲۹۔ زہری (م ۱۲۴ھ) ابوبکر محمد بن عبداللہ بن شہاب ۔جلیل القدر تابعی ۔محدث، فقیہ، بہت سے صحابہ سے روایت کی، حضرت قتادہ اور امام مالک کے استاد ۔

Marfat.com

۱۳۰۔ زیلعی (م ۷۶۲ھ) ابومحمد جمال الدین عبداللہ بن یوسف بن محمد۔ فقیہ، محدث۔ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ آپ کی ایک کتاب تخریج احادیث الکشاف بھی ہے۔

(س)

۱۳۱۔ سُبیعہ بنت الحارث اسلمیہؓ ( ) صحابیہ، حضرت سعد بن خولہؓ کی بیوی۔

۱۳۲۔ سعد بن ابی وقاصؓ (م ۵۵ھ) صحابی رسول، عشرۂ مبشرہ میں سے تھے، عظیم سپہ سالار۔

۱۳۳۔ سعد بن عبادہؓ (م ۱۵ھ) جلیل القدر صحابی رسول۔ انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ ان بارہ نقباء میں سے تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ عقبہ کے موقع پر نامزد فرمایا تھا۔

۱۳۴۔ سعد بن معاذؓ (م ۵ھ) جلیل القدر صحابی۔ انصار کے قبیلۂ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل سے تعلق تھا۔ عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شریک تھے۔

۱۳۵۔ سعید بن جبیر (م ۹۵ھ) جلیل القدر تابعی۔ حضرات صحابہ ابومسعودؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ اور انسؓ سے احادیث روایت کیں۔

۱۳۶۔ سعید بن العاصؓ (م ۵۹ھ) صحابی رسول۔ سپہ سالار، حضرت عثمانؓ نے گورنر بنایا تھا۔

۱۳۷۔ سعید بن المسیّب (م ۹۳ھ) سید التابعین، حدیث اور فقہ کے جامع۔ عبادت اور زہد و ورع میں مشہور تھے۔

۱۳۸۔ سلمانؓ الفارسی (م ۳۵ھ) صحابی رسول۔

۱۳۹۔ سلمہ بن اکوعؓ (م ۷۴ھ) صحابی رسول، بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔

۱۴۰۔ سلیمان الاعمش (۶۰ - ۱۴۸ھ) ابومحمد سلیمان بن مہران الاسدی۔ تابعی۔ علم حدیث علم قرارت اور فرائض کے ماہر۔ بنو کاہل کے آزادکردہ غلام۔ کوفہ میں قیام رہا۔

۱۴۱۔ سلیمان بن موسیٰ (م ۱۱۹ھ) ابوالربیع المعروف بالاشدق، شام کے مشہور فقیہ۔

۱۴۲۔ سلیمان بن یسار (۳۴ - ۱۰۷ھ) ابوایوب، تابعی، ام المومنین حضرت میمونہؓ کے آزادکردہ غلام، مدینہ کے فقہاء سبعہ میں شمار ہوتا ہے۔

۱۴۳۔ سہل بن حُنیفؓ (م ۳۸ھ) صحابیٔ رسول، انصار کے قبیلۂ اوس سے تعلق تھا۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔

Marfat.com

۱۴۴۔ سہیل بن عمروؓ (م ۱۴ھ) صحابی رسول، فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔

۱۴۵۔ سُہیلی (۵۰۸ - ۵۸۱ھ) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی۔ حافظ، لغت اور سیر کے امام۔ سیرت ابن ہشام کی آپ کی شرح الروض الانف بہت مشہور ہوئی۔

۱۴۶۔ سیرین۔ ماریہ قبطیہؓ کی بہن۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے پاس رہیں۔

۱۴۷۔ سیوطی (۸۴۹ - ۹۱۱ھ) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین الخضیری۔ مفسّر، محدّث، مورّخ، ادیب، مختلف علوم میں تقریباً چھ سو کتابیں تالیف کیں جن میں الاتقان فی علوم القرآن، تفسیر جلالین، الاشباہ والنظائر، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ مشہور ہیں۔

(ش)

۱۴۸۔ شافعی (۱۵۰ - ۲۰۴ھ) ابوعبداللہ محمد بن ادریس الہاشمی۔ فقہ شافعی کے بانی ائمہ اربعہ میں سے تھے۔ فقہ میں کتاب الام، اصولِ فقہ میں الرسالہ اور حدیث میں المسند آپ کی اہم کتابیں ہیں۔

۱۴۹۔ شُریح (م ۷۸ھ) بن الحارث بن قیس بن الجہم الکندی۔ عہد اول کے مشہور قاضی۔ خلافتِ فاروقی سے خلافتِ معاویہ تک کوفہ کے قاضی رہے۔ حدیث میں ثقہ تھے۔ ادب و شعر میں بھی مہارت تھی۔

۱۵۰۔ شعبی (۱۹ - ۱۰۳ھ) ابوعمرو عامر بن شراحیل بن عبد ذی کبار الشعبی الحمیری۔ جلیل القدر تابعی۔ تقریباً پانچ سو صحابہ سے آپ کو شرفِ ملاقات حاصل ہے۔ کوفہ کے مشہور اصحابِ علم و فضل میں سے تھے۔

۱۵۱۔ شقیق بن ابی سلمہ (م ۹۹ھ) تابعی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن شرفِ صحابیت سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

۱۵۲۔ شوکانی (۱۱۷۳ - ۱۲۵۰ھ) محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی۔ یمن کے مجتہد فقیہ، منصبِ قضا پر فائز رہے۔ فقہ، رجال، تفسیر اور دیگر موضوعات پر سو سے زائد تصانیف ہیں جن میں نیل الاوطار من اسرار منتقی الاخبار اور فتح القدیر بہت مشہور ہیں۔

(ص)

۱۵۳۔ صالح (م مابعد ۱۴۰ھ) (بن کیسان المدنی) تابعی، حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بچوں کے اتالیق تھے۔ ابن جریج، معمر اور امام مالک کے استاد تھے۔

۱۵۴۔ صفوان بن امیہؓ (م ۴۲ھ) صحابیٔ رسول، غزوۂ حنین کے بعد اسلام قبول کیا۔

۱۵۵۔ صفیہؓ بنت حی بن اخطب (م ۵۰ھ) ام المومنین

Marfat.com

(ض)

۱۵۶۔ضمرہ بن جُندَبؓ : (   ) صحابی رسول۔ان کا نام بعض سوانح نگاروں نے ضمرہ بن عمرو الخزاعی بیان کیا ہے۔

(ط)

۱۵۷۔طاؤس بن کیسان الخولانی (م ۱۰۵ھ) تابعی، امام زہری کے استاد۔

۱۵۸۔طبرانی (۲۶۰۔۳۶۰ھ) ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی الشامی ۔مشہور محدث۔ آپ کی کتاب المعجم الصغیر مشہور ہے۔

۱۵۹۔ طبری (۲۲۴ - ۳۱۰ھ) ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری ۔مورخ، مفسرؒ، امام، مجتہد۔ منصب قضا کی پیش کش کی گئی مگر قبول نہیں کیا۔تاریخ میں آپ کی کتاب اخبار الرسل والملوک (تاریخ طبری) اور تفسیر میں جامع البیان عن تاویل آی القرآن (تفسیر طبری) دونوں کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

۱۶۰۔ طحاوی (۲۲۹ ۔۳۲۱ھ) ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ الازدی ۔مصر کے مشہور حنفی فقیہ۔ آپ کی تصانیف میں شرح معانی الآثار، مشکل الآثار، کتاب الشفعہ اور بیان السنۃ مشہور ہیں۔

۱۶۱۔طلحہ بن عبید اللہؓ (م ۳۶ھ) صحابی رسول عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

۱۶۲۔طیبی (م ۷۴۳ھ) شرف الدین الحسین بن محمد بن عبد اللہ۔حدیث، تفسیر اور علم بیان کے ماہر، شرح کشاف، شرح مشکوٰۃ المصابیح اور الخلاصۃ معرفۃ الحدیث آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

(ع)

۱۶۳۔ عامر بن مالک : بن جعفر العامری الکلابی ۔ملاعب الاسنۃ کے لقب سے مشہور تھے صرف خلیفہ بن خیاط نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے ۔بقیہ تمام اصحاب سیر کے نزدیک ان کا قبولِ اسلام ثابت نہیں ہے۔

۱۶۴۔ عائشہؓ بنت ابی بکر صدیقؓ (م ۵۷ھ) ام المومنین۔

۱۶۵۔ عبادہ بن صامتؓ (م ۳۴ھ) صحابی رسول، بیعت عقبہ میں شریک تھے۔

۱۶۶ ۔ عباس بن عبد المطلبؓ (م ۳۲ھ) صحابی رسول، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا۔

۱۶۷۔ عبد الرحمٰن بن ابو بکرؓ (م ۵۳ھ) صحابی رسول، ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بھائی۔

۱۶۸۔ عبد الرحمٰن بن عوفؓ (م ۳۱ھ) صحابی رسول، عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

۱۶۹۔ عبد الرزاق (۱۲۶-۲۱۱ھ) ابو بکر بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی ۔ثقہ، حافظ حدیث۔ آپ کی کتاب "المصنف" مشہور ہے۔

Marfat.com

۱۷۰۔ عبداللہ بن ابوزکریا (م ۱۱۷ھ) ابویحیی الخزاعی الشامی۔ فقہاءِ دمشق میں سے تھے۔ محمد بن سعد نے تابعینِ شام کے تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے۔

۱۷۱۔ عبداللہ بن رواحہؓ (م ۸ھ) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ شاعرِ رسول۔ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔

۱۷۲۔ عبداللہ بن زبیرؓ (م ۷۳ھ) صحابی رسول۔

۱۷۳۔ عبداللہ بن سہلؓ بن حُنیف الانصاری ( ) صحابی رسول۔

۱۷۴۔ عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ) صحابی رسول، حبرالامہ

۱۷۵۔ عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۳ھ) صحابی رسول

۱۷۶۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (م ۶۳ھ) صحابی رسول۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے احادیث نقل کی ہیں۔

۱۷۷۔ عبداللہ بن مروان تبع تابعی حضرت مجاہد کے شاگرد

۱۷۸۔ عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) جلیل القدر صحابی۔ صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۷۹۔ عبداللہ بن مغفلؓ المزنی (م ۶۰ھ) صحابی رسول، بیعت رضوان میں شریک تھے۔

۱۸۰۔ عبیدہ بن عمرو السلمانی (م ۷۲ھ) تابعی۔ یمن میں فتح مکہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکے، حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں مدینہ ہجرت کی۔ فقہ و حدیث میں مہارت تھی۔ قضاء میں قاضی شریح کے ہم پلہ تھے۔

۱۸۱۔ عثمان بن عفانؓ (م ۳۵ھ) صحابی رسول، خلیفہ سوم

۱۸۲۔ عثمان بتیؒ (م ۱۴۳ھ) بن مسلم ابوعمرو البصری الفقیہ۔ تابعی۔ حضرت انسؓ سے روایت کی شعبہؒ اور ثوری کے استاد تھے۔

۱۸۳۔ عثمان بن ابوالعاصؓ الثقفی (م ۵۱ھ) صحابی رسول، ۹ھ میں وفدِ ثقیف کے ساتھ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ حضورؐ نے طائف کا عامل بنایا تھا۔

۱۸۴۔ عزالدین بن سلام (۵۷۷ - ۶۶۰ھ) عبدالعزیز بن عبدالسلام بن ابی القاسم بن الحسن السلمی الدمشقی۔ مشہور شافعی فقیہ، مصر میں عہدۂ قضاء پر فائز رہے۔ علوم قرآنی، فقہ و فتاویٰ اور تصوف میں متعدد تصانیف ہیں جن میں قواعد الاحکام اور الاشارۃ الی الایجاز فی بعض انواع المجاز مشہور ہیں۔

Marfat.com

۱۸۵۔ عطا بن ابی رباح (۲۷ - ۱۱۴ھ) عطا بن اسلم بن صفوان۔ فقہاء تابعین میں شمار ہوتا ہے۔
حضرات صحابہ ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ اور ابو سعیدؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔

۱۸۶۔ عطیہ بن قیس (م ۱۲۱ھ) الحمصی المعروف بالمذبوح۔ تابعی، علم قراءت کے ماہر۔

۱۸۷۔ عقبہ بن عامرؓ الجہنی (م ۵۸ھ) صحابی رسول۔ حضرت معاویہؓ نے مصر کا گورنر بنایا تھا۔

۱۸۸۔ عکرمہ بن ابی جہلؓ بن ہشام بن المغیرۃ القرشی المخزومی: صحابی رسول، فتح مکہ کے
بعد اسلام قبول کیا۔ معرکۂ اجنادین میں شہادت پائی۔

۱۸۹۔ عکرمہ (۲۵ - ۱۰۵ھ) ابو عبداللہ عکرمہ بن عبداللہ البربری المدنی۔ حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ
غلام اور شاگرد۔ مکہ کے فقہاء تابعین میں شمار ہوتا ہے۔ تفسیر اور مغازی میں مہارت رکھتے تھے۔

۱۹۰۔ علقمہ بن قیس (م ۶۲ھ) ابو شبل بن عبداللہ بن مالک النخعی الہمدانی۔ تابعی۔ فقیہ عراق۔
امام مالک نے ان سے روایت کی ہے۔ عہد نبوی میں ولادت پائی۔ مگر شرفِ صحابیت سے بہرہ ور نہ ہوسکے

۱۹۱۔ علی بن ابی طالبؓ (م ۴۰ھ) صحابی رسول۔ خلیفۂ چہارم۔

۱۹۲۔ علی بن زید بن جدعان (م ۱۲۹ھ) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی۔ بیشتر
محدثین نے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔

۱۹۳۔ عمارۃ بن زاذان: الصیدلانی، ابو سلمۃ البصری۔ حضرت انسؓ، ثابت البنانی اور مکحول وغیرہ
سے روایت کی۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ان سے بعض احادیث روایت کی ہیں لیکن متعدد
محدثین نے انھیں ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔

۱۹۴۔ عمرؓ بن الخطاب (م ۲۳ھ) صحابی رسول، خلیفۂ دوم۔

۱۹۵۔ عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) مشہور اموی خلیفہ۔ بعض لوگوں نے پانچواں خلیفۂ راشد
قرار دیا ہے۔ زہری اور ابوبکر ابن حزم نے ان سے روایت کی ہے۔

۱۹۶۔ عمران بن حصینؓ الخزاعی (م ۵۲ھ) صحابی رسول۔

۱۹۷۔ عمرو بن امیہ ضمریؓ (م ۵۵ھ تقریباً) صحابی رسول، شجاعت میں مشہور تھے۔

۱۹۸۔ عمرو بن شرحبیل: الہمدانی الکوفی۔ تابعی۔ حضرت حذیفہؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت
علیؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ وغیرہ سے روایت کی۔ عبیداللہ بن زیاد کے عہدِ ولایت میں وفات پائی۔

۱۹۹۔ عمرو بن شعیب (م ۱۱۸ھ) ابو ابراہیم عمرو بن شعیب بن محمد السہمی القرشی۔ تابعی۔ اپنے
باپ شعیب اور ابن المسیب اور طاؤس وغیرہ سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے زہری اور ابن جریج

Marfat.com

عطا وغیرہ نے روایت کی ہے۔

۲۰۰۔ **عمرو بن عبسہؓ السلمی**، صحابی رسول، حضرت علی کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

۲۰۱۔ **عمرو بن میمون** (م ۷۴ ھ) کوفہ کے کبار تابعین میں سے ہیں۔ جاہلیت کا زمانہ پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسلام قبول کیا۔ لیکن شرف صحابیت سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ سے احادیث روایت کیں۔

۲۰۲۔ **عمیر بن وہبؓ** صحابی رسول، غزوہ بدر کے بعد اسلام قبول کیا۔

۲۰۳۔ **عون بن عبد اللہ** (م ۱۱۵ھ تقریباً) بن عتبہ بن مسعود الہذلی۔ خطابت، شاعری اور علم الانساب میں شہرت تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔

۲۰۴۔ **عیاض** (۴۷۶ - ۵۴۴ھ) ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون الیحصبی السبتی۔ اپنے عہد کے مشہور محدث، عربوں کے کلام، انساب اور ایام کے عالم، سبتہ پھر غرناطہ میں منصب قضا پر فائز رہے۔ الشفا، بتعریف حقوق المصطفیٰ، مشارق الانوار اور الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ مشہور تصانیف ہیں۔

۲۰۵۔ **عیاض بن حمارؓ**: التیمی المجاشعی، صحابیٔ رسول۔

۲۰۶۔ **عیاض بن غنمؓ** (م ۲۰ھ) صحابی رسول۔ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام قبول کیا۔

۲۰۷۔ **عینی** (۷۶۲ - ۸۵۵ھ) بدر الدین محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد۔ مورخ، محدث، حنفی فقیہ، قاہرہ میں قضاء اور دیگر عہدوں پر فائز رہے۔ آخر عمر میں تدریس و تصنیف میں مصروف ہو گئے تھے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، البنایہ فی شرح الہدایۃ، رمز الحقائق شرح کنز الدقائق آپ کی چند مشہور تصانیف ہیں۔

(ف)

۲۰۸۔ **فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم** (م ۱۱ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت علیؓ کی زوجہ۔

۲۰۹۔ **فضالہ بن عبیدؓ** (م ۵۳ھ) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ اوس سے تعلق تھا۔ بیعت رضوان میں شریک تھے۔

(ق)

۲۱۰۔ **قتادہ** (۶۱ - ۱۱۸ھ) ابو الخطاب بن دعامۃ بن قتادہ بن عزیز السدوسی البصری۔ جلیل القدر

Marfat.com

تابعی۔ تفسیر حدیث، لغت اور انساب کے امام۔

۲۱۱۔ **قرطبی** (م ۶۷۱ھ) ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری الخزرجی الاندلسی۔ قرطبہ کے رہنے والے تھے، مصر میں سکونت اختیار کی بڑے عابد وزاہد تھے۔ آپ کی تفسیر الجامع للاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔

۲۱۲۔ **قیس بن سعدؓ** (م ۶۰ھ) صحابی رسول، انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔

(ک)

کلبی: دیکھئے ابن کلبی۔

(م)

۲۱۳۔ **مابور**: ماریہ قبطیہؓ کا چچا زاد بھائی۔ مقوقس شاہ مصر نے ماریہ کے ساتھ حضور کی خدمت میں بھیجا تھا۔

۲۱۴۔ **ماریہ قبطیہؓ** (م ۱۶ھ) مقوقس شاہ مصر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ انہی سے حضور کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔

۲۱۵۔ **مالک بن انس** (۹۵-۱۷۹ھ) ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک الاصبحی الحمیری۔ امام دار الہجرۃ، فقہ مالکی کے بانی۔ ائمہ اربعہ میں سے تھے۔ زہری، یحییٰ بن سعید، نافع، محمد بن المنکدر، ہشام بن عروہ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ امام شافعی کے استاد، موطا آپ کی مشہور کتاب ہے۔

۲۱۶۔ **ماوردی** (۳۶۴-۴۵۰ھ) ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب۔ اپنے عہد کے مشہور قاضی، شافعی فقیہ، عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ نے قاضی القضاۃ بنا دیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں ادب الدنیا والدین، الاحکام السلطانیہ، النکت والعیون اور اعلام النبوۃ مشہور ہیں۔

۲۱۷۔ **مجالد** (م ۱۴۴ھ) بن سعید بن عمیر بن بسطام الہمدانی الکوفی۔ عامر شعبیؒ سے روایت کی محدثین نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۱۸۔ **مجاھد** (م ۱۰۰ھ) ابوالحجاج بن جبر المکی۔ تابعی۔ حضرت عبداللہ بن السائب مخزومیؓ کے آزاد کردہ غلام۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد۔ علم قرارت وتفسیر کے امام۔ مکہ کے فقہائے تابعین میں شمار ہوتا ہے۔

۲۱۹۔ محمد بن حسن شیبانی (۱۳۱-۱۸۹ھ) ابوعبداللہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد، فقہ حنفی کے

Marfat.com

ایک بڑے امام۔ ہارون رشید کے عہد میں منصب قضا پر فائز رہے، فقہ واصول فقہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں جامع کبیر، جامع صغیر، کتاب الآثار، کتاب السیر، الموطا مشہور ہیں۔

۲۲۰۔ محمد بن حنفیہ (۲۱ - ۸۱ھ) ابوالقاسم محمد بن علی بن ابی طالب الہاشمی القرشی۔ تابعی، علی بن ابی طالب کے صاحبزادے۔ صاحب علم وفضل۔ شجاعت میں مشہور تھے۔

۲۲۱۔ محمد بن کعب قرظی (م ۱۰۸ھ) تابعی۔ متعدد صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

۲۲۲۔ محمود محمد شاکر (۱۳۲۷ - ۱۴۱۸ھ) مشہور مصری عالم ومحقق، آپ کی کتاب المتنبی پر ۱۹۸۲ء/۱۴۰۳ھ میں عالمی شاہ فیصل ایوارڈ برائے ادب عربی سے نوازا گیا۔ متعدد قدیم مصادر کی تحقیق کی ہے جن میں تفسیر طبری کو زیادہ شہرت ملی۔

۲۲۳۔ مرۃ ہمدانی (م ۷۶ھ) بن شراحیل البکیلی الکوفی مشہور تابعی۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ زید بن ارقمؓ، ابن مسعودؓ اور دیگر متعدد صحابہ کرام سے روایت کی۔

۲۲۴۔ مزنی (۱۷۵ - ۲۶۴ھ) ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل المصری۔ امام شافعی کے شاگرد۔ فقہ شافعی کے امام۔ الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، المختصر، الترغیب فی العلم آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

۲۲۵۔ مسلم بن حجاج (۲۰۲ - ۲۶۱ھ) القشیری النیسابوری۔ مشہور محدث، آپ کی کتاب کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۲۲۶۔ مصعب بن عمیرؓ (م ۳ھ) صحابی رسول۔ بیعت عقبہ کے بعد حضور نے اہل مدینہ میں دعوت وتبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ غزوۂ احد میں شہادت پائی۔

۲۲۷۔ معاویہؓ بن ابی سفیان (م ۶۰ھ) صحابی رسول، کاتب وحی۔

۲۲۸۔ معمر بن راشد (۹۵ - ۱۵۳ھ) ابوعروہ معمر بن راشد بن ابی عمرو الازدی الحدانی۔ فقیہ، حافظ حدیث، ثقہ، بصرہ کے رہنے والے تھے یمن میں سکونت اختیار کی یمن میں آپ کی کتاب الجامع مشہور ہے۔

۲۲۹۔ مقاتل بن سلیمان (م ۱۵۰ھ) ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الازدی البلخی۔ مشہور مفسر، متروک الحدیث، علم تفسیر وقرات پر متعدد کتابیں ہیں۔

۲۳۰۔ مقدام بن معدیکربؓ (م ۸۷ھ) صحابی رسول۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والے قبیلۂ کندہ کے وفد میں شامل تھے۔

۲۳۱۔ مکحول (م ۱۱۲ھ) ابوعبداللہ بن ابی مسلم شہراب بن شاذل الہذلی۔ تابعی، فقیہ شام، حافظ ثقہ۔

Marfat.com

طلبِ حدیث میں مختلف ممالک کا سفر کیا۔ آخر میں دمشق میں سکونت اختیار کی۔

۲۳۲۔ مناوی (۹۵۲ - ۱۰۳۱ھ) محمد عبدالرؤف بن تاج العارفین۔ مختلف علوم و فنون میں تقریباً اسّی کتابیں تصنیف کیں۔ حدیث میں کنوز الحقائق، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، التیسیر اور شرح شمائل ترمذی مشہور ہیں۔

۲۳۳۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) ابو محمد موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش الاسدی۔ مشہور سیرت نگار، محدث، فقیہ، ماہرِ جرح و تعدیل آپ کی مغازی مشہور ہے لیکن دستیاب نہیں ہے۔

۲۳۴۔ مہلب بن ابی صفرہ (۷ - ۸۳ھ) ابوسعید الازدی العتکی۔ تابعینِ بصرہ کے طبقہ اول میں شمار ہوتا ہے۔ خوارج کے خلاف جنگوں میں شریک رہے، حضرت سمرہ اور حضرت ابن عمر سے روایت کی۔

۲۲۵۔ میمون بن مہران (۳۷ - ۱۱۷ھ) ابو ایوب۔ کوفہ میں پرورش پائی۔ بڑے عبادت گزار، حدیث میں ثقہ اور فقیہ تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے کے اتالیق تھے منصبِ قضا پر فائز رہے۔

(ن)

۲۳۶۔ نخعی (۴۶ - ۹۶ھ) ابو عمران ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود کبار تابعین میں سے تھے۔ فقیہِ عراق، حافظِ حدیث، صاحبِ مذہب مجتہد۔

۲۳۷۔ نسائی (م ۳۰۳ھ) ابو عبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار۔ مشہور محدث، ابوالقاسم طبرانی اور ابوجعفر طحاوی کے استاد۔ آپ کی کتاب سنن النسائی کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

۲۳۸۔ نووی (۶۳۱ - ۶۷۶ھ) ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن الحزامی الشافعی۔ فقیہ، محدث۔ حدیث میں ریاض الصالحین اور الاذکار آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ آپ کی شرحِ مسلم کو بھی شہرت ملی۔

(و)

۲۳۹۔ واقدی (۱۳۰ - ۲۰۷ھ) ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقدی السہمی الاسلمی۔ قدیم ترین اور مشہور ترین مورخِ اسلام، حافظِ حدیث، ہارون رشید کے زمانے میں بغداد میں منصبِ قضا پر فائز رہے۔ تاریخ و سیرت پر متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں کتاب المغازی کو خاص طور پر شہرت ملی۔

Marfat.com

۲۴۰۔ ولید بن عبد اللہ (م ۱۷۲ھ) بن ابی ثور الہمدانی المرہبی۔ کوفہ کے رہنے والے تھے محدثین نے انھیں ضعیف اور ناقابلِ احتجاج قرار دیا ہے۔

(ھ)

۲۴۱۔ ھادی الی الحق (۲۲۰۔ ۲۹۸ھ) یحییٰ ابن الحسین بن القاسم بن ابراہیم الحسنی۔ فقیہ۔ یمن میں فرقۂ زیدیہ کے ائمہ میں شمار ہوتا ہے۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔

۲۴۲۔ ھشام بن عروہ (۶۱۔ ۱۴۶ھ) ابو المنذر ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام القرشی الاسدی۔ مدینہ کے اجلّہ تابعین میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابن عمر وغیرہ سے روایت کی۔ مالک، ثوری، ابن عیینہ وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

(ی)

۲۴۳۔ یحییٰ بن سلّام (۱۲۴۔۔۔ ۲۰۰ھ) بن ابی ثعلبہ التیمی البصری۔ مفسر، فقیہ، محدث، ماہرِ لغت۔ تقریباً بیس تابعین سے روایت کی۔ مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصانیف ہیں جن میں تفسیر القرآن، اختیارات فی الفقہ اور الجامع کو شہرت ملی۔

۲۴۴۔ یحییٰ بن یعمر (م ۱۲۹ھ) ابو سلیمانؒ الوشقی العدوانی۔ تابعی۔ حدیث، فقہ اور لغت کے ماہر۔ مرو کے قاضی رہے۔ نحو میں ابو الاسود الدؤلی کے شاگرد۔ سب سے پہلے مصاحف پر نقطے لگائے۔

۲۴۵۔ یزید بن ابی سفیانؓ (م ۱۹ھ) صحابی رسول، حضرت معاویہؓ کے بھائی، فتحِ مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔

۲۴۶۔ یعقوب بن عتبہ (م ۱۲۸ھ) بن المغیرہ بن الاخنس۔ تابعی۔ حضرت ابان بن عثمانؓ، سلیمان بن یسار، عکرمہ، عروہ وغیرہ سے روایت کی۔ اصحابِ سیر نے ان کا شمار اہلِ مدینہ کے چوتھے طبقے میں کیا ہے۔

Marfat.com

مصنف کی بعض اہم مطبوعات

۱- معروف و منکر
۲- خدا اور رسول کا تصور (اسلامی تعلیمات میں)
۳- اسلام کی دعوت
۴- صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات
۵- انسان اور اس کے مسائل
۶- اسلام اور وحدت بنی آدم
۷- اسلام اور مشکلات حیات
۸- خدا کی غلامی- انسان کی معراج
۹- انفاق فی سبیل اللہ
۱۰- دولت میں خدا کا حق
۱۱- یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟
۱۲- ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمے داریاں
۱۳- فقہی اختلافات کی حقیقت
۱۴- سوئے حرم چلا
۱۵- بعض اہم اسلامی اصلاحات اور ان کی تشریح
۱۶- وقتِ حساب
۱۷- جماعت اسلامی ہند پس منظر اور خدمات
۱۸- ہم تحریکِ اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟
۱۹- موجودہ حالات میں جماعت اسلامی ہند کا لائحۂ عمل

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵
Post Box.9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phones:26971652,26954341, Fax:26820975
E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in, Website: www. mmipublishers.net

Marfat.com

انسانی حقوق پر مصنف کی کتابیں

۱- اسلام- انسانی حقوق کا پاسبان

۲- غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

۳- غیر اسلامی ریاست اور مسلمان

۴- عورت- اسلامی معاشرہ میں

۵- مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ

۶- عورت اور اسلام

۷- مسلمان خواتین کی ذمے داریاں

۸- اسلام کا عائلی نظام

۹- اسلام میں خدمت خلق کا تصور

۱۰- اسلام اور انسانی حقوق

۱۱- کم زور اور مظلوم اسلام کے سایے میں

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

Post Box.9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025

Phones:26971652,26954341, Fax:26820975

E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in, Website: www. mmipublishers.net

Marfat.com

Marfat.com

مولانا سید جلال الدین عمری (پ ۱۹۳۵ء) عالمِ اسلام کے ایک [illegible]
مصنف کی حیثیت سے معروف ہیں۔ قرآن و حدیث اور جدید علوم و فنون [illegible]
تنوع، اسلوب کی انفرادیت، طرزِ استدلال کی ندرت اور زبان و بیان کی شگفتگی [illegible]

مولانا عمری معروف دینی درس گاہ جامعہ دارالسلام عمر آباد (تمل ناڈو) [illegible]
یونیورسٹی سے فارسی میں منشی فاضل اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انگریزی میں [illegible]
وقت جماعتِ اسلامی ہند کے امیر، جامعۃ الفلاح بلریا گنج کے شیخ الجامعہ، [illegible]
کے سرپرستِ اعلیٰ، ملک کے ممتاز تحقیقی ادارے ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی علی [illegible]
کے صدر اور مشہور سہ ماہی مجلّے ”تحقیقاتِ اسلامی“ علی گڑھ [illegible]
ماہنامہ ’زندگی نو‘ دہلی کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔

مولانا عمری کی مختلف موضوعات پر تقریباً تین درجن تصانیف منظرِ عام پر آچکی [illegible]
منکر، صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات، خدا اور رسول کا تصور اسلامی تعلیمات میں، [illegible] کے مسائل [illegible]
اسلام اور مشکلاتِ حیات، اسلام کی دعوت، اسلام کا شورائی نظام [illegible] علوم اسلام کے [illegible]
مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں کے ترجمے عربی، انگریزی، ترکی، ہندی، ملیالم، تلگو، مراٹھی،
گجراتی، بنگلہ اور تمل میں بھی ہو چکے ہیں۔ ”اسلام کا معاشرتی نظام“ ان کی دلچسپی کا خاص موضوع [illegible]
اسلامی معاشرے میں، عورت اور اسلام، مسلمان خواتین کی ذمے داریاں، مسلمان عورت کے حقوق اور ان
پر اعتراضات کا جائزہ اور اسلام کا عائلی نظام جیسی وقیع کتابیں اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔
”غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق“ مولانا سید جلال الدین عمری کی ایک مقبول کتاب
ہے۔ مولانا محترم نے اس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں [illegible] مسلمانوں کے [illegible]
حقوق پر نہایت محققانہ اور داعیانہ بحث کی ہے۔ تعلقات [illegible]
معاشرتی ہر نوع کے تعلق کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے اور بعض اختلافی [illegible]
کی آراء سے تائید حاصل کی گئی ہے۔ ان شاء اللہ یہ کتاب دعوت و تحقیق [illegible]
مفید ثابت ہوگی۔

MARKAZI MAKTABA ISLAMI PUBLISHERS
NEW DELHI
★ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز ★
RN-972

Marfat.com